www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

پرویزیت اور فتنۂ انکارِ حدیث

کے جواب میں ایک لاجواب کتاب

آئینۂ پرویزیت

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ

مکتبۃ السلام

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب: آئینہ پرویزیت

مصنف: مولانا عبدالرحمان کیلانیؒ

اشاعت چہارم: اکتوبر:2004

تعداد: 1200

زیر سرپرستی: ڈاکٹر حبیب الرحمان کیلانی

زیر اہتمام: نجیب الرحمان کیلانی فون:7844157

ناشر: ڈاکٹر حافظ شفیق الرحمان کیلانی۔انجینئر حافظ عتیق الرحمان کیلانی

مطبع: انٹرنیشنل دارالسلام پرنٹنگ پریس لاہور

ناشر: مکتبۃ السلام سٹریٹ نمبر:20، وسن پورہ لاہور

فون: 7844157-7280943

ڈسٹری بیوٹر

دارالسلام

کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور

لندن • ہیوسٹن • نیویارک

DARUSSALAM

ہیڈ آفس ومرکزی شوروم 36 - لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

فون: 711 1023 , 711 0081 , 723 2400 , 724 0024 فیکس: 735 4072

E-mail: darussalampk@hotmail.com Website: www.dar-us-salam.com

شوروم اردو بازار اقرا سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 712 0054 فیکس: 732 0703

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب ۲۱)

مسلمانو! یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی بہترین نمونہ ہیں

پرویزیت اور فتنۂ انکارِ حدیث
کے جواب میں ایک لاجواب کتاب

آئینہ پرویزیت

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ

مکتبۃ السلام وسن پورہ سٹریٹ نمبر ۲۰ لاہور

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

فہرست

دیباچہ (طبع دوم) 29
دیباچہ (طبع سوم) 31
تبصرے 32
پیش لفظ 34

حصہ اوّل

معتزلہ سے طلوع اسلام تک

باب اوّل: عقل پرست فرقوں کا آغاز 41
عقل پرست اور ان کے مختلف فرقے 42
(۱) مادہ پرست اور دہریے 42
(۲) فلاسفر اور سائنس دان 43
الٰہیات ارسطو 44
(۳) لاادریت 45
وحی الٰہی اور بنیادی سوالات کا حل 45
ہندو مت اور عقل پرستی 46
مذہب میں بگاڑ کی صورتیں 47
عقل پرستی کا بگاڑ 48
باب دوم: عجمی تصورات کا پہلا دَور 49
(۱) فرقہ جہمیہ 49
(۲) معتزلین (RATIONALISTS) 50
معتزلہ کے عقائد و نظریات 51
مسئلہ تقدیر یا جبر و قدر 51
تقدیر کی بحث 52
افعال کی نسبت 53
تاویلات 55
عدل یا قانونِ جزا و سزا 55
صفاتِ باری تعالیٰ معتزلہ کی توحید 56
مسئلہ خلق قرآن 57
امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ 57
امام موصوف پر دور ابتلاء 58
خلق قرآن کی حقیقت اور معتزلہ کا انجام 59
عقل کی برتری اور تفوق 60
عقل کا جائز مقام 60
عقل اور ہدایت 61
عقل اور ضلالت 62
عقل کا دائرہ کار 64
عقل کی ناجائز مداخلت 65
اپنے دور کی علمی سطح 66
معتزلہ کے زوال کے اسباب 67
نتائج 68
باب سوم: عجمی تصورات کا دوسرا دَور 69
سرسید احمد خاں 70
جدید علم کلام کی ضرورت اور خصوصیات 71

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

حدیث اور فقہ سب ناقابل حجت ہیں 71
قرآن اور نیچر 72
سرسید احمد خاں کے نظریات 73
سرسید کا نظریہ معجزات 74
قوانین قدرت میں تبدیلی 75
قوانین قدرت اور استثنائی صورتیں 76
معجزات سے انکار کی اصل وجہ 77
قرآن کریم میں مذکور معجزات 77
آگ کا ٹھنڈا ہونا 77
اصحاب فیل 78
عصائے موسیٰ اور ید بیضا 78
دریا کا پھٹنا 80
بارہ چشموں کا پھوٹنا 81
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور وفات 81
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوسرے معجزات 82
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات 84
انشقاق قمر 84
واقعہ اسراء 84
وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى 86
دوسرے خرق عادت امور سے انکار 86
کیا دعا کا کچھ فائدہ ہوتا ہے؟ 86
بنی اسرائیل کا بندر بننا 88
اللہ کے مارنے اور زندہ کرنے کی قدرت 88
حضرت عزیر علیہ السلام کی موت اور زندگی 88
پرندوں کی موت اور زندگی 89
جنت اور دوزخ کی حقیقت 91
جنت اور دوزخ کے خارجی وجود کا انکار 92
خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تصور؟ 93

باب چہارم: نظریہ ارتقاء کا سرسید کے عقائد پر اثر 94

فرشتوں پر ایمان 94
سرسید کے خیالات کے ماخذ 95
سرسید اور صوفیہ کا ذہنی اتحاد 96
فرشتوں کے ذاتی تشخص کے دلائل 97
جبرئیل علیہ السلام کی حقیقت اور نبوت کا مقام 98
فطری ملکہ اور نبوت میں فرق 99
فطری ملکہ اور علامہ اقبالؒ 98
نبوت اور قرآن کریم 101
جبرئیل اور میکائیل 102
ابلیس یا شیطان 102
جن 103
ابلیس کے خارجی وجود کا ثبوت 104
جنوں کے خارجی وجود کا ثبوت 104
قصہ آدم علیہ السلام و ابلیس 105
قصہ آدم میں گفتگو کے فریق 106
جنت، شجر ممنوعہ اور ہبوط آدم کی تاویلات 107
تاویلات کا جائزہ 108
سرسید پر کفر کا فتویٰ 109
سرسید کے افکار و نظریات پر ایک نظر 111
پہلا نظریہ، عقل کا تفوق 111
دوسرا نظریہ، ذات وصفات باری تعالیٰ کی تنزیہہ 111
تیسرا نظریہ، جبر و قدر 112
چوتھا نظریہ، خوارق عادت اور معجزات سے انکار 112
اپنے دور کی علمی سطح کی قباحت 114
پانچواں نظریہ، نظریہ ارتقاء 115
نگہ بازگشت 116

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

باب پنجم: عجمی تصورات کا تیسرا دور 118

عبوری دور کے منکرین حدیث 118

چند مشہور منکرین حدیث کا مختصر تعارف 119

عبداللہ چکڑالوی 119

نیاز فتح پوری 121

علامہ عنایت اللہ مشرقی 123

ڈاکٹر غلام جیلانی برق 124

حافظ اسلم جے راج پوری 126

حافظ اسلم صاحب کا نظریہ حدیث 126

غلام احمد پرویز اور طلوع اسلام 127

طلوع اسلام کا اپنے پیشروؤں کو خراج عقیدت 128

معتزلین اور طلوع اسلام 128

سرسید احمد خاں اور طلوع اسلام 129

علامہ مشرقی اور ادارہ طلوع اسلام 129

حافظ اسلم صاحب اور ادارہ طلوع اسلام 129

طلوع اسلام اور حافظ عنایت اللہ اثری 131

طلوع اسلام کے عجمی افکار

عقل کا تفوق اور برتری 131

تاویلات کا دھندا 133

طلوع اسلام کا لٹریچر 133

مسلمانوں سے شکوہ؟ 134

اہل مغرب میں پرویز صاحب کی مقبولیت 134

حصہ دوم

طلوع اسلام کے مخصوص نظریات

باب اوّل: حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ 137

لفظ کتاب کے مختلف معانی 137

کتاب کا اصطلاحی مفہوم 140

کتاب وسنت یا قرآن وحدیث 140

کتاب وسنت لازم وملزوم ہیں 140

قرآن میں سنت رسول کا ذکر 141

احادیث میں کتاب اللہ کا ذکر 141

کتاب اللہ اور "واقعہ عسیف" 141

کتاب اللہ اور حق تولیت 142

"حسبنا کتاب اللہ" سے عمر رضی اللہ عنہ کی مراد 143

کتاب اللہ اور کلام اللہ کا فرق 144

کتاب اللہ کے پرویزی معانی کا تجزیہ 144

مدون شکل میں 145

سلی ہوئی شکل 146

قرآن کی ماسٹر کاپی 147

مدون اور سلی ہوئی کتاب کا ایک نقلی ثبوت 148

حفاظت قرآن کے پرچار میں غلو 149

اللہ کی ذمہ داری پوری شریعت کی حفاظت ہے 150

قرآن کے بیان کو لغت سے متعین کرنے کے مفاسد 151

کثیر المعانی الفاظ 151

اصطلاحات 152

مقامی محاورات 152

عرفی معانی 153

پرویزی اصطلاحات 153

نتائج 154

باب دوم: عجمی سازش اور زوال اُمت 155

اسلام میں عجمی تصورات کی آمیزش 155

عجمی سازش کیا ہے؟ 155

عجمی سازش کے راوی 156

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

سازش کی ابتدا 156
سازش کی انتہا 156
حدیث کے جامعین کے اوصاف 157
طلوع اسلام کے مکرو فریب 157
حدیث کے عرب جامعین 158
نظریہ عجمی سازش کے غلط ہونے کے دلائل 159
صحاح ستہ کا مواد اور ایرانی عقائد 159
اسلامی فقہ اور عجمی سازش 159
محدثین کا معیار صحت 160
یزدگرد کا قاتل؟ 160
شہادت حضرت عمر رضی اللہ عنہ 161
اسلامی حکومت میں سازشیں 161
سازش کے لئے مناسب مقام 162
ایران میں ہی سازش کیوں؟ 162
عجمی سازش اور تمنا عمادی 163
امام زہری کا شجرہ نسب 164
تمنا عمادی اور تدوین حدیث 165
تمنا عمادی اور حافظ اسلم کے بیانات 165
حدیث مثلہ معہ اور عجمی سازش 166
عمادی صاحب کے جھوٹ کا جواب 166
حافظ اسلم صاحب کے اعتراضات کا جواب 167
پرویز صاحب اور قرآن کی مثلیت 167
حضرت عیسیٰ اور آدم میں مثلیت 167
ملوکیت اور پیشوائیت کا شاخ سانہ 168
ملوکیت اور پیشوائیت (مذہب) کی ایک کیمیائی مثال 170
کیا ملوکیت واقعی مورد عتاب ہے؟ 171
ملوکیت سے بیر کی اصل وجہ 173
خلفائے بنوامیہ و بنو عباس کے مناقب و مثالب 173
مذہب پر پرویز صاحب کی برہمی 174
ملوکیت اور پیشوائیت کا سمجھوتہ 176
علمائے دین کی حق گوئی و بے باکی 177
سعید بن مسیب اور اموی خلفاء 177
سالم بن عبداللہ بن عمرؒ اور ہشام بن عبدالملک 177
امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور عراق کا گورنر 178
خلیفہ منصور کی خلافت کی توثیق امام ابو حنیفہ اور ابن ابی ذئب 178
امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی بے نیازی 180
خالد بن عبدالرحمان کی خلیفہ منصور پر تنقید 181
امام مالک رحمہ اللہ اور خلیفہ منصور 181
جبری بیعت سے متعلق امام مالک رحمہ اللہ کا فتویٰ 181
ابن طاؤس رحمہ اللہ (محدث) اور خلیفہ منصور 182
امام سفیان ثوریؒ (۹۷-۱۶۱ھ) اور عہدہ قضاء 182
ہارون الرشید اور فضیل بن عیاض رحمہ اللہ 183
امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور مامون الرشید 184
امام بخاری رحمہ اللہ اور حاکم بخارا 185
نتائج 185
مسلمانوں کے زوال کے اسباب اور علاج 186
مقام آدمیت اور مقام انسانیت؟ 186
علاج 187
کیا فلاح آخرت اور دنیوی خوشحالی لازم و ملزوم ہیں؟ 187
مومن بننے کا طریقہ 188
انبیاء اور تسخیر کائنات 189
سائنسدان ہی حقیقی عالم ہیں 189
عالم یا لائیبریرین 190

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

عقل کی بو	190
باب سوم: مساوات مرد و زن	192
موضوع کا تعین	192
اسلام کے عطا کردہ حقوق	193
مرد کی فوقیت کے گوشے	194
مرد کی فوقیت اور طلوع اسلام	194
عورت کی پیدائش	194
مرد کی حاکمیت؟	195
عورت کی فرمانبرداری	197
مردوں کا عورتوں کو سزا دینے کا اختیار	199
اپنے بیانات کی خود تردید	200
عورت کی شہادت	200
مذکر کے صیغے	202
جنتی معاشرہ	203
تعدد ازدواج	203
حق طلاق مرد کو ہے	204
عدت صرف عورت کے لئے	204
عورت کی فضیلت بواسطہ حق مہر	205
بچپن کی شادی	206
عورت اور ولایت	207
مرد کی فوقیت کے چند دوسرے پہلو	207
کوئی عورت نبیہ نہیں ہوئی	207
کوئی عورت حاکم بھی نہیں بن سکتی	207
عورتیں مردوں کی کھیتیاں ہیں	207
نکاح کے بعد عورت ہی مرد کے گھر آتی ہے	208
اولاد کا وارث مرد ہوتا ہے	208
تکمیل شہادت	208
اہل کتاب سے نکاح	208
عورت کی برتری	209
باب چہارم: نظریۂ ارتقاء	210
کیا انسان اولاد ارتقاء ہے؟	210
سرچارلس ڈارون	211
نظریہ ارتقاء کیا ہے؟	212
نظریہ ارتقاء کے اصول	213
تنازع للبقاء (Struggal For Existence)	213
طبعی انتخاب (Natural Selection)	213
ماحول سے ہم آہنگی (Adaptation)	213
قانون وراثت (Law of Heritence)	214
نظریہ ارتقاء پر اعتراضات	214
نظریہ ارتقاء اور مغربی مفکرین	216
نظریہ ارتقاء کی مقبولیت کے اسباب	217
نظریہ ارتقاء اور منکرین قرآن	217
طلوع اسلام کے قرآنی دلائل	218
نفس واحدہ سے مراد پہلا جرثومہ حیات؟	218
خلق کا مفہوم	219
اطوار مختلفہ	219
زمین سے روئیدگی	220
نظریہ ارتقاء کے ابطال پر قرآنی دلائل	221
مراحل تخلیق انسانی	221
تخلیق انسان سے پہلے کا زمانہ	222
آدم کی خصوصی تخلیق	222
آدم کی بن باپ تخلیق	222
قصہ آدم وابلیس	224
جنت، شجر ممنوعہ اور ہبوط آدم	224
ابلیس اور ملائکہ	224
نظریہ ارتقاء اور اسلامی تعلیمات	225

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

نظریہ ارتقاء کا مستقبل 226
صراط مستقیم کیا ہے؟ 227
ارتقاء کی اگلی منزل 229
آخرت کا تصور 229
اخروی زندگی 230
طلوع اسلام کا تضاد 231
باب پنجم: مرکز ملت 232
منصب رسالت 232
سب سے پہلا مومن 232
ختم نبوت ورسالت 233
نبی اور رسول میں فرق 233
مبلغ رسالت 233
شارح کتاب اللہ 234
شارع یا قانون دہندہ 234
مزکی یا تربیت کنندہ۔ معلم کتاب وحکمت 235
مطاع 236
اللہ اور رسول کے مقام کا فرق 236
اطاعت رسول کی مستقل حیثیت 236
اتباع رسول ﷺ اور اسوہ حسنہ 237
آپ ﷺ کی اتباع تا قیامت ضروری ہے 237
اتباع صرف رسول ﷺ کی ہے اللہ کی نہیں 238
آپ کی اتباع سے انکار کفر ہے 238
قاضی اور حاکم 238
قابل ادب واحترام ہستی 239
مرکز ملت کے تصور کا پیش منظر 239
حافظ اسلم صاحب کا نظریہ مرکز ملت 240
مرکز ملت کی وضاحت 240
کیا مرکز ملت کی اطاعت رسول کی اطاعت ہے؟ 241
رسول کی قائم مقامی 242
اقتضآت زمانہ 242
مرکزی وحدت 242
نظریہ مرکز ملت اور طلوع اسلام کے دوسرے نظریات کا تصادم 243
ظنی چیز دین نہیں بن سکتی 243
فرقہ سازی اور فرقہ پرستی شرک ہے 244
دین ودنیا کی تفریق 244
شریعت اور شریعت سازی 244
اطاعت رسول کا پرویزی مفہوم 245
مقام رسالت پرویز صاحب کی نظر میں 246
مگر رسالت بدستور جاری ہے 246
اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت سے مراد 247
زندہ رسول 248
زندہ رسول پرویز صاحب ہی ہیں 249
غلام احمد قادیانی اور غلام احمد پرویز 249
مرکز ملت کا یہ منشور غلط ہے 250
اللہ اور رسول کی الگ الگ اطاعت کا تصور 251
اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم کی نئی تشریح 251
علمائے دین اور "پیشوائیت" میں فرق 252
تاریخ سے ایک مرکز ملت کی مثال 253
شہنشاہ اکبر کی خداداد بصیرت 254
چند ضمنی گوشے 254
رسول اللہ سے پرویز صاحب کی محبت وعقیدت؟ 254
اطاعت رسول کا نیا مفہوم 255
مرکز ملت کی اطاعت حرام ہے 256

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

تشریعی امور میں مشورہ کبھی نہ کیا گیا 256
انکار رسالت 256
خسرو پرویز اور غلام احمد پرویز 257
حجیت حدیث کے دلائل 257
فرار کی راہیں 257
طلوع اسلام کے اعتراضات کے جوابات 258
اللہ اور رسول کی الگ الگ اور مستقل یعنی دو اطاعتوں کا ثبوت 259
اصل اطاعت رسول کی ہے اور وہ رسول ہونے کی حیثیت سے ہے 260
اطاعت رسول ہی اصل ہدایت ہے 261
اقوال وافعال رسول حجت شرعیہ ہیں 261
رسول کی اطاعت دائمی ہے 261
اتباع رسول ﷺ کے منکرین کے لئے وعید 263
اتباع رسول کا منکر کافر ہے 263
اتباع رسول سے روگردانی منافقت ہے 264
رسول کا مخالف جہنمی ہے 264
نتائج 265
حجیت حدیث کے عقلی دلائل 265
صحابہ کی قرآن فہمی 265
تعامل امت 266
موضوعات کا وجود 266
باب ششم: قرآنی نظام ربوبیت 267
ملکیت زمین 267
فطری قانون حق ملکیت 267
حق ملکیت کے عوامل 268
حق ملکیت کا اسلامی تصور 269
متشابہات سے استفادہ 270
عدم جواز ملکیت زمین پر طلوع اسلام کے دلائل کا جائزہ 271
قرآنی آیات سے 271
لفظ سُئِلَ کے معانی 271
لفظ سوآء کے معانی 272
برابری کس کس کی اور کس بات میں 272
سیاق و سباق کا طریق 273
قرآن سے حق ملکیت زمین کے دلائل 274
تاریخ اور طلوع اسلام 275
بائیبل اور طلوع اسلام 276
انتظام یوسفی 276
طلوع اسلام کی علمی دیانت؟ 278
نتائج 278
عام اشیائے صرف پر ملکیت کا حق 279
طلوع اسلام کے دلائل کا جائزہ 279
طلوع اسلام کا حدیث سے احتجاج 281
باغ فدک کا قصہ اور نتائج 281
لین دین کے احکام کی پرویزی تاویلیں 283
احکام میراث 283
طلوع اسلام کے تضادات 283
احکام صدقہ و خیرات 284
ملا کون؟ 284
ملا کا قصور 284
لین دین کے احکام کا عبوری دور 285
عبوری دَور کے احکام کی مزید تشریح 286
پرویزی حیلے 287
زنا اور عبوری دَور 287
عبوری دور اور حالات 288

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

عبوری دَور اور ناسخ و منسوخ 288
احتمالات کی دنیا 289
نفاذ اور نافذ العمل کا فرق 289
ترکہ اور عبوری دور 289
مساکین کا وجود 290
قسم کا کفارہ اور روزے 291
زکوٰۃ و صدقات کے احکام کا تعطل 291
لین دین کے احکام 291
انفرادی ملکیت اور ارکان اسلام 292
ذاتی ملکیت اور زکوٰۃ 292
ذاتی ملکیت اور حج 292
باب ہفتم: نظام ربوبیت کا فلسفہ اور تشریف آوری 294
نظام ربوبیت کی ایجاد کی ضرورت 294
قرآن میں غور کرنے کا طریقہ 294
اشتراکیت اور ربوبیت 294
ربوبیت اور تصوف 294
فلسفہ ربوبیت 295
انسان کی مضمر صلاحیتیں 296
مضمر صلاحیتیں اور مستقل اقدار 296
انسانی ذات کی نشوونما کا فائدہ 297
نظریہ ربوبیت کا تجزیہ 297
اشتراکیت اور ربوبیت کے جذبہ محرکہ کا فرق 298
پرویزی جذبہ محرکہ کی قوت 299
نظام ربوبیت کی تاریخ 299
رسول اللہ نے شاید یہ نظام متشکل فرمایا ہو؟ 300
رسول اللہ نے نظام ربوبیت قائم کر لیا تھا 300
دور نبوی میں یہ نظام قائم نہیں ہو سکتا تھا 300
یہ نظام سب انبیاء پر نازل ہوا تھا 301
اسلام کی تاریخ میں پہلی کوشش 302
نظام ربوبیت کو قرآن سے کشید کرنے کے طریقے 302
اپنی طرف سے بے جا اضافوں کے ذریعہ سے 302
ربوبیت، قانون ربوبیت، نظام ربوبیت کے لئے قرآنی الفاظ 303
نئی نئی اصطلاحات کا طریقہ 304
دنیا اور آخرت کے کئی مفہوم 304
اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ 305
اللہ سے مراد قرآنی معاشرہ 306
چند قرآنی اصطلاحات 306
تفسیری انداز 314
سرمایہ داری اور طبقاتی تقسیم 314
نظام ربوبیت کے قائلین اور منکرین 316
جہنم صرف سرمایہ دار کیلئے اور صرف دنیا میں ہے 317
قانون ربوبیت پر ایمان لانے کے فائدے 318
قانون کی قوت؟ 319
نظام ربوبیت کے اپنے فائدے 319
نظام ربوبیت کا فلسفہ اور مزید فوائد 320
نظام ربوبیت کب اور کیسے آئے گا؟ 321
نظام ربوبیت کے انقلاب کا دوسرا منظر 322

حصہ سوم

قرآنی مسائل

① قرآنی نماز 325
نماز اور تواتر کا سہارا 325

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

نمازوں کی تعداد 326
قیام صلوٰۃ کا مقصد 327
صلوٰۃ کے دوسرے مفہوم 327
قیام صلوٰۃ اور طہارت؟ 329
امام کا تقرر کیوں؟ 329
رکوع و سجود کا مقصد اظہار جذبات ہے 329
تاج محل 330
صلوٰۃ اور نماز کا فرق 330
پرویز صاحب کی نماز 331
پرویزی نماز نہیں پڑھتے 332
② قرآنی زکوٰۃ و صدقات 334
شرط زکوٰۃ 334
اس شرط کے مفاسد 335
شرح زکوٰۃ میں تبدیلی کا حق 336
نماز اور زکوٰۃ کی جزئیات 337
زکوٰۃ سے متعلق طلوع اسلام سے ایک سوال 337
زکوٰۃ اور زمانے کے تقاضے 337
ٹیکس اور زکوٰۃ میں فرق 338
بنیادی فرق 338
مقصد کے لحاظ سے فرق 340
حاصل کے لحاظ سے فرق 340
مصارف میں فرق 341
مزاج اور نتائج کے لحاظ سے فرق 342
حکومت کا عوام سے زائد از ضرورت سب کچھ وصول کرنا 342
زکوٰۃ کی ادائیگی کا بالکل جداگانہ مفہوم 343
صدقہ و خیرات 343
اسلامی نظام میں فقراء کا وجود 344
پرویز صاحب کی تضاد بیانی 346
زکوٰۃ کی ادائیگی سے فرار کی راہیں 346
صدقہ فطر اور ڈاک کے ٹکٹ 347
③ قربانی 349
ایک چور کا اپنے سے بڑے چور سے سوال 349
پرویز صاحب کا جواب 349
مقامی قربانی اور حج کی قربانی کے لیے الگ الگ لغت 350
مقامی قربانی کے دلائل 350
ایک سے زیادہ جانوروں کی قربانی 352
مالی ضیاع کی فکر 352
قربانی کا فلسفہ 353
قربانی کا لفظ قرآن میں 354
لفظ نحر کی لغوی تحقیق 355
سورہ کوثر اور اونٹ 356
اپنے دعویٰ کی خود تردید 357
④ اطاعت والدین 358
اطاعت والدین قرآن کی رو سے غیر ضروری ہے 358
اطاعت والدین کے نقصانات 359
اطاعت کس عمر میں؟ 360
اطاعت والدین قرآن کی رو سے فرض ہے 361
کیا اطاعت کے بغیر والدین سے حسن سلوک ممکن ہے؟ 361
بڑھاپے میں بھی اطاعت والدین ضروری ہے 362
نتائج 363
اصل مسئلہ طلاق 363
⑤ ناسخ و منسوخ 365
مَانَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ کا پرویزی مفہوم 365

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

ترجمہ میں خود ساختہ اضافے 365
بھلا دینے کی تشریح 367
بے چارے ملا پر پرویز صاحب کا غصہ 368
اللہ تعالیٰ کا بعض قرآنی آیات کو بھلا دینا 369
طلوع اسلام سے چند سوالات 369
حق وصیت کس کو؟ 369
زانی کی سزا 370
جرم فحش -- ایک دلچسپ انکشاف 370
اللہ تعالیٰ کا علم 371
ازواج النبی ﷺ 371
غلام اور لونڈیاں 372
⑥ عذاب قبر 373
زندگی اور موت صرف دو دو بار ہے 373
مستثنیات 373
مُردوں کا احساس وشعور 374
مستثنیات 374
عرصہ برزخ کا اقرار 374
عذاب قبر کا ثبوت 375
شہداء کی زندگی 375
قبلہ حافظ صاحب کا برزخ کی مدت یا فصل زمانی سے انکار 375
نیند اور برزخ 376
برزخ میں قیام کی مدت؟ 377
عذاب قبر اور انصاف کا تقاضا 377
قرآن سے عذاب قبر کا ثبوت 378
فرشتوں کا خطاب 378
حافظ صاحب کی علمی خیانت 379
آل فرعون کی آگ پر پیشی 379
آل نوح کا انجام 380
اللہ کے حضور پیشی 381
حافظ صاحب کے افکار کا خلاصہ 382
حدیث اور عذاب قبر 382
⑦ ترکہ اور وصیت 384
پرویز صاحب کی فراہم کردہ بنیاد 384
پرویز صاحب کی تضاد بیانی 385
پرویز صاحب کا ذہنی انتشار 386
واضح بات؟ 386
کیا چار بار تاکید کی وجہ سے قرض اٹھانا بھی فرض ہے؟ 387
آیات وصیت کی تشریح 389
قانون وراثت پر پرویزی اعتراضات 390
سائل کے سوالات 393
⑧ یتیم پوتے کی وراثت 394
طلوع اسلام سے چند سوالات 394
فقہ اسلامی کی غلطیاں 395
اللہ تعالیٰ کی حساب دانی 395
فقہاء کی خدمات کا اعتراف 396
یتیم پوتے سے ہمدردی 396
یتیم سے ہمدردی کی شکلیں 397
قائم مقامی کا اصول 398
اصول قانون وراثت 398
قانون وراثت پر پرویز صاحب کا اعتراض 399
قائم مقامی کا نظریہ 399
غلطی فقہاء کی یا طلوع اسلام کی؟ 400
فقہاء کی مزید غلطیاں 400
باپ کی جگہ دادا کے حصہ پانے کی وجہ 401

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

نظریہ قائم مقامی کے مزید مفاسد 402
قصور وار کون؟ 402
⑨ تلاوت قرآن پاک 404
تلاوت قرآن پر طلوع اسلام کے اعتراضات 404
اعتراضات کے جوابات 404
قرآن کے الفاظ کی اعجازی حیثیت اور تاثیر 406
بلا سوچے سمجھے تلاوت 407
⑩ نکاح نابالغاں 409
نکاح کی عمر 409
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح 409
فریقین کی رضامندی 411
سار دابل 411
اصل مسئلہ 412
استفتاء 413
جواب - نکاح کی عمر؟ 416
معنوی تحریف 417
عقد نکاح اور بلوغت 419
بچپن کے نکاح کی حیثیت 421
کمسنی کے نکاح کے جواز پر قرآن مجید سے دوسری دلیل 422
مجامعت قبل از بلوغت 422
کمسنی کے نکاح کی مخالفت کی اصل وجہ 423
⑪ تعداد ازدواج 423
عام حالات میں ایک بیوی کی اجازت 425
ہنگامی حالات کی قید کہاں سے آئی 427
عام قانون 427
کیا یتیموں کی کثرت شرط لازم ہے؟ 428
سوالنامہ 429
جواب میں روایات پر برہمی 430
غلام اور لونڈیاں 433
منًّا اور فداءً کی مختلف صورتیں 433
من کی تین صورتیں 434
فدیہ کی تین صورتیں 435
مجاہدین میں قیدیوں کی تقسیم 436
پرویز صاحب کا اصل اعتراض 436
اعتراض کا جائزہ 437
رخصت کی حکمت 438
⑬ رجم اور حد رجم 440
سورہ نور میں مذکورہ سزا صرف کنواروں کیلئے ہے 441
لونڈی کی سزائے زنا 441
نصف رجم 441
حد رجم 442
یہودی زانی جوڑے کا رجم 444
کیا حد رجم قرآن کے خلاف ہے؟ 446
حد رجم سے انکار کی اصل وجہ 447
حد سارق 447
آیۃ رجم؟ آیت منسوخ حکم باقی 448
ایک شبہ کا ازالہ 449

حصہ چہارم

دوامِ حدیث

باب اوّل: روایتِ حدیث
عہد نبوی ﷺ میں روایت 453
امتناع کثرت روایت کے اسباب 453
روایت حدیث کے تاکیدی احکام 453

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

حفظ حدیث 454
تعلیم روایت 455
معارضہ حدیث 456
روایات سے جی بہلانا 457
خلفائے راشدین اور روایت حدیث 459
حضرت ابو بکرؓ اور امتناع روایت 459
حضرت عمرؓ اور امتناع روایت 460
حضرت عمر اور قرظہ بن کعب رضی اللہ عنہما 460
حضرت عمر اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما 461
حضرت عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما 462
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا صحابہ کو نظر بند کرنا 462
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا روایت کو رد کرنا 462
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہدایت 463
حدیث کا مرتبہ صحابہ کرام کی نظر میں 464
دور صحابہ میں روایات کی تعداد 465
محدثین کرام پر اتہام 465
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کی مرویات 466
کیا یہ کثرت روایت ناممکن ہے؟ 467
مشاہداتی دلیل 467
عدم اطمینان کی اصل وجہ 468
کثرت روایت کی وجہ حافظ اسلم صاحب کی نظر میں 468
وضاعین کون تھے؟ 469
حدیث کے متعلق ائمہ کے اقوال 470
قرآن پر مکڑیوں کا جالا 470
قرآن اور فقہ 471
امام داؤد طائی اور روایت حدیث 471
فضیل بن عیاض رحمہ اللہ اور روایت حدیث 472
دیگر آئمہ کے اقوال 473
امام شعبہ کا قول 474
سفیان بن عیینہ کے اقوال 474
بکر بن حماد شاعر اور خیر و شر کا معیار 475
اہل بصیرت کے اقوال 475
کیا مثلہٗ مَعَہٗ والی حدیث وضعی ہے 476
حافظ صاحب کے دلائل کا جائزہ 476
کیا قرآن مکمل کتاب ہے؟ 477
معتزلین اور امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ 478
بدترین علمی خیانت 479
محدثین کی مشکلات 480
رتبہ قرآن اور حدیث 482
باب دوم: کتابت و تدوینِ حدیث 484
حدیث منع کتابت 484
امتناع کتابت حدیث کے اسباب 485
منع کتابت کی علت؟ 486
عبداللہ بن عمروؓ کو احادیث لکھنے کی اجازت اور حکم 486
کتابت حدیث کی اجازت یا حکم 487
طلوع اسلام کا اعتراف کتابت 488
اقتباس بالا کا تضاد 488
دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کتابت حدیث 489
احادیث لکھنے کی ترغیب اور حکم 490
کتابت شدہ احادیث کی تصحیح و تصویب 490
منع کتابت کی روایات اور صحابہ کرامؓ 491
حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور منع کتابت 491
حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا مجموعہ حدیث 492
حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور استخارہ 492
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا احادیث کو جلانا 493

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا احادیث کو مٹانا 493
حضرت علی رضی اللہ عنہ اور احادیث کی اشاعت 494
ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور حفظ حدیث 494
عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور کتابت حدیث 495
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور کتابت حدیث 495
امام اوزاعی رحمہ اللہ اور حفظ حدیث 496
تدوین حدیث کا پہلا دور 496
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تحریری مجموعے 496
حضرت عمر بن عبدالعزیز کا فرمان شاہی 499
تدوین حدیث کا دوسرا دور 499
حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا کارنامہ 500
طلوع اسلام کے اعتراضات 501
امام زہری کی کتابت حدیث سے ناگواری 501
تدوین حدیث کے نتائج 502
موطا امام مالک کی احادیث؟ 502
دوسری صدی ہجری کے مسانید 503
تدوین حدیث کے متعلق طلوع اسلام کا دعویٰ 504
اس دعویٰ کے غلط ہونے کے دلائل 504
کتابت حدیث کا تسلسل 505
کتابت حدیث اور حفظ و سماع 506
حفاظت قرآن کریم اور اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم 506
حفظ اور کتابت کی خوبیاں اور خامیاں 507
حدیث کی حفاظت کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقدامات 507
حفظ و سماع پر طلوع اسلام کا اعتراض 508
چند مشہور راویوں کے حافظہ کا امتحان 509
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حافظہ کا امتحان 509
امام زہریؒ کے حافظہ کا امتحان 509
امام بخاری رحمہ اللہ کی قوتِ حافظہ کا امتحان 510
کتابت حدیث پر ایک انوکھا اعتراض 511

باب سوم: تنقید حدیث 512

مجموعہ ہائے احادیث میں مندرج احادیث 512
فن تنقید حدیث کب شروع ہوا؟ 513
متضاد بیانات 514
درایت کے اصول بے کار ہیں 514
محدثانہ تاویلات 516
روایت کے اصول بھی بیکار ہیں 516
کیا عدالت کی جانچ ناممکن ہے؟ 517
ظن جمع ظن کا نتیجہ 518
ثقاہت کی جانچ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ 519
ہزاروں کا مسئلہ 520
آئمہ رجال کا ایک دوسرے پر طعن 520
جرح و تعدیل کے نقائص حافظ اسلم صاحب کی نظر میں 521
جرح و تعدیل میں تسامح 521
جرح و تعدیل اور تدلیس 523
جرح و تعدیل اور عقل 523
دین کیا ہے؟ 524
جرح و تعدیل کا حکم 524
جرح و تعدیل پر بعض دوسرے اعتراضات 525
شیعہ سنی اختلافات 525
غیر ثقہ راویوں کی مرویات 526
جرح و تعدیل اور بکر بن حماد شاعر 526
حافظ اسلم صاحب کی آئمہ رجال سے بیزاری 527
آئمہ رجال کا اصل کارنامہ 529

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

باب چہارم: اصولِ حدیث 529
روایت بالمعنیٰ عام اصول نہیں ہے 530
روایت بالمعنیٰ کی شرائط 530
روایت بالمعنیٰ کے قائلین کے دلائل 531
روایت بالمعنیٰ اور طلوع اسلام 532
روایت بالمعنیٰ اور مولانا مودودیؒ 533
دلائل کا تجزیہ 533
روایت باللفظ کے شواہد 533
روایت بالمعنیٰ اور آئمہ نحو 535
خبر منفرد کی مقبولیت 536
محققین کون لوگ ہیں؟ 536
روایت بمنزلہ شہادت 537
روایت اور شہادت میں فرق 537
روایت یا عینی شہادت 538
احادیث متواتر کا ثبوت 539
خبرواحد حجت بھی ہے اور بمنزلہ شہادت بھی نہیں 540
راوی بمنزلہ مدعی؟ 540
احادیث مشہور اور عزیز سے انکار 540
خبر متواتر 541
حافظ صاحب کی مغالطہ آفرینی 542
خبر متواتر کی نئی تعریف 542
خبر متواتر ایک بھی نہیں 543
صحیحین میں متواتر کی کثیر تعداد موجود ہے 544
متواتر کی تعریف اور قرآن 545
باب پنجم: دلائل حدیث 546
سنت کی آئینی حیثیت پر اعتراض 546
امام شافعی رحمہ اللہ کا جواب 546
حافظ اسلم صاحب کا تبصرہ 546
تبصرہ کا جائزہ 547
سنت کی ضرورت 547
کیا ظن دین کی بنیاد بن سکتا ہے؟ 548
شہادت اور روایت 548
منکر حدیث کا اعتراف حقیقت 548
حکمت کا مفہوم؟ 549
کتاب و حکمت 549
حکمت کا معنی 549
حکمت اور قرآن کریم 550
حکمت اور وحی 550
انبیاء علیہم السلام پر نازل شدہ حکمت 551
حکمت کے عام مفہوم پر حافظ اسلم صاحب کے اعتراضات 552
منزل من اللہ حکمت اور سُنّت میں فرق 552
سُنّت اور حدیث میں فرق 554
بلحاظ معانی اور اصطلاحی مفہوم 554
بلحاظ وسعت معنی 554
بلحاظ صحت و سقم 554
بلحاظ تعداد 555
حافظ اسلم صاحب کے اعتراضات کا جائزہ 555
تلاوتِ حکمت 556
کیا احادیث منزل من اللہ ہیں؟ 556
حضرت لقمان اور حکمت 556
﴿ مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ ﴾ کے صحیح معانی 556
آتی کی لغوی تحقیق 557
غلط فہمی کا شکار کون ہے؟ 558
کیا وحی صرف قرآن میں محصور ہے؟ 560

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

نطق نبی 560
حافظ صاحب کے اعتراضات 560
وحی اور قرآنی آیات 561
کفار کا تکرار' انکار اور جھگڑا 561
سنّت کی ضرورت 563
تشریعی امور 563
تدبیری امور 563
اجتہادی امور 564
طبعی امور 564
وحی جلی اور خفی 565
وحی خفی کا عقیدہ اور اولین لٹریچر 566
وحی خفی اور یہودی 566
وحی خفی اور کتابت 567
وحی کے مختلف طریقے 567
جبریل کا رسول اللہ کے قلب پر نزول 568
جبریل کا رسول کے سامنے آنا 568
القائے ربانی 568
وراء حجاب 568
وحی خفی کی اقسام 569
وحی متلو اور غیر متلو 569
وحی خفی کے دلائل 569
آیات قرآنی کی ترتیب 569
تبیین کتاب اللہ 570
نطق نبی 570
احکام قرآنی کی تعمیل 570
نمازوں کی تعداد اور رکعات 571
زکوۃ کی شرح 571
ہجرت کا حکم 571
پیش گوئیاں 572
تمسک بالجماعت 573
قرآن سے وحی خفی کی چند مثالیں 573
راز کی بات 574
صلح حدیبیہ اور رسول اللہ ﷺ کا خواب 575
پہلا اعتراض 576
دوسرا اعتراض 576
قبلہ کا تقرر 577
متبنیٰ کی مطلقہ سے نکاح 578
دوران جنگ درختوں کا کاٹنا 579
جنگ بدر اور وعدہ نصرت 580
وحی خفی اور جلی کا تقابل 581
وحی جلی اور خفی میں اقدار مشترک 582
وحی جلی اور خفی کو یک جا کیوں نہیں کیا گیا؟ 583
باب ششم: وضع حدیث اور وضّاعین 584
رسول اللہ ﷺ پر افتراء کا پہلا واقعہ 584
نتائج 585
وضع حدیث' حجیت حدیث کی سب سے بڑی عقلی دلیل ہے 585
وضع حدیث اور تنقید حدیث لازم وملزوم ہیں 586
خبر واحد بھی حجت ہے 586
روایت مذکورہ سے وحی خفی کا ثبوت 586
رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھنے کی سزا 586
طلوع اسلام کی دیانت 587
موضوع احادیث کی ابتدا 587
وضع حدیث کے سدباب کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اقدامات 589
تحریق فی النار 589

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

سبائیوں کی تکذیب 591
اشاعت احادیث صحیحہ 591
تنقید حدیث کا معیار 592
خلافت راشدہ کے بعد 593
حکومت کی طرف سے وضاعین حدیث کو سزائے پھانسی یا قتل 594
ناقدین اور محدثین کی طرف سے وضع حدیث کا دفاع 595
نقد حدیث کے معیار 596
نظری طریق 596
درایت کے اصول 597
خلاف عقل ہو 597
خلاف مشاہدہ ہو 597
قرآن کی قطعی دلالت یا سنت متواترہ یا اجماع قطعی کے خلاف ہو 597
عذاب وثواب میں مبالغہ آرائی 597
نسلی اور قومی تعصبات سے متعلق احادیث 597
فرقہ وارانہ روایات 597
تاریخ کے خلاف ہو 598
راوی کا غیر طبعی طویل عمر کا دعویٰ 598
کشف و رؤیا پر مبنی روایات 598
رکاکت لفظی یا معنوی 598
نظری طریق کی دوسری قسم 599
روایت یا اسناد کی چھان پھٹک کے اصول 599
علم الجرح والتعدیل 599
علم التاریخ والرواۃ 599
معرفۃ الصحابہ رضی اللہ عنہم 600
علم الاسماء والکنی 600
عملی طریق 600
موضوع احادیث کی جانچ 601
محدثین کا کارنامہ 602
احتمالات وشبہات 603
ذخیرہ احادیث میں موضوعات اور ضعیف احادیث کا وجود 604
موجودہ دور میں وضع حدیث 607

باب ہفتم: حدیث کو دین سمجھنے کے نقصانات

حدیث اور گمراہی 607
حافظ صاحب کی فریب دہی 607
اجتماعی مصالح کا فقدان 609
حدیث اور فرقہ بندی 612
قرآن کے معانی میں اختلافات 615
حدیث اور فروعی اختلافات 615
نماز کیسے پڑھیں؟ 616
محاذ آرائی کے اسباب 616
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز 616
ایک نومسلم کی مشکل 619

حصہ پنجم

دفاع حدیث

باب اول: حدیث پر چند بنیادی اعتراضات 621
حدیث ظنی ہے اور ظن دین نہیں ہو سکتا 621
طلوع اسلام کا دعویٰ 621
مغالطے اور جھوٹ 621
وحی اور کتابت 622
لفظ "ظن" کی لغوی بحث 623

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

طلوع اسلام کی دیانت 624
محدثین کے نزدیک لفظ ظن کا مفہوم 624
عقلوں کا فرق 626
ظن غالب پر دین کی بنیادیں 626
نگہ بازگشت 626
کیا ظن دین ہو سکتا ہے؟ 627
قرآن سے استدلال 627
شہادت 627
ثالثی فیصلہ 627
اعمال کے نتائج 628
آئمہ رجال اور مولانا مودودی مرحوم 628
سنت رسول سے استدلال 630
دینی معمولات سے استدلال 630
طلوع اسلام کے نظریہ سے استدلال 631
عام معمولات 631
تاریخ اور حدیث میں فرق 631
صحیح بخاری کے پورے نام کی وضاحت 632
الجامع 632
صحیح 632
المسند 633
المختصر 634
من امور رسول اللہ ﷺ 634
وَسُنَنِهٖ وَاَیَّامِهٖ 634
تاریخ اور حدیث کا تقابل 635
احادیث اور اناجیل 636
اعجاز حدیث 637
کثرت احادیث 637
احادیث کی عددی کثرت کے اسباب 637
حدیثوں کی تعداد 638
احادیث کی اصل تعداد 639
ذخیرہ احادیث میں رطب ویابس کا اندراج؟ 640
صحیح احادیث کی صحت کی عقلی دلیل 640
طلوع اسلام کا سفید جھوٹ 641
حدیثوں کے ضیاع کی فکر 641
طلوع اسلام کی اصل شکایت 641
کفر کی اصل وجہ؟ 642
کثرت احادیث اور صحیفہ ہمام بن منبہ 643
چند غور طلب حقائق 643
طلوع اسلام کا معیار حدیث 645
معیار اوّل: قرآن کے مطابق ہو 645
معیار دوم: رسول اللہ کی توہین 646
معیار سوم: توہین صحابہ رضی اللہ عنہم 647
معیار چہارم: خلاف علم نہ ہو 649
معیار پنجم: خلاف عقل نہ ہو 649
عقل کے استعمال کی دلیل 650
باب دوم: حدیث اور چند نامور اہل علم و فکر 651
اقبال 651
شاہ ولی اللہ 653
امام ابو حنیفہ 653
عبید اللہ سندھی 654
حمید الدین فراہی اور امین احسن اصلاحی 656
مناظر احسن گیلانی 657
کوئی نئی بات نہیں 657
باب سوم: جمع قرآن روایات کے آئینے میں 659

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

طلوع اسلام کے اعتراضات کا جائزہ 659
طلوع اسلام کا دعویٰ 659
اپنے دعویٰ کی تردید 659
جامع قرآن کون؟ 660
قرآن کی موجودہ شکل تک کے مختلف مراحل 661
دور نبوی سن انبوت تا سن ۱۱ھ 661
قرآن کی حفاظت کے طریقے 663
دور صدیقی میں ۱۱ھ تا ۱۳ھ میں قرآن کی جمع و ترتیب 664
دور عثمانی: سن ۲۴ھ تا ۳۵ھ میں قرآن کی نشر و اشاعت 665
دور حجاج بن یوسف ۶۵ھ تا ۱۱۵ھ' اعراب اور نقاط 667
ادوار مابعد میں رموز اوقاف وغیرہ 668
جمع اور ترتیب قرآن پر طلوع اسلام کے اعتراضات 668
لب ولہجہ یا تلفظ کے اختلافات 668
اعتراض کا جواب بھی طلوع اسلام کی طرف سے 669
سبعہ احرف سے متعلق چند ضروری وضاحتیں 670
حضرت عثمان اور حرف واحد 672
موجودہ قراءات مختلفہ 673
دوسرا اعتراض: سہو و نسیان سے متعلق الفاظ و حروف کی کمی بیشی یا اغلاط کتابت 674
مصحف امام کی اغلاط 676
حجاج بن یوسف کی درست شدہ اغلاط 676
تیسرا اعتراض: اختلافات قرأت جن میں الفاظ کی زیادتی ہے 677
آرتھر جیفری کی تالیف 679
حفاظت قرآن سے متعلق ایک اعتراض اور اس کا جواب 680
حفاظت قرآن کے خارجی ثبوت 680
حفظ قرآن 680
مستند احادیث 681
باب چہارم: تفسیر بالحدیث 682
حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل 683
فرعون کا ایمان لانا 684
ھوالاول والاخر کی تفسیر 685
علّم اٰدم الاسماء 686
عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں 687
اَنّٰی کی لغوی تحقیق 688
حلال کو حرام نہ ٹھہراؤ 690
صحابہ معاذ اللہ مرتد ہو گئے 690
سیرت یوسفی 691
مقام کی بلندی اور پستی کا معیار 692
کسر نفسی 692
نگاہیں اوپر نہیں اٹھ سکتیں 693
باب پنجم: متعہ کی اباحت اور حرمت 695
نکاح متعہ ایک اضطراری رخصت تھی 695
طلوع اسلام کا چکمہ 696
اضطراری رخصت کی دوسری دلیل 697
ابدی حرمت 697
اختلاف صحابہ 698

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا تعزیری حکم 699
واقعہ کے نتائج 699
متعہ اور طلوع اسلام 700
باب ششم: حصولِ جنت 702
پرویز صاحب کی یک چشمی 702
قرآن اور حصول جنت 703
حدیث اور جہاد 705
جنت اور مغفرت 705
کن گناہوں کی مغفرت ہوتی ہے؟ 705
مغفرت کیسے ہوتی ہے؟ 706
مصیبت بعض گناہوں کا کفارہ بھی ہے اور بعض گناہوں کی معافی بھی 707
شہادت 708
شہید کون کون ہیں؟ 708
لڑکیوں کی تربیت پر جنت 709
فریب دہی کی کوشش 710
ماؤں کے صبر پر جنت 710
تلاوت قرآن اور جنت 711
جنت ضعیفوں اور کمزوروں کے لیے ہے 712
جنت میں فقراء کی کثرت کیوں؟ 713
اختیاری فقر و مسکنت 714
اضطراری مسکنت اور اختیاری مسکنت 715
کمزوری اور ذلت 715
خلوت گزینی 716
جنت کی راہ میں رکاوٹیں 717
فضائل اعمال کی حقیقت 717
باب ہفتم: بخاری کی قابل اعتراض احادیث 718
پتھر کپڑے لے کر بھاگ گیا 719
ملک الموت کے طمانچہ مارا 719
حضرت سلیمان علیہ السلام اور سو عورتوں کا دورہ 720
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ختنہ 721
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین جھوٹ 722
گرگٹ کو مارنا 723
حضرت آدم علیہ السلام کا قد 724
نمازیں کیسے فرض ہوئیں؟ 724
اعتراضات کا جائزہ 724
حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو 726
حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن 728
حالت حیض میں مباشرت 729
اعتکاف اور استحاضہ 730
روزہ اور مباشرت 731
روزہ اور جنابت 731
صحابہ رضی اللہ عنہم (معاذ اللہ) مرتد ہو گئے 732
نفاست 732
عزل 733
شرمگاہ کے علاوہ 733
متعہ 733
زانیہ عورت 734
جو عورت انکار کرے۔ 735
دوزخ میں عورتیں 735
بھینگا بچہ 736
سورج کہاں جاتا ہے؟ 736
موسم کیسے بدلتے ہیں؟ 738
نحوست کس چیز میں؟ 739
بیل باتیں کرتا ہے۔ 740

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

شیطان گوز مارتا ہے۔ 740
عذاب قبر میں تخفیف 741
زنا کے باوجود جنت 743
اگر گناہ نہ کرو گے تو 744
بنی اسرائیل چوہے ہیں 744
اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو..... 745
اگر مکھی گر جائے تو 746
مرغ فرشتے کو دیکھتا ہے 747
آفتاب کہاں سے نکلتا ہے؟ 748
بخار کیسے ہوتا ہے؟ 749
پیشاب پینے کا حکم 749
بندر کو سنگسار کیا گیا 751
جن 752
حرف آخر 753
باب ہشتم : خلفائے راشدینؓ کی شرعی تبدیلیاں 754
اولیات عمر رضی اللہ عنہ 755
جعفر شاہ صاحب کی پیش کردہ "شرعی تبدیلیاں" 757
دور فاروقی 757
دور عثمانی 758
دور علوی 758
پرویز صاحب کے پیش کردہ اختلافی فیصلے 759
شرعی ترمیمات کی کل تعداد کا نقشہ 761
مندرجہ بالا شرعی ترمیمات کا جائزہ 763
گھوڑوں پر زکوٰۃ 763
دریائی پیداوار پر زکوٰۃ 764
عشور 764
نو مسلم کی جائیداد غیر منقولہ 764
خراج کی شرح 765
زکوٰۃ کے برابر جزیہ 765
خطبہ جمعہ اور دوسری اذان 765
امدادی امور 765
۱/۸ عربی غلام 766
۲/۹ نماز جنازہ کی چار تکبیریں 766
۳/۱۰ نماز تراویح کی جماعت 766
۴/۱۱ ہجو کی سزا 767
۵/۱۲ غزل میں عورت کا نام 767
مغالطے 767
۱/۱۳ صبح کی اذان میں الفاظ 767
۲/۱۴ قحط کے زمانہ میں چوری کی سزا 768
۳/۱۵ غیر شادی شدہ کی سزائے زنا 769
ام ولد کی فروخت پر پابندی 769
۵/۱۷ زنا بالجبر اور عورت کی سزا 770
۶/۱۸ قاتل محروم الارث ہے 770
۷/۱۹ اسیروں کا فدیہ 771
۸/۲۰ طواف اور رمل 772
متوازی فیصلے 773
۴/۲۱ عراق کی مفتوحہ زمینوں کو قومی ملکیت میں لینا 773
۴/۲۲ شراب کی تعزیر میں اضافہ 774
درست اجتہادات 774
۳/۲۳ کتابیہ عورت سے نکاح 774
۵/۲۴ زکوٰۃ کے مصارف اور تالیف قلوب 775
اجتہادی غلطیاں 776

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

۶/۲۵ وظائف میں اسلامی خدمات کا لحاظ 776
۶/۲۶ ۔ ۶/۲۷ تطلیق ثلاثہ اور حلالہ 777
نگہ باز گشت 778
نتائج 779

حصہ ششم

طلوع اسلام کا اسلام

باب اول: طلوع اسلام کا ایمان بالغیب 783
عبادت کا مفہوم 783
ایمان بالغیب اور مومن کی پرویزی تعریف 784
اللہ پر ایمان بالغیب 785
طلوع اسلام اور مسئلہ استوی علی العرش 786
اپنے دعویٰ کی تردید 787
صفات خداوندی 787
اللہ پر ایمان لانے کا مطلب 788
خدا اور انسان کا تعلق 789
خدا کی عبادت 789
اللہ کی عبادت کے پرویزی مفہوم 789
توحید اور شرک 790
توحید کا مفہوم نمبرا 790
توحید کا مفہوم نمبر۲ 791
اللہ کے مختلف معانی 791
فرشتوں پر ایمان 793
ملائکہ سے مراد خارجی قوائے فطرت 794
حاملین عرش ملائکہ کی وضاحت 794
ملائکہ سے مراد داخلی قوتیں 795
ملائکہ سے مراد طبعی تغیرات 795
ملائکہ سے مراد نفسیاتی محرکات 796
رحمت اور عذاب کے فرشتے 796
دو، دو تین، تین۔ چار، چار پروں والے فرشتے 797
کتابوں پر ایمان بالغیب 797
انکار سنت اور انکار قرآن لازم وملزوم ہیں 798
قرآنی نظام ربوبیت اور سارا قرآن 798
کیا قرآن مکمل کتاب ہے؟ 798
نامکمل دین؟ 800
قرآن فہمی کا پرویزی طریقہ 800
انبیاء پر ایمان بالغیب 802
وحی کی حقیقت اور نزول وحی 802
عقل اور وحی 803
انبیاء کی بعثت کا مقصد 804
سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام 804
آدم علیہ السلام کے فرد واحد اور نبی ہونے کا اعتراف اور اس کی تاویل 804
خاتم النبیین پر ایمان 806
زندہ رسول 806
پرویز صاحب کی رسالت 806
نگہ باز گشت 807
یوم آخرت پر ایمان 807
الساعۃ بمعنی یوم انقلاب ربوبیت 808
قیامت کا مفہوم 809
میزان اعمال کب اور کیسے؟ 809
یوم الحشر یا یوم النشور کب ہو گا؟ 810
آخرت کے مختلف مفاہیم 810
آخرت اور جنت و دوزخ 810

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

آخرت کی کامیابی کا معیار صرف دنیا کی خوشحالی ہے 810
جنت اور دوزخ کی حقیقت 811
جنت کی زندگی 811
آدم کا جنت سے خروج 811
جہنم کی حقیقت 812
جنت اسی دنیا میں 812
تقدیر پر ایمان بالغیب 812
تقدیر کا عقیدہ مجوسیوں کا ہے 812
اللہ تعالیٰ کی بے بسی 813
آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کی بے بسی 814
غفور رحیم 815
دیگر صفات خداوندی 815
انسان کا اختیار اور مکافات عمل 816
مسئلہ تقدیر کا اصل حل 817
باب دوم: طلوع اسلام اور ارکانِ اسلام 818
اسلام اور کفر 818
کافر کون ہیں؟ 818
توحید 819
صلوٰۃ یا نماز 819
ایتائے زکوٰۃ 820
صوم یا روزہ 820
حج 821
کعبہ کی اہمیت 821
ارکان اسلام سے چھٹی 822
طلوع اسلام کا دین اسلام 823
باب سوم: وحی الٰہی سے روشنی حاصل کرنے کا طریق (مفہوم القرآن پر ایک نظر) 824
معجزات اور خرق عادت امور 826
حضرت صالح علیہ السلام اور ناقۃ اللہ 826
قوم لوط کی الٹائی ہوئی بستیاں 828
قوم ثمود کی الٹائی گئی بستیاں 828
حضرت ابراہیم پر آگ کا ٹھنڈا ہونا 829
حضرت ابراہیم اور چار پرندے 830
حضرت اسماعیل کی قربانی 831
عصائے کلیمی اور دریا کا پھٹنا 833
عصائے کلیمی اور بارہ چشموں کا پھوٹنا 834
عصائے کلیمی کیا چیز ہے؟ 835
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ید بیضاء 837
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جادوگروں سے مقابلہ 838
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش 840
حضرت عیسیٰ کا گود میں کلام کرنا 841
حضرت عیسیٰ کے دوسرے معجزات 842
حضرت عزیر کا سو سال کے بعد زندہ ہونا 843
حضرت یونس مچھلی کے پیٹ میں 845
حضرت ایوب علیہ السلام پر انعامات 846
اصحاب الفیل 848
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور واقعہ اسراء 849
اللہ تعالیٰ کا مردوں کو زندہ کرنا 850
باب چہارم: فکر پرویز پر عجمی شیوخ کی اثر اندازی 853
پرویز صاحب کی خالص قرآنی دعوت 853
خالص قرآنی دعوت پر اصرار 854
اپنی غلطیوں کا اعتراف 854

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

پرویز صاحب کی کذب بیانی 854
خالی الذہن ہو کر قرآن کا مطالعہ کرنا 855
پرویز صاحب کا شرک 855
خالی الذہن ہونے کا پرویزی مطلب 856
پرویز صاحب کے عجمی شیوخ 856
پرانے شیوخ 857
چند نئے شیوخ اور ان کے افکار 857
برگسان کا نظریہ ارتقاء 857
الیگزینڈر کا نظریہ ارتقاء 859
برگسان اور الیگزینڈر کے نظریات کا تضاد 860
اختلافات کے متعلق پرویز صاحب کا فیصلہ 861
پروفیسر مارگن کا نظریہ ارتقاء 862
سورہ فاتحہ کا مفہوم 864
مزید دو آیات کا ارتقائی مفہوم 865
مذہب سے دین تک کا ارتقائی عمل 867
دوسرا دور - لفظ مذہب سے بیزاری کا اظہار 868
ارض وسماء کے معانی میں تدریجی ارتقاء 870
باب پنجم: داعیٔ اِنقلاب کا ذاتی کردار 871
ایک گھریلو شہادت 871
اسابقون الاولون پر کیا بیتی؟ 872
طلوع اسلام کی بڑی بڑی شخصیتیں 872
مفکر قرآن کا ایثار اور دیانت 873
فرقہ پرستی اور پارٹی بازی 876
اخراج کہاں سے؟ 877
دعوت "علیٰ وجہ البصیرت" کی اور آرزو "اندھی عقیدت" کی 877
کافرگری اور منافق گری 878
صحافتی بازی گری 880
کراچی کے منافقین 881
عفوودرگزر 881
معاشرتی تعلقات کا انقطاع 882
منافقین کراچی پر پندارِ نفس کا الزام 882
باب ششم: پرویز صاحب کے لٹریچر کی خصوصیات 884
اپنی قرآنی بصیرت کو بھی قرآن ہی سمجھنا 884
لفظ ایک مفہوم بہت سے 886
مفہوم ایک الفاظ بہت 888
من نہ کردم شما حذر بکنید 888
اناجیل سے استفادہ، حضرت عیسیٰ کا باپ 889
تورات سے استفادہ، انتظام یوسفی 891
روایات سے استفادہ 891
قرآن کی ترتیب 891
دیوانہ بکار خویش ہوشیار 892
غلط العام الفاظ سے استفادہ 892
یک چشمی 893
وقیع الفاظ کا استعمال 894
قیام صلوۃ 894
کہیں سے اینٹ کہیں سے روڑا..... 895
تضادبیانی 895
جن 896
مردوں کی حاکمیت 897
احکامِ میراث 898
قرآنی نظامِ ربوبیت 899
تصوف کی بنیاد 899

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

سوال گندم جواب چنا	900	وحی اور قرآن	906
نمازوں کی تعداد	900	استواء علی العرش	907
قرآن کا مستند نسخہ	901	فرشتوں کا خارجی وجود اور تشخص	907
بنائے فاسد' علی الفاسد	901	وحی اور کتابت	907
شرح زکوٰۃ	902	تکمیل دین	907
اطاعت رسول --- تقلید	902	مشورہ	908
نظام ربوبیت کا قیام	902	ظن اور یقین	908
یتیم پوتے کی وراثت	903	اطاعت رسول ﷺ	909
نظریہ ارتقاء	903	کتابت حدیث	909
دوسرے ہتھکنڈے	903	ناسخ و منسوخ	909
تحریف لفظی	903	وراثت	910
دنیوی خوشحالی	903	وصیت	911
مساواتِ مرد و زن	904	مرکز ملت	911
آیات کے بے کار حصے	905	حجیت حدیث	911
بار بار	905	نظام ربوبیت	911
حوالہ جات	905	تلاوت قرآن	912
ضمیمہ: طلوع اسلام سے چند بنیادی سوالات	906	کتابیات	913

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

دیباچہ (طبع دوم)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جنگ خیبر کے دوران جھنڈا سپرد کرتے وقت فرمایا تھا:

"اگر تمہاری کوشش سے ایک آدمی بھی ایمان لے آئے تو یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔" (بخاری، کتاب المغازی۔ باب غزوہ خیبر)

سرخ اونٹ عرب میں بہت قیمتی متاع سمجھی جاتی تھی اور اس سے آپ کی مراد اموال غنیمت تھے اور یہ بات بھی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ جہاد خواہ کسی طرح کا ہو اس کا اصل مقصد یہی ہے کہ اس سے لوگوں کو ہدایت نصیب ہو، اللہ تعالیٰ کا بول بالا ہو اور اسلام کا کلمہ بلند ہو۔

میں نے اپنی تصانیف کا آغاز خالصتاً اسی جذبہ کے تحت کیا تھا۔ زیر نظر کتاب آئینہ پرویزیت بھی تجارتی بنیادوں کے بجائے اسی مشنری جذبہ کے تحت لکھی گئی تھی۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ اس کو پڑھنے والا طبقہ قلیل تعداد میں ہوگا بایں ہمہ اس کا پہلا ایڈیشن ساڑھے چھ سال کے عرصہ میں ختم ہو گیا۔ اس کتاب کے قدردانوں کی طرف سے جس قدر میری حوصلہ افزائی ہوئی اس سے میری تمام تھکن دور ہو گئی۔ (فَلِلّٰهِ الْحَمْد) ایک ممتاز عالم دین نے فرمایا کہ میں آپ کی یہ کتاب تین دفعہ پڑھ چکا ہوں ایک صاحب نے لکھا کہ ہم پرویزی لٹریچر کے مطالعہ کے بعد یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ ہماری بنیاد ہی کمزور اور متزلزل ہے لیکن اس کتاب کے مطالعہ کے بعد مجھے ایسا استقلال اور سکون نصیب ہوا کہ کئی لوگوں کو راہ راست پر لاچکا ہوں۔ پھر شکریہ اور دعائے خیر سے یاد کیا۔ ایسے مبارک ناموں کا تفصیلی تذکرہ تو "ثنائے خود بخود گفتن" کے ضمن میں آتا ہے۔ لہٰذا میں اس چیز کو صرف دو تبصروں تک محدود کرتا ہوں جو ان دنوں جرائد میں شائع ہوئے تھے۔

اس کتاب کا روئے سخن دراصل طلوعِ اسلام کی طرف ہے۔ میں نے اس کتاب کے آخر میں "طلوعِ اسلام سے چند بنیادی سوالات" کے عنوان کے تحت چالیس کے لگ بھگ سوالات بھی دیئے تھے کہ ان کے جوابات ہمیں درکار ہیں، مگر آج تک مجھے ان کے جوابات موصول نہیں ہوئے۔ چند سال پیشتر میں نے کسی عزیز سے سنا تھا کہ میری کتاب کا جواب لکھا جا رہا ہے۔ میں اس کا منتظر رہا، مگر آج تک ایسی کوئی کتاب کم از کم میرے علم میں نہیں آئی۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

معزز قارئین کی طرف سے یہ مطالبہ بھی ہوا کہ آئندہ اس کتاب کو اس سے بڑے سائز میں اور اس کے شایانِ شان خوبصورت کر کے طبع کیا جائے۔ اس کا اصل حل تو یہی تھا کہ کتاب نئے سرے سے کسی اچھے خوشنویس سے کتابت کروائی جائے اور عند الضرورت اضافے بھی کئے جائیں مگر اس طرح ایک سال کا عرصہ درکار تھا جب کہ پہلا ایڈیشن ختم ہوئے پہلے ہی چھ ماہ سے زائد عرصہ گزر چکا ہے۔ لہٰذا سردست اس کتاب کو بڑے سائز میں اور چند ظاہری محاسن پر اکتفا کرتے ہوئے ہی طبع کیا جا رہا ہے اگر اللہ تعالیٰ نے زندگی اور توفیق نصیب فرمائی تو آئندہ ایڈیشن میں اس کمی کو بھی پورا کر دیا جائے گا۔ (وباللہ التوفیق)

عبدالرحمٰن کیلانی

جمادی الثانی ۱۴۱۴ / نومبر ۱۹۹۴ء

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

دیباچہ (طبع سوم)

زیر نظر کتاب "آئینہ پرویزیت" وقت کے تقاضوں کے مطابق بہت اہم اور معلومات افزا ہے اور جدید تعلیم یافتہ نسل کے ذہن میں احادیث اور محدثین کے بارے پیدا ہونے والے شکوک کو ختم کرنے میں اس کا کردار بہت اہم ہے۔ لوگ اس کتاب کو جنون کی حد تک پسند کرتے ہیں۔ اکثر لوگ میرے سامنے اس افسوس کا اظہار کرتے رہتے ہیں کہ اس نابغہ روزگار شخصیت سے ہماری ملاقات نہ ہو سکی۔

محترم والد صاحب مرحوم و مغفور سے بھی لوگ اس بات کا اظہار کرتے تھے کہ اس کتاب کی شایانِ شان طریقہ سے کتابت و طباعت کرائی جائے اور والد صاحب کا ارادہ بھی تھا مگر زندگی نے انہیں یہ کام کرنے کی مہلت نہ دی۔ اب یہ کتاب پھر ختم ہو چکی ہے۔ میں نے کتاب کا مسودہ دیکھا تو اس کو کلی طور پر ضائع کرنے کو جی تو نہیں چاہتا تھا کیوں کہ کتاب ہذا میں تمام جلی سرخیاں والد صاحب کے اپنے ہاتھ کی کتابت شدہ تھیں۔ اس لحاظ سے یہ کتابت کم از کم میرے لئے تو بہت عزت و حرمت کا درجہ رکھتی تھی' مگر آج کے دور میں قارئین کا ایک مزاج اور معیار ہے۔ اسی معیار کے پیش نظر کتاب کی ایک معیاری ادارے سے کمپوزنگ و طباعت کرائی گئی۔ میری کاوشوں کا نتیجہ آپ کے سامنے ہے' لیکن مجھے اس راہ میں جن دشواریوں سے دوچار ہونا پڑا وہ میں ہی جانتا ہوں۔

سب سے کٹھن منزل کتاب کی تصحیح تھی۔ جنہیں پہلے نسخوں سے مقابلہ کر کے درست کیا گیا۔ اس کے باوجود بعض مقامات ایسے تھے جن کی تصحیح کے لئے مجھے خاصی سرگردانی کرنا پڑی۔ افسوس یہ ہے کہ محترم والد صاحب کی وفات کے بعد یہ کتاب ایسے خوبصورت طریقہ سے طبع ہو رہی ہے۔ اگر ان کی زندگی میں یہ کتاب اس انداز میں طبع ہوتی تو وہ یقیناً بہت خوش ہوتے' مگر مجھے یقین ہے کہ اس اعلیٰ معیار کی وجہ سے قارئین میں بھی اضافہ ہو گا اور جب لوگ زیادہ تعداد میں اس سے مستفید ہوں گے تو یقیناً یہ بات ان کے لئے صدقہ جاریہ اور ان کی حسنات میں اضافہ کا سبب ہو گی۔

اس اعلیٰ معیار کی وجہ سے اگر کتاب کی قیمت میں کچھ اضافہ کرنا پڑے تو قارئین اس کو محسوس نہ فرمائیں۔ بہرحال میری انتہائی کوشش یہ ہے کہ ممکن حد تک قیمت کم رکھی جائے۔ جن جن دوستوں نے اس کتاب کی طباعت میں میرے ساتھ تعاون کیا ان کا شکریہ ادا کرنا میرا خوشگوار فریضہ ہے۔ آخر میں میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ محترم والدین محترمین کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ آمین

نجیب الرحمٰن کیلانی (مکتبۃ السلام' وسن پورہ' لاہور)

جمادی الثانی 1421ھ - ستمبر 2000ء

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

کتاب ہذا پر تبصرہ ①

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی ایک حلیم الطبع اور خاموش فطرت مبلغ، خطیب، ادیب اور محقق ہیں۔ لاہور شہر کے ایک کونے میں خاموشی سے تصنیف و تالیف اور تحقیق میں مصروف رہتے ہیں۔ پروپیگنڈے سے مستغنی یہ صاحب قلم اب تک بہت سی نہایت فکر انگیز کتب تصنیف کر چکے ہیں۔

پاکستان میں غلام احمد پرویز منکرینِ حدیث کا سرغنہ بن کر اٹھے اور اپنے ترجمان جریدے کا نام "طلوع اسلام" رکھا۔ اس رسالے کے ذریعہ اس نے انکار حدیث کا فتنہ بپا کیا جس نے سرسید احمد خاں کی نیچریت کی کوکھ سے جنم لیا تھا۔ معتزلہ کے قدیم فلسفہ عقل پرستی نے اسے خوراک مہیا کی اور فرنگی سائنس نے توانائی بخشی تھی۔ اس نے اپنی دعوت کو کتاب اللہ کا دام ہمرنگ زمین بچھا کر فرنگیت زدہ اور اسلام سے نابلد نوجوانوں کا شکار کرنے کا سلسلہ جاری کیا۔ مولانا عبدالرحمٰن کیلانی نے طلوع اسلام کی ہر گمراہ کن تحریر کا نوٹس لیا اور اپنے جماعتی رسائل اور جرائد میں جوابی مضامین کے ذریعے اس کی خوب خوب خبر لی جو بالآخر ۶ حصوں پر مشتمل ایک ہزار صفحات کی کتاب بن گئی۔ کتاب کے ہر حصے کا عنوان خود ایک منہ بولتا ہوا عنوان ہے۔ ہر حصہ نہایت دلچسپ اور معلومات افزاء ہے۔ ہمارے خیال میں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اسے اسلامیات کے کورس میں شامل کیا جانا چاہئے تاکہ نوجوان طبقہ فتنہ پرویزیت کو کتاب وسنت کی روشنی میں پوری طرح سمجھ کر اس کے گمراہ کن اثرات سے محفوظ رہ سکے۔ ہمارے خطیب اور مدرس حضرات کو بھی اس کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کرنا چاہئے جو یقیناً ان پر نئے افق روشن کرے گا۔ ہم اس کتاب کی اشاعت پر فاضل مصنف کو جتنی بھی مبارکباد دیں کم ہے۔ انہوں نے دفاعِ حدیث بلکہ دفاعِ اسلام کا حق ادا کر دیا ہے۔ یہ ایک پورے ادارے کا کام تھا جو ایک فرد واحد نے سرانجام دیا ہے۔ اس پر یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جزائے اَحسن کے مستحق ہوں گے۔

علیم ناصری، ایم۔اے

ہفت روز "الاعتصام" لاہور۔

۹ جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

کتاب ہذا پر تبصرہ ②

پاکستان کے علمی اور دینی حلقوں میں مولانا عبدالرحمٰن کیلانی کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں' وہ ایک بلند پایہ عالم دین اور حقیقی معنوں میں مرد مومن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں غیرت دینی اور قلب تپاں سے نوازا ہے۔ ان کے علم سے متعدد تصانیف منصۂ شہود پر آکر اہل علم سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ رب العزت ان کو جزائے خیر دے انہوں نے اپنی اس گراں قدر تالیف میں سہل اور سلیس انداز میں اس دجل و تلبیس کا پردہ چاک کر دیا ہے جو چودھری غلام احمد پرویز کی تحریروں کا خاصہ ہے۔ فاضل مؤلف نے پرویز صاحب کی تحریروں کے اقتباسات سے ہی ان کے افکار کا تضاد واضح کیا ہے۔ ساتھ ہی ان کے گمراہ کن خیالات کا شجرہ نسب بیان کیا ہے۔ پھر انہوں نے پرویزی مغالطوں کی دلائل وبراہین کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی ہیں۔ اس کتاب کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ چند سال پہلے علمائے حق نے کیوں پرویز پر کفر کا فتویٰ صادر کیا تھا۔

پرویز کو اللہ تعالیٰ نے انشاء پردازی کا سلیقہ وافر عطا کیا تھا۔ ان کی تحریریں بڑی لچھے دار ہیں لیکن انہوں نے کفرانِ نعمت کا راستہ اختیار کیا اور اپنی قوت تحریر کو قرآن کی معنوی تحریف اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی تکذیب و تضحیک میں صرف کیا۔ پرویز صاحب کی اپنی زندگی کے کیا لیل ونہار تھے؟ زہد وعبادت اور فقر و تقویٰ کی ان کے نزدیک کیا حیثیت تھی؟ یہ کسی سے مخفی نہیں لیکن اسے ستم ظریفی کے سوا کیا کہا جائے کہ انہوں نے "عجمی سازش" کی نام نہاد اصطلاح وضع کر کے ان مردانِ حق پر چھینٹے اڑائے جنہوں نے اللہ کی راہ میں زبان و قلم سے ہی نہیں تلوار سے بھی جہاد کیا تھا۔ فی الحقیقت "عجمی سازش" اگر کسی چیز کو کہا جا سکتا ہے تو وہ پرویز صاحب ہی کے افکار وخیالات ہیں۔ آج سے چند سال پہلے ملتان کے منشی عبدالرحمٰن خان صاحب نے فتنہ پرویز اور حقیقت حدیث لکھ کر پرویز صاحب کا کامیاب تعاقب کیا تھا لیکن یہ کتاب بہت مختصر تھی۔ اب مولانا عبدالرحمٰن کیلانی صاحب نے معرکۃ آراء ضخیم کتاب لکھ کر پرویزی افکار کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی ہے۔ اس وقت ایسی کتابوں کی اشاعت کی اشد ضرورت ہے تاکہ نت نئے اٹھنے والے فتنوں سے نوجوانوں کے اذہان کو مسموم ہونے سے بچایا جا سکے۔

طالب ہاشمی

ماہنامہ "الحسنات" لاہور۔ ستمبر ۱۹۸۸ء

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

پیش لفظ

قرآن سے ہدایت ورہنمائی حاصل کرنے کے لیے دو شرطیں ضروری ہیں:

① قلب سلیم ② اور عقل صحیح

اگر کوئی شخص انہی دو شرطوں کو ملحوظ رکھ کر یعنی خلوص نیت سے اور خالی الذہن ہو کر قرآن کا مطالعہ کرے تو وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے اس طریق کار کو تسلیم کرنے اور اس کی اتباع کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے جو آپ نے قرآنی احکام کی تعمیل کے دوران اختیار کر کے امت مسلمہ کو دکھلایا تھا۔ اس طریق کار کو قرآن نے اسوہ حسنہ قرار دیا اور اس کی اتباع کو مسلمانوں کے لیے تا قیامت واجب الاتباع قرار دیا ہے کیونکہ اس کی اتباع کے بغیر قرآن پر عمل کرنا ناممکن ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ شرک کے بعد قرآن نے جتنا زور اطاعت واتباع رسول اور اس کے ادب واحترام پر دیا ہے اتنا اور کسی بات پر نہیں دیا تو یہ بے جا بات نہ ہوگی۔

سنتِ رسول کی حجیت سے انکار کے فتنہ نے دوسری صدی میں سر اٹھایا تھا۔ میں اس طبقہ کے بہت سے لٹریچر کا مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ انکار سنت کے بنیادی محرکات دو ہی چیزیں ہیں:

① فلسفیانہ یا سائنٹیفک نظریات سے مرعوبیت اور ② اتباع ہوائے نفس۔

یعنی ایک مسلمان کی طرز بود و باش' اعمال وافعال اور اکتساب رزق پر سنت رسول جو پابندیاں عائد کرتی ہے ان سے فرار وگریز۔ اس دور میں بھی اس فتنہ کے بنیادی محرکات یہی دو باتیں تھیں اور آج بھی یہی دونوں باتیں ہیں۔

دوسری صدی ہجری میں جب اس فتنہ نے جنم لیا تو علمائے امت نے اس کا بھرپور دفاع کیا۔ جن آئمہ کرام نے یہ فریضہ سرانجام دیا ان میں امام شافعی' امام احمد بن حنبل' امام بخاری اور امام ابن قتیبہ رحمہم اللہ کے نام بالخصوص قابل ذکر ہیں۔ اب یہ اتفاق کی بات ہے کہ اس دور میں اس فتنہ انکارِ سنت یا اعتزال کو حکومت کی سرپرستی حاصل ہو گئی جس کی وجہ سے یہ فتنہ تقریباً سوا سو سال زندہ رہا اور جب یہ سرپرستی ختم ہو گئی تو یہ فتنہ بھی آپ ہی اپنی موت مر گیا اور اس کی موت کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ سنت رسول کی حجیت سے انکار ایک ایسا نظریہ تھا جو اسلام کے مزاج سے بالکل لگا نہیں کھاتا تھا۔

موجودہ دور میں اس فتنہ کو اگرچہ کہیں بھی حکومت کی سرپرستی حاصل نہیں تاہم اس کی پذیرائی کے

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

اور کئی اسباب پیدا ہو گئے ہیں۔ سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ جب قرآن کے نام پر نوجوان انگریزی تعلیم یافتہ اور اسلام بیزار طبقہ کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ اسلام دراصل ان گنے چنے اصول وقوانین اور احکام کا نام ہے جو قرآن میں مذکور ہیں رہا ان پر عمل درآمد اور تعمیل کا طریق کار تو اس کے لیے ہر دور کے مسلمانوں کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنے دور کے علم کے [1] مطابق اور اپنے زمانہ کے تقاضوں کے مطابق ان احکام کی تاویل و تعبیر کر لیا کریں۔ پھر کچھ حضرات نے سنت رسول سے آزاد ہو کر اور لغت کے بنیادی معنوں سے فرار اور دور کے کنائی اور مجازی معنی استعمال کر کے قرآنی احکام کی اس انداز میں تاویل و وضاحت فرمائی جس سے شریعت کی عائد کردہ پابندیاں ایک ایک کر کے ختم ہو جاتی تھیں' تو ان مبشرات سے جدید تعلیم یافتہ طبقہ جو مغربی تہذیب وافکار میں پھلا پھولا اور اسلام کے مبادیات تک سے ناواقف ہوتا ہے بہت خوش ہو جاتا ہے۔ بھلا جس شخص کو اپنے اتباع ہوائے نفس کی پوری آزادی حاصل رہے اور اس سے اس کے ایمان واسلام کا بھی کچھ نہ بگڑے تو اس کے لیے اس سے زیادہ اور خوشی کی بات کیا ہو سکتی ہے؟ یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے کہ کوئی مسلمان اپنے عقائد وافکار میں کتنا ہی ملحد اور اعمال وکردار میں کتنا ہی مفسد کیوں نہ ہو جائے وہ اپنے آپ سے اسلام کے لیبل کو اتارنا گوارا نہیں کرتا۔ نہ تو وہ یہ گوارا کرتا ہے کہ مذہب تبدیل کر کے یہودی یا عیسائی یا ہندو یا سکھ ہو جائے اور نہ ہی یہ گوارا کرتا ہے کہ اسے اس کے اعمال وعقائد کی بنا پر کوئی دوسرا کافر' مرتد یا ملحد قرار دے لہٰذا ایسے حضرات کو جو راستہ منکرین حدیث نے دکھایا ہے وہ ان کے لیے نہایت پسندیدہ ہے۔

آج کے دور میں اگرچہ بعض دوسرے بلاد اسلامیہ میں بھی اس فتنہ کا سراغ ملتا ہے۔ مگر جو پذیرائی اسے برصغیر پاک وہند میں ہوئی ہے دوسرے مقامات پر نہیں ہوئی۔ برصغیر پاک وہند میں اس طبقہ کا سب سے بڑا ترجمان ادارہ طلوعِ اسلام ہے۔ جس نے چند ایسے نظریات کی داغ بیل ڈالی ہے جو اس کی شہرت اور پذیرائی کا اچھا خاصہ سبب بن گئے ہیں۔ مثلاً: ڈارون کے نظریہ ارتقاء کی ہمنوائی نے اسے کالجوں میں پڑھنے والے طلبہ میں مقبول بنا دیا ہے حتیٰ کہ پرویز صاحب ڈارون جیسے سائنٹسٹ حضرات کو ہی حقیقی علماء کا مصداق سمجھتے ہیں۔ نظریہ مساوات مرد وزن' ادارہ اپوا یا اسی قبیل سے تعلق رکھنے والے دوسرے اداروں کی خواتین کے دل کی آواز ہے۔ انکار سنت اور نظریہ مرکز ملت نے جج صاحبان کو اجتہاد کے بے پناہ اختیار دے کر ان میں پذیرائی حاصل کر لی ہے اور نظریہ نظام ربوبیت انتظامیہ سے تعلق رکھنے والے حکمران طبقہ کے لیے بہت خوش آئند ہے اور یہی وہ طبقے ہیں جو کسی ملک کے تہذیب وتمدن اور مستقبل پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ گویا موجودہ دور کا یہ حملہ دوسری صدی کے حملہ سے وسیع تر بھی ہے اور شدید تر بھی۔

---

[1] موجودہ دور کی علمی سطح سے مراد سائنسی نظریات کی ہمنوائی اور مرعوبیت اور اپنے زمانہ کے تقاضوں کے مطابق سے مراد اتباع ہوائے نفس ہے یہ الفاظ کا ہیر پھیر ضرور ہے مگر بات ایک ہی ہے۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

تاہم دو باتیں ایسی ہیں جو ہمارے لیے قابل اطمینان ہیں۔ ایک یہ کہ مسلمانوں کی اکثریت آج بھی سنت رسول کے بغیر قرآن کے احکام و فرامین کی تعمیل کا کوئی دوسرا تصور قبول کرنے کے لیے تیار نہیں حتیٰ کہ مذکورہ بالا طبقوں کی اکثریت بھی اس نظریہ کو مردہ قرار دیتی ہے اور دوسرے یہ کہ علمائے امت کی ایک کثیر جماعت اس فتنہ کے بھرپور دفاع کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی ہے عربی زبان میں پہلے ہی ایسا لٹریچر موجود تھا جس میں سابقہ دور کے منکرین حدیث کے حدیث پر اعتراضات اور پھر ان اعتراضات کے مسکت جواب بھی موجود تھے۔ جن میں ایک طرف تو سنت رسول کی ضرورت واہمیت کو اجاگر کیا گیا تھا تو دوسری طرف اس بات کی بھی وضاحت موجود تھی کہ سنت رسولؐ ہم تک نہایت قابل اعتماد ذرائع سے پہنچی ہے۔ کچھ لوگوں نے تو ایسی کتابوں کے تراجم اردو زبان میں منتقل کیے اور کچھ حضرات نے نئی تصنیفات بھی پیش کیں جو بالعموم ایسے ہی مسائل سے متعلق ہیں۔

مگر آج کا منکرِ حدیث طبقہ ان جوابات کے جواب بھی پیش کر رہا ہے اور ان پر مزید اعتراضات بھی وارد کر رہا ہے۔ نیز اس نے تشکیک کے چند مزید پہلو اجاگر کر کے انکار سنت کے فتنہ کی کئی نئی راہیں بھی کھول دی ہیں۔ اندریں حالات میرے خیال میں دو پہلوؤں پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک تو یہ کہ اصولی بحثوں سے ہٹ کر براہ راست منکرینِ حدیث کے اعتراضات کو ہی بنیاد بنا کر ان کا جواب پیش کرنا چاہئے اور دوسرے یہ کہ انکار سنت کے بعد جو نظریات یہ حضرات پیش فرما رہے ہیں ان کا قرآن اور صرف قرآن کی روشنی میں پورا پورا محاسبہ کرنا چاہئے۔ ان پہلوؤں پر بھی اگرچہ کچھ کام ہوا ہے تاہم یہ دونوں پہلو ہنوز تشنۂ تکمیل ہیں۔

میں نے انہیں پہلوؤں کو ملحوظ رکھ کر آج سے تین چار سال پہلے مضامین لکھنا شروع کئے جو ماہنامہ "ترجمان الحدیث" اور "محدث" میں چھپتے رہے ہیں۔ عجمی تصورات کا پہلا' دوسرا اور تیسرا دور' نظریہ ارتقاء مرکز ملت' قرآنی نظام ربوبیت' حسبنا کتاب اللہ' وضع حدیث اور وضاعین' فکر آخرت اور طلوع اسلام اسی سلسلہ کی کڑیاں تھیں۔ ان مضامین کو علمی حلقہ میں خاصی پذیرائی ہوئی اور ان مضامین کو مکمل کرنے اور کتابی شکل دینے کے تقاضے شروع ہو گئے۔

مگر میرے ذہن میں جو کچھ مواد موجود تھا وہ اس سے کہیں بہت زیادہ تھا جو چھپ چکا تھا' اتنی ضخیم کتاب کی تیاری کے لیے خاصا وقت بھی درکار تھا اور مالی مشکلات بھی حائل تھیں۔ پھر جب یہ تقاضے بڑھنے لگے اور کچھ احباب نے ڈھارس بھی بندھائی تو میں نے ماہناموں کے لیے مضامین لکھنے کا سلسلہ بند کر دیا اور یکسو ہو کر اس کام کی طرف لگ گیا اور آج ایک سال بعد یہ کام اللہ کے فضل وکرم اور اس کی توفیق سے پایہ تکمیل کو پہنچ گیا ہے۔

میں نے اس کتاب کو مندرجہ ذیل چھ حصوں میں تقسیم کیا ہے:

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

حصہ اوّل : معتزلہ سے طلوعِ اسلام تک : اس حصہ میں منکرینِ حدیث کی سلسلہ وار تاریخ' انکار سنت کے اسباب اور عجمی تصورات کی اسلام میں درآمد' معتزلہ کے مخصوص عقائد و نظریات اور نتائج پر بحث کی گئی ہے۔

حصہ دوم : طلوعِ اسلام کے نظریات : اس حصہ میں حسبنا کتاب اللہ' عجمی سازش' نظریہ ارتقاء' مساوات مرد و زن' مرکز ملت اور قرآنی نظام ربوبیت پر روشنی ڈال کر عقلی نقلی اور تاریخی دلائل سے ان نظریات کا محاسبہ کیا گیا ہے۔ عجمی سازش تو "اسباب زوال امت" کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ مساوات مرد و زن' "طاہرہ کے نام خطوط" کے جواب میں اور قرآنی نظام ربوبیت "نظام ربوبیت" کے جواب میں لکھے گئے ہیں۔

حصہ سوم : قرآنی مسائل : یہ "قرآنی فیصلے" کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ اس حصے میں صرف ان تیرہ مسائل کا ذکر ہے جن کا جواب دینا ضروری تھا اور ان پر قرآن ہی کی رو سے گرفت کی جا سکتی تھی اور وہ مسائل یہ ہیں۔ قرآنی نماز' قرآنی زکوۃ و صدقات' قربانی' اطاعت والدین' ناسخ و منسوخ' عذاب قبر' ترکہ اور وصیت' یتیم پوتے کی وراثت' تلاوت قرآن پاک' نکاح نابالغاں' تعدد ازدواج' غلام اور لونڈیاں' رجم اور حد رجم۔

حصہ چہارم : دوامِ حدیث : یہ حصہ حافظ صاحب جیراجپوری کے ان مقالات کے جواب میں لکھا گیا ہے جو مقام حدیث میں مندرج ہیں۔ فن حدیث میں تشکیک کے جن پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے وہ یہ ہیں روایت حدیث' کتابت و تدوین حدیث' تنقید حدیث' اصول حدیث' دلائل حدیث' اور وضع حدیث۔ اور حدیث کو دین سمجھنے کے نقصانات۔

حصہ پنجم : دفاعِ حدیث : یہ حصہ مقام حدیث کے باقی ماندہ مقالات کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ ان مقالات کا بیشتر حصہ کتب احادیث کے داخلی مواد پر اعتراضات اور اس کے جوابات سے متعلق ہے۔

عنوانات ابواب یہ ہیں:

① حدیث پر چند بنیادی اعتراضات
② حدیث اور چند نامور اہل علم و فکر
③ جمع قرآن روایات کے آئینے میں
④ تفسیر بالحدیث
⑤ متعہ کی حرمت
⑥ حصول جنت احادیث کی رو سے
⑦ بخاری کی قابل اعتراض احادیث
⑧ خلفائے راشدین کی شرعی تبدیلیاں

حصہ ششم : طلوعِ اسلام کا اسلام : اس حصہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ طلوع اسلام کا اپنا اسلام کیسا ہے اور انکار سنت کے بعد وہ دوسرے مسلمانوں کو کس طرح کے اسلام کی راہ دکھانا چاہتا ہے۔ اس حصہ کے

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

ابواب یہ ہیں:

① طلوعِ اسلام کا ایمان بالغیب ② طلوعِ اسلام اور ارکان اسلام
③ وحی الٰہی سے روشنی حاصل کرنے کا طریقہ ④ فکر پرویز پر عجمی شیوخ کی اثر اندازی
⑤ داعی انقلاب کا ذاتی کردار ⑥ پرویزی لٹریچر کی خصوصیات

آخر میں ایک باب بطور ضمیمہ شامل ہے جس کا عنوان ہے طلوعِ اسلام سے چند بنیادی سوالات' یہ سوالات جہاں ایک طرف اس کتاب کا لب لباب ہیں تو دوسری طرف طلوعِ اسلام کے لیے چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اگرچہ میں اصولی طور پر اس بات کا قائل ہوں کہ تحریر کی زبان نرم اور حلیمانہ ہونی چاہئے' تاہم مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ بتقاضائے بشریت کہیں کہیں زبان میں تلخی آگئی ہے' جس کے لئے میں معذرت چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو ٹھیک طور پر اسلام کو سمجھنے اور پھر اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

عبدالرحمان کیلانی

دارالسلام' وسن پورہ' لاہور۔

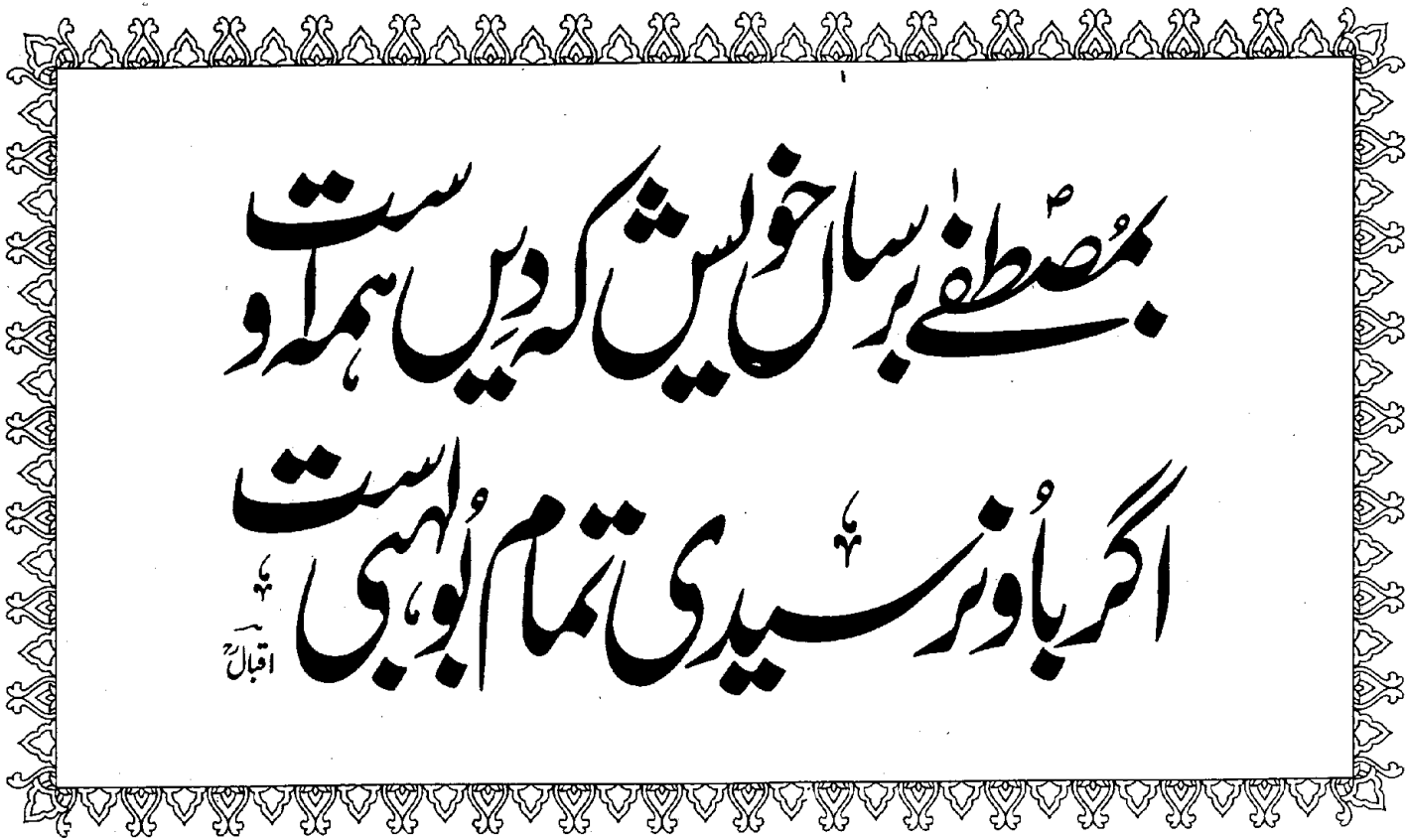

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

اقبالؒ

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

حصہ اوّل

معتزلہ سے طلوعِ اسلام تک

فہرست ابواب

عجمی تصورات کی اسلام میں آمد۔ انکارِ سُنّت کے اسباب۔ معتزلہ کے مخصوص عقائد و نظریات اور نتائج۔ منکرینِ حدیث کی سلسلہ وار تاریخ۔

① عقل پرست فرقوں کا آغاز
② عجمی تصورات کا پہلا دَور
③ عجمی تصورات کا دوسرا دَور
④ نظریۂ اِرتقاء کا سرسید کے عقائد پر اثر
⑤ عجمی تصورات کا تیسرا دَور

✿ ✿ ✿

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

باب: اوّل

عقل پرست فرقوں کا آغاز

جب سے انسان نے اس دنیا میں ہوش سنبھالا ہے تین سوال اس کی توجہ کا مرکز بنے رہے ہیں جو درج ذیل ہیں:

① یہ کائنات از خود معرض وجود میں آگئی ہے یا کوئی اس کا پیدا کرنے والا بھی ہے؟

② اس کائنات کا اور انسان کا آپس میں کس قسم کا تعلق ہے؟ نیز اس کی پیدائش کا کچھ مقصد بھی ہے یا یہ اپنی موت کے ساتھ ختم ہو جائے گا؟

③ اس کائنات کی خالق کوئی مقتدر ہستی ہے؟ اور اگر ہے تو اس کا اور انسان کا آپس میں کس قسم کا تعلق ہے؟

گویا خدا، کائنات اور انسان کا باہمی تعلق ہی وہ راز ہے جس کی عقدہ کشائی میں انسان حضرت آدم سے لے کر آج تک منہمک ہے اور غالباً آئندہ بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا اور فی الحقیقت یہ سوالات ہیں بھی اتنے اہم کہ جب تک کوئی شخص ان کے جواب میں کوئی نقطہ نظر اپنے ذہن میں قائم اور پختہ نہ کر پائے وہ یہ شخص سوچ ہی نہیں سکتا کہ اسے اس دنیا میں کس حیثیت سے زندگی گزارنا ہوگی۔ بالفاظ دیگر یہی وہ بنیادی باتیں ہیں جن پر انسان کی زندگی کے طرز عمل کا انحصار ہوتا ہے۔

انسان کی طبعی زندگی دوسرے عام حیوانات سے ملتی جلتی ہے اور اس کے طبعی تقاضے بھی یعنی مفاد خویش، تحفظ خویش اور بقائے نسل بھی وہی ہیں جو دوسرے جانداروں میں پائے جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود کئی باتوں میں دوسرے حیوانات سے مختلف اور ممتاز بھی ہے۔ مثلاً:

1 اسے اپنے مستقبل اور اپنی موت کا احساس ہے۔ اسی وجہ سے یہ مفاد خویش یا خود غرضی میں دوسرے جانداروں سے بہت آگے ہے اور اسے کل کے لئے جمع کرنے کی فکر دامن گیر رہتی ہے جو دوسرے جانوروں میں کم ہی پائی جاتی ہے۔

2 اسے خیر و شر کی تمیز بھی عطا کی گئی ہے اور قوت اختیار اور ارادہ بھی حتیٰ کہ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ وہ تحفظ خویش کے فطری داعیہ کے علی الرغم کسی جذبہ کے تحت اپنی جان تک بھی دے دیتا

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

ہے۔ اور:

3 اسے عقل وشعور کا وافر حصہ عطا کیا گیا ہے جس کے ذریعے وہ چند معلوم اور دیکھی ہوئی اشیاء سے مزید کچھ حقائق اور نتائج کا سراغ لگانے کی اہلیت رکھتا ہے۔ جسے اصطلاحی زبان میں علت (Cause) اور معلول (Effect) سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ مشاہدات کو دیکھ کر اس کی علت بھی معلوم کرنا چاہتا ہے اور اس سے آگے معلول بھی اور یہی وہ فطری داعیہ ہے۔ جس کی وجہ سے انسان اس کائنات میں اپنا مقام متعین کرنے پر کسی حد تک مجبور بھی ہے۔

اس عقل وشعور کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ انسان محض اپنی عقل ودانش کے بل بوتے پر یہ عقدہ حل کرنے میں ناکام ہی رہا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ انسان کی عقل محدود ہے اور کائنات لامحدود' اور ایک محدود چیز لامحدود کا ادراک اور احاطہ کرنے سے قاصر ہے انسان کے سامنے کئی ایسی معلومات اور ایسے مشاہدات آجاتے ہیں جہاں علت ومعلول کا یہ فلسفہ دھرے کا دھرا رہ جاتا ہے اور ایسا تعلق قائم کرنے سے عقل جواب دے دیتی ہے۔

عقل کی اسی مجبوری کی وجہ سے خالق کائنات نے انسان کی خود رہنمائی فرمائی۔ ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام جہاں پہلے انسان تھے وہاں وہ پہلے نبی بھی تھے۔ اپنے خدائی پیغام یا وحی کے ذریعہ خالق کائنات نے انسان کو بتا دیا کہ یہ کائنات اور اسی طرح خود تمہیں بھی میں نے ہی پیدا کیا ہے۔ یہ کائنات تمہارے لئے مسخر کر دی گئی ہے۔ تم اشیائے کائنات سے جب اور جس طرح چاہو کام لے سکتے ہو اور یہ کہ اگر تم میری ہدایت کے مطابق زندگی گزارو گے تو دنیوی اور اخروی زندگی کی سرفرازیوں سے ہمکنار ہو گے۔ (۳/۲۸)

عقل پرست اور ان کے مختلف فرقے

لیکن اس واضح ہدایت کے باوجود بعض اصحاب دانش نے اپنی عقل وفکر کو ہی رہنما بنایا پھر عقل ودانش بھی سب کی ایک جیسی نہیں ہوتی' کہ ایک جیسے نتائج پیدا کرے۔ لہٰذا ان میں بھی مختلف گروہ پیدا ہو گئے جو مختصراً درج ذیل ہیں:

✿ مادہ پرست اور دہریے: ان لوگوں نے جب کائنات اور اس کی تخلیق پر غور وفکر کیا تو اس نتیجہ پر پہنچے کہ مادہ قدیم ازلی اور ابدی ہے' جو مختلف ادوار سے گزرتا ہوا اس کائنات کی شکل میں آیا ہے' یہ زمین وآسمان' اور یہ چاند تارے اور سورج سب کائنات کے فطری قوانین کے تحت حرکت کر رہے ہیں اور یہ سب اتفاقات کا نتیجہ ہیں۔ اتفاق ہی سے مادہ کے مختلف اجزاء کے کیمیاوی عمل سے پانی معرض وجود میں آیا۔ پھر اتفاق ہی سے اس مادہ کے مختلف اجزاء کے کیمیاوی عمل سے زندگی کی نمود ہوئی جو نباتات اور حیوانات کی راہوں سے گزرتی ہوئی انسانی شکل میں آئی ہے انسان بھی دوسری موجودات کی طرح پیدا ہوتا اور ختم ہو جاتا ہے' اس کے علاوہ کائنات کی حقیقت کچھ نہیں۔ قرآن کریم نے اس گروہ کا ذکر ان الفاظ

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

میں فرمایا ہے:

﴿ وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُم بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٢٤﴾ ﴾ (الجاثیۃ ۴۵/ ۲۴)

"اور کہتے ہیں کہ ہماری زندگی تو بس دنیا کی زندگی ہے ہم مرتے اور جیتے ہیں ہمیں زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے اور ان کو اس کا کچھ علم نہیں صرف ظن سے کام لیتے ہیں۔"

آیت بالا سے واضح ہے کہ اس گروہ کے نظریات محض ظن اور قیاس پر مبنی ہیں جن کے نیچے کوئی ٹھوس سائنٹیفک بنیاد نہیں۔ اس گروہ کو دہریہ مادہ پرست یا مادِیین کہتے ہیں۔

❁ فلاسفر اور سائنس دان: اسی گروہ میں سے فلاسفروں اور سائنس دانوں کا ایک ایسا طبقہ وجود میں آیا جو یہ بات ماننے پر مجبور ہو گیا کہ اس وسیع کائنات کے لئے ایک علت العلل کی موجودگی بھی ضروری ہے ورنہ کائنات کے ایسے منظم اور مربوط نظام کا قائم ہونا محالات سے ہے (اسی علت العلل کو مذہب کی زبان میں خدا کہا جاتا ہے) جیسے سر آئزک نیوٹن جو کششِ ثقل وقوت جاذبہ (Gravity) اور قوانینِ حرکت کا موجد تسلیم کیا جاتا ہے نے کائنات کے وسیع مطالعہ کے بعد اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

کواکب کی حرکات حالیہ ممکن نہیں کہ محض قوت جاذبہ کا نتیجہ ہوں۔ قوت جاذبہ تو کواکب کو سورج کی طرف دھکیلتی ہے اس لئے کواکب کو سورج کے گرد حرکت دینے والا ضروری ہے کوئی خدائی ہاتھ موجود ہو۔ جو باوجود قوتِ جاذبہ کی کشش کے ان کو اپنے مدارات پر قائم رکھ سکے۔ کوئی سبب طبعی ایسا نہیں بتایا جا سکتا جس نے تمام کواکب کو کھلی فضا میں جکڑ بند کر دیا ہے کہ وہ سب سورج کے گرد چکر لگانے میں ہمیشہ معین مدارات پر اور ایک خاص حیثیت میں بھی حرکت کریں جس میں کبھی تخلف نہ ہو۔ پھر کواکب کی حرکات اور درجات سرعت میں ان کی اور سورج کی درمیانی مسافت کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو دقیق تناسب اور عمیق توازن قائم رکھا گیا ہے۔ کوئی سبب طبعی نہیں جن سے ان منظم ومحفوظ نوامیس کو وابستہ کر سکیں۔ ناچار اقرار کرنا پڑتا ہے کہ یہ سارا نظام کسی ایسے زبردست حکیم وعلیم کے ماتحت ہے جو ان تمام اجرام سماویہ کے مواد اور ان کی ماہیت سے پورا واقف ہے وہ جانتا ہے کہ کس مادہ کی کس قدر مقدار سے کتنی قوت جاذبہ صادر ہوگی۔ اس نے اپنے زبردست اندازہ سے کواکب اور شمس کے درمیان مختلف مسافتیں اور حرکت کے مختلف مدارج مقرر کیے ہیں تاکہ ایک دوسرے سے تصادم اور تزاحم نہ ہو اور سارا عالم ٹکرا کر تباہ نہ ہو جائے۔" (تفسیر علامہ شبیر احمد عثمانی حاشیہ آیت نمبر:۷۵/۶)

یہی وہ فلاسفروں اور سائنس دانوں کی مجبوری ہے جس نے انہیں ایک علت العلل یا عقل کل تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا ہے' اس گروہ کے سرخیل یونانی فلاسفر افلاطون اور ارسطو تسلیم کیے جاتے ہیں۔ ارسطو (۳۲۲ ق م) کے متعلق مشہور ہے کہ اسے کسی یہودی عالم نے اپنا مذہب قبول کرنے کی دعوت دی تھی' تو اس نے کہا کہ میں سوچ کر بتاؤں گا سوچ بچار کے بعد اس نے اس مذہب کو قبول کرنے سے انکار کر دیا

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

کیونکہ وحی الٰہی خدا کے متعلق جو تصور پیش کرتی ہے اس کے افکار و نظریات اس سے لگا نہیں کھاتے تھے اور دوسری وجہ غالباً یہ بھی ہو سکتی تھی کہ یہ لوگ اپنے آپ کو پیغمبروں سے کم مرتبہ کے انسان نہیں سمجھتے' خدا کے متعلق ارسطو کے نظریات یہ تھے۔

✿ الٰہیاتِ ارسطو: وہ ایک مجرد تصور ہے ایک مکمل اور جامع تصور۔ یہ کائنات جو خالق کی مظہر ہے نامکمل اور ناقص ہے اور اس کی حمد وثناء کے ذوق اور اس کی محبت کے جوش میں اِرتقاء اور ترقی کے منازل طے کر رہی ہے۔ باری تعالیٰ اپنا کوئی مادی وجود نہیں رکھتا' بلکہ وہ کائنات کے رنگارنگ مظاہر اور اس کی حرکت کے پیچھے ایک ایسا تصور کارفرما ہے جو قدیم قائم بالذات اور سراسر نیکی ہے۔ یہی ارسطو کے نزدیک خدا کا تصور ہے۔ [1] اس فلسفے کے مطابق چونکہ سوائے خدا کے مجرد تصور کے کوئی شے قدیم نہیں' بلکہ ساری اشیاء حادث ہیں۔ اس لئے خدا کی صفات بھی حادث اور نامکمل ہیں۔ اس کے تصورات کو مختصراً یوں کہا جا سکتا ہے:

① علت العلل یا ذات حق مجرد تصور ہے۔

② وہ مستقل قائم بالذات وبرحق اور قدیم ہے۔

③ وہ جان جہان ہے اور ساری کائنات اس کا مظہر ہے۔

④ وہ ان سب صفات سے عاری ہے جن کی نسبت انسان کی طرف کی جاتی ہے کیونکہ صفات حادث ہوتی ہیں اور ذاتِ حق قدیم ہے۔

⑤ ذاتِ باری نے دنیا کو پیدا کیا۔ اسے حرکت دی اسی بنا پر وہ پوری کائنات اور اس کی حرکت کی بنیادی عِلت ہے۔

ساری کائنات اس کی حمد وثناء میں منہمک ہو کر اور اس کی محبت سے سرشار ہو کر ترقی کی منازل طے کر رہی ہے لیکن یہ ارتقاء اسے کبھی بھی باری تعالیٰ کی طرح کامل نہیں بنا سکتا کیونکہ کائنات مادی وجود سے نہیں ہو سکتی۔" (مذہب وتجدید مذہب: پروفیسر عبدالحمید صدیقی ص ۱۷۴)

---

[1] وہ کہتا ہے مٹھاس کا تصور ہم اس بنا پر کرتے ہیں کہ دنیا میں میٹھی چیزیں موجود ہیں اور سرخی اور سفیدی کا بھی اسی وجہ سے شعور رکھتے ہیں کہ دنیا میں بہت سی چیزیں رنگ کی اعتبار سے سرخ اور سفید ہمارے درمیان موجود ہیں۔ یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ سرخی کا تصور کسی شے کے بغیر ممکن نہیں لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سرخی کے تصور کے ساتھ کسی ایک معین شے یا چند مخصوص اشیاء کا تصور کسی ایسی چیز کے ساتھ ہی کیا جا سکتا ہے جو سرخ ہو۔ اس سے یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ اصل حقیقت سرخی ہے اور یہی مستقل اور پائیدار ہے اسی کا تصور بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ باقی رہے پیکر محسوس جن میں یہ جلوہ گر ہوتی ہے یہ سب اعتباری چیزیں ہیں۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

گویا ارسطو اور اس طرح کئی دوسرے حکمائے فرنگ کے نزدیک خالق کی حیثیت محض ایک گھڑی ساز کی سی ہے۔ جس نے گھڑی بنا کر اس میں ایک دفعہ چابی بھر دی ہے اور اب یہ گھڑی خود ہی چل رہی ہے۔

❁ لا ادریت: پھر انہیں مذکورہ دو گروہوں میں سے ایک تیسرا گروہ پیدا ہوا جو نہ تو خدا کا انکار کرتا ہے اور نہ اقرار' اسی لئے انہیں "لا ادری" یعنی "کوئی رائے نہ قائم کرنے والا" کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ بھی عقل کی تنگی داماں سے خوب واقف ہوتے ہیں۔ لہٰذا جہاں کوئی بات ان کی سمجھ سے بالا تر ہوتی ہے تو اسے قوانین فطرت یا محض فطرت (Nature) سے منسوب کر دیتے ہیں اور نیچر سے ان کی مراد کائنات میں وہ جاری وساری قوانین ہیں۔ جن تک انسانی علم کی بالعموم رسائی ہو چکی ہو یا مشاہدہ میں آچکے ہوں۔ یا جن لگے بندھے قوانین کے تحت یہ کائنات سرگرم عمل ہے۔ یہ لوگ خدا کی جگہ فطرت کا لفظ استعمال کرتے ہیں کیونکہ خدا کے مان لینے سے اور بھی بہت سی چیزوں کا اقرار کرنا پڑتا ہے لہٰذا یہ لوگ اس سلسلہ میں کوئی رائے قائم نہیں کرتے۔

وحی الٰہی اور بنیادی سوالات کا حل

تصریحات بالا سے واضح ہے کہ ارسطو کا نظریہ بھی زندگی کے جملہ مسائل کا حل پیش نہیں کرتا۔ وہ مابعد الطبیعات یا مرنے کے بعد کی زندگی کا ایک دھندلا سا عکس پیش کرتا ہے وہ یہ بھی وضاحت نہیں کرتا کہ انسان کی زندگی کا کچھ مقصد بھی ہے یا نہیں اور اگر ہے تو وہ کیا ہے؟ وہ محض "الٰہیات" سے متعلق ایک مخصوص نقطہ نظر پیش کرتا ہے لہٰذا بنی نوع انسان کا ایک کثیر طبقہ ایسا بھی رہا ہے جو اس باری تعالیٰ کی ہدایات یا وحی خداوندی پر ایمان لایا۔ یہ وحی خداوندی جو دنیا کے تقریباً تمام مقامات پر مختلف ادوار میں انبیاء پر خدا کی طرف سے نازل ہوتی رہی' انسانی زندگی کے جملہ مسائل کا ایک ہی حل پیش کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ:

① اس کائنات کا خالق ذات باری یا اللہ تعالیٰ ہے۔ وہی ایک ذات ہے جو قدیم اور ازلی وابدی ہے وہ اپنی علم وحکمت سے اس کائنات کو عدم سے وجود میں لایا۔ انسان کو بھی اسی نے پیدا کیا ہے اور کائنات اور اس کی تمام اشیاء حادث اور فنا ہونے والی ہیں۔

② کائنات کی جملہ اشیاء اس باری تعالیٰ کی مخلوق اور اسی کے بنائے ہوئے قوانین کے تحت سرگرم عمل ہیں۔ انسان خود بھی اپنی طبعی زندگی کے لحاظ سے ان قوانین کا پابند اور ان کے آگے مجبور محض ہے لیکن اسے خیر وشر کی تمیز اور قوت ارادہ واختیار بھی کسی حد تک عطا کی گئی ہے انسان کی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ وہ ان اختیاری امور میں بھی اپنی مرضی کو دوسری اشیائے کائنات کی طرح اللہ تعالیٰ کی منشاء ومرضی کے مطابق بنا دے۔ اسی چیز کا نام عبادت ہے۔ کائنات کی تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی عبادت میں سرگرم عمل ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہی انسان سمیت تمام اشیائے کائنات کا معبود ہے۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

③ کائنات اور انسان کا آپس میں تعلق یہ ہے کہ کائنات کی جملہ اشیاء انسان کے تابع فرمان بنا دی گئی ہیں۔ وہ ان کی ہیئت وکیفیت معلوم کر کے ان سے جیسے چاہے کام لے سکتا ہے۔ انسان کو کائنات کے عظیم الجثہ کُروں' فضا کی پنہاں قوتوں اور زمین میں پھیلے ہوئے مختلف عناصر سے خائف ہونے یا ان کے آگے سر تسلیم خم کرنے کی نہ کوئی وجہ ہے اور نہ ضرورت اگر وہ ایسا کرے گا تو اسی کا نام شرک ہے جو ظلم عظیم اور ناقابل معافی جرم ہے۔ اگر وہ صرف اپنے خالق ذات باری کی ہدایات کا تابع فرمان ہو کر اسی کے سامنے سربسجود ہوگا اور اپنی حاجات پیش کرے گا تو یہی چیز توحید ہے۔ یہی توحید انسان کو کائنات میں بلند ترین مقام عطا کرتی ہے۔

④ پھر اگر انسان خدا کی ہدایات پر عمل پیرا ہوگا تو اسے ان کے ان اعمال خیر کا اچھا بدلہ یا جزاء ملے گی اور اگر نافرمانی کرے گا تو اسے یوں ہی نہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ بلکہ ان کو ان "اعمال شر" کی سزا ضرور ملے گی۔ یہ جزاء وسزا کا قانون مذہب کی اصطلاح میں دین کہلاتا ہے۔ جزا وسزا کا قانون اسی دنیا میں بھی لاگو ہو سکتا ہے تاہم یہ ضروری نہیں مرنے کے بعد انسان کو یقیناً دوسری زندگی ملے گی۔ جہاں اس سے اس کے کئے ہوئے اعمال خیر وشر کا پورا پورا محاسبہ کیا جائے گا۔ اسی مرنے کے بعد کی دوسری زندگی کو اخروی زندگی یا آخرت کہتے ہیں۔

یہ ہے انسانی زندگی کے مسائل کا حل اور ہدایات خداوندی یا وحی الٰہی کا خلاصہ جو تمام انبیاء کو ایک جیسی عطا ہوتی رہی ہے۔

ہندو مت اور عقل پرستی

انبیاء کرام جن پر یہ ہدایات خداوندی نازل ہوئیں وہ کوئی مافوق البشر ہستی نہیں' بلکہ انسان ہی ہوتے ہیں لہٰذا سب سے پہلے وہ خود ان تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر عملی نمونہ بھی لوگوں کے سامنے پیش کرتے رہے لیکن مابعد کے ادوار میں ان تعلیمات پر کچھ تو اصحاب دانش کے فلسفہ کے سائے لہراتے رہے اور کبھی ان ہدایات پر انسان کی باطنی قوتوں اور کشف وجدان کا رنگ غالب آیا تو اس طرح لاتعداد فرقے پیدا ہوتے رہے۔

ہندو مت پر عقل اور فلسفہ کا رنگ غالب آیا تو ان اصحاب دانش کے عقل وفہم میں یہ بات نہ آسکی کہ وجود باری تعالیٰ عدم سے کائنات کو کیونکر وجود میں لا سکتا ہے اور نہ ہی وہ یہ بات تصور میں لا سکتے تھے کہ بے جان مادہ میں زندگی اور حرکت کے آثار پیدا ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے کہا کہ خدا روح اور مادہ تین چیزیں ازلی ابدی ہیں۔ اب دیکھئے کہ روح کو ازلی ابدی تسلیم کر لینے کی بنا پر ان میں مندرجہ ذیل بنیادی عقائد ونظریات رواج پا گئے:

① تمام ذی حیات یا جاندار اشیاء انسان کے ہم رتبہ ہیں۔ انسان کو کوئی حق نہیں کہ کسی موذی جانور کو

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

گزند پہنچائے یا اسے مارے یا اپنے ذاتی انتفاع کی خاطر کسی جانور کو ذبح کر کے اس کا گوشت استعمال میں لائے۔ وحی الٰہی تو وحدت انسانی کا تصور پیش کرتی ہے لیکن انہوں نے اس کے بالمقابل "وحدت حیات" کا تصور پیش کیا جسے ان کی اصطلاح میں "اہنسا" کا نام دیا جاتا ہے۔ حیرانی کی بات ہے کہ ان کے فلاسفر "اہنسا" کی رو سے تو کسی موذی جانور کو تکلیف دینا تو مہاپاپ یا گناہ کبیرہ سمجھتے تھے لیکن جب معاشرتی مسائل کی طرف توجہ مبذول کی تو بنی نوع انسان کو چار مختلف ذاتوں میں تقسیم کر کے "وحدت انسان" کے تصور کو بھی پارہ پارہ کر دیا۔ وحی الٰہی یہی سکھاتی ہے کہ تمام بنی نوع آدم کی اولاد ہیں۔ لہٰذا سب معاشرتی لحاظ سے ہم مرتبہ ہیں اور نیز یہ کہ کائنات کی جملہ اشیاء حیوانات سمیت انسان کے تابع بنا دی گئی ہیں۔ وہ ان سب چیزوں سے ہدایات خداوندی کے تحت انتفاع کر سکتا ہے لیکن یہ مذہب جب افراط کی طرف جاتا ہے تو موذی جانوروں کو تکلیف پہنچانے کو مہاپاپ سمجھتا ہے اور جب تفریط کی طرف رخ موڑتا ہے کہ انسان کے مختلف طبقے پیدا کر کے کسی کو خلد بریں پر جا بٹھاتا ہے اور کسی دوسرے کو مستقل عذاب الیم میں مبتلا کر دیتا ہے۔

② روح کی ازلیت وابدیت نے ہی مسئلہ تناسخ کو جنم دیا جسے ان کی زبان میں "آواگون کا چکر" کہا جاتا ہے۔ یعنی نیک اعمال سے انسانی روح مرنے کے بعد کسی بہتر پیکر محسوس میں داخل ہوتی ہے اور برے اعمال کرنے سے کسی کمتر مخلوق میں داخل ہو کر سزا پاتی ہے مثلاً کسی برے انسان کی روح مرنے کے بعد کسی گدھے یا کتے کے جسم میں داخل ہو کر اپنے سابقہ گناہوں کا بدلہ بھگتے گی اور کسی نیک آدمی کی روح اپنے سے زیادہ بہتر پیدا ہونے والے انسان کے جسم میں داخل ہو کر اچھا بدلہ پائے گی اور یہ سلسلہ تا ابد جاری رہے گا۔ جزا وسزا کا یہی قانون مکافات آواگون کے چکر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

③ روح کی ترقی کے ان کے ہاں تین درجات ہیں۔ آتما یعنی وہ روح جو عام جانداروں میں پائی جاتی ہے۔ جب یہ روح نیک اعمال کی وجہ سے ترقی کرتی ہے تو کسی مہا آتما یعنی بزرگ روح کے جسم میں داخل ہوتی ہے۔ جیسے کہ ان کے ہاں مہاتما بدھ اور مہاتما گاندھی وغیرہ ہیں۔ پھر جب یہ روح نیک اعمال کے ذریعے مزید ترقی کرتی ہے تو پھر یہ پرماتما (سب سے بڑی۔ روح یا ذات خداوندی) میں جا کر مل جاتی ہے تب جا کر اس کی مکمل نجات ہوتی ہے اور یہی انسان کی روحانی ترقی کی آخری منزل ہے۔

مذہب میں بگاڑ کی صورتیں

روح کی ترقی اور نیک اعمال سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مادی جسم اور اس کے تقاضوں سے حتی الامکان پیچھا چھڑایا جائے جس قدر مادی جسم کو مضمحل اور کمزور بنایا جائے گا۔ اسی قدر روح کی ترقی ہوگی۔ لہٰذا اس روحانی ترقی کے حصول کے لئے ان کے ایک مخصوص گروہ نے جسم کو مختلف قسم کی اذیتیں دے کر اور اس کے طبعی تقاضوں کو فنا کر کے نیز معاشرتی تعلقات سے منہ موڑ کر گوشہ نشینی کی راہبانہ زندگی

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

اختیار کرلی۔ اس طرز زندگی کا بنیادی عقیدہ تو خالص فلسفیانہ ہے اور عملی طور پر مختلف ریاضتوں کے ذریعے انسان کی باطنی قوتوں کو بیدار کر کے یہ راہ طے کی جاتی ہے اس طریق زندگی کو دین طریقت بھی کہتے ہیں جو بالعموم تمام مذاہب مثلاً یہودیوں' عیسائیوں اور مسلمانوں میں بھی پایا جاتا ہے اور ہندو مت کا ایک خاص گروہ بدھ مت تو زندگی کا مقصد ہی یہی راہبانہ زندگی قرار دیتا ہے۔ ①

گویا اب تین چیزیں سامنے آگئیں وحی' عقل اور کشف یا وجدان۔ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب میں جب کبھی بگاڑ ہوا ہے تو وہ وحی الٰہی میں تشکیک اور اس کے مقابلہ میں عقل یا وجدان کے استعمال میں افراط اور تفریط سے ہوا ہے۔ کشف ووجدان نے جب وحی الٰہی میں بے جا تنقید ومداخلت کی تو ایک الگ طریقت کی بنیاد ڈالی' پھر اس میں مزید کئی فرقے پیدا ہو گئے۔ سردست ہم صرف یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ عقل نے وحی الٰہی کے مقابلہ میں افراط و تفریط سے کام لے کر کیا کچھ گل کھلائے ہیں۔

عقل پرستی کا بگاڑ

پھر انہی مذہبی فرقوں سے ایک ایسا فرقہ پیدا ہوا جس پر وجدان کے بجائے عقل پرستی کا رنگ غالب آ گیا تو جس طرح روحانیین زبانی طور پر وحی کی اتباع ہی کی تلقین کرتے رہتے ہیں لیکن وحی کے معانی ہی بدل کر انہیں "باطنی معانی" کا جامہ پہنا دیتے ہیں۔ اسی طرح عقل پرست زبانی طور پر وحی الٰہی کی برتری کے قائل ہوتے ہیں لیکن عملاً ہر دور کے غالب رجحانات اور مخصوص نظریات کے پیچھے لگ جاتے ہیں اور وحی الٰہی کی تاویل و تحریف کر کے ان نظریات وافکار کو الہامی کتابوں سے ثابت کرنے لگ جاتے ہیں۔ یہی وہ فرقہ ہے جس سے ہم آپ کو روشناس کرانا چاہتے ہیں اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسلام میں عقل پرستی کا آغاز کب ہوا' اور کس راستہ سے یہ ہم تک پہنچا ہے اور کون کون سے غیر اسلامی یا عجمی تصورات اس فرقہ نے اسلام میں داخل کرنے کی کوشش کی ہے۔

---

① اس دین طریقت کی تفصیل الگ کتاب "شریعت و طریقت" میں پیش کی جا رہی ہے۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

باب: دوم

عجمی تصورات کا پہلا دَور

① فرقہ جہمیہ

اسلام پہلی صدی ہجری کے اواخر تک عجمی تصورات سے محفوظ ومامون رہا۔ دوسری صدی کے آغاز میں ہشام بن عبدالملک (۱۰۵ تا ۱۲۵ھ) کے زمانہ میں ایک شخص جہم بن صفوان ظاہر ہوا جو ارسطو کے نظریہ ذات باری سے متاثر تھا اور بزعم خویش اللہ تعالیٰ کی مکمل تنزیہہ بیان کرتا تھا۔ وہ بھی خدا کے متعلق تجریدی تصورات کا قائل تھا اور خدا تعالیٰ کی ان صفات کی نفی کرتا تھا جو قرآن وسنت میں وارد ہیں۔ اس نے تنزیہہ الٰہی میں اس قدر مبالغہ اور غلو سے کام لیا کہ بقول امام ابو حنیفہ 'اللہ کو لاشئے اور معدوم [1] بنا دیا۔ وہ خدا کے لئے جہت یا سمت متعین کرنے کو شرک قرار دیتا تھا وہ خدا کی طرف ہاتھ' پاؤں' چہرہ' پنڈلی' جن کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے' کی نسبت کرنے کو بھی ناجائز قرار دیتا تھا۔ وہ اس آیت:

﴿ ثُمَّ ٱسْتَوَىٰ عَلَى ٱلْعَرْشِ ﴾ (الأعراف ۷/ ٥٤) "پھر وہ عرش پر جا ٹھہرا۔"

﴿ ٱلرَّحْمَٰنُ عَلَى ٱلْعَرْشِ ٱسْتَوَىٰ ۝٥ ﴾ "رحمٰن نے عرش پر قرار پکڑا"

(طٰہٰ ۲۰/ ٥)

میں لفظ استویٰ کا ترجمہ استولیٰ سے کر کے بزعم خویش اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ بیان کرتا تھا۔ امام ابن قیم نے اپنے قصیدہ نونیہ کے درج ذیل شعر میں اسی چیز کی وضاحت فرمائی ہے:

نُوْنُ الْيَهُوْدِ وَلَامُ جَهْمِيٍّ هُمَا — فِيْ وَحْيِ رَبِّ الْعَرْشِ زَائِدَتَانِ

"یہودیوں کا "نون" حِطةٌ کی بجائے حِنطةٌ [2] کہنا اور جہمیہ کا "ل" (اِستویٰ کو اِستولیٰ کہنا) رب العرش کی وحی سے زائد ہیں۔"

---

[1] بخاری کتاب التوحید حاشیہ از وحید الزمان۔

[2] یہودیوں نے حِطة کی بجائے حنطة "گندم یا معاشی فراوانی کا مطالبہ" کہہ کے وہ بات کہہ دی جس کی طرف ان کی عقل نے رہنمائی کی۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

اب سوال یہ ہے کہ جب خود اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے عرش پر قرار پکڑنے یا اپنے ہاتھوں' چہرہ' پنڈلی وغیرہ کا ذکر غیر مبہم الفاظ میں قرآن کریم میں فرمایا ہے تو اس کی تنزیہہ خود اس سے زیادہ بہتر اور کون کر سکتا ہے؟ رہی یہ بات کہ اس کا عرش کیسا ہے؟ یا وہ خود کیسا ہے اور کس طرح اس نے عرش پر قرار پکڑا ہے یا اس کا چہرہ اور ہاتھ کیسے ہیں۔ تو ہم یہ جاننے کے مکلف نہیں ہیں کیونکہ اس نے خود ہی فرما دیا ہے: ﴿ لَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ﴾ نیز فرمایا: ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ﴾ تو بس ایک مسلمان کا ایمان یہ ہونا چاہئے کہ جو کچھ قرآن میں مذکور ہے اس کو جوں کا توں تسلیم کرے۔ اسے عقل اور فلسفہ کی سان پر چڑھا کر اس کی دور از کار تاویلات و تحریفات پیش کرنا مسلمان کا شیوہ نہیں اور نہ ہی قرآن ایسی فلسفیانہ موشگافیوں کا متحمل ہو سکتا ہے کیونکہ جن لوگوں پر یہ قرآن نازل ہوا تھا وہ اُمّی اور فلسفیانہ موشگافیوں سے قطعاً نابلد تھے پھر یہ قرآن اشاروں اور کنایوں کی زبان میں نہیں اترا بلکہ عربی مبین میں نازل ہوا ہے۔ ایسی ٹھیٹھ اور آسان زبان جسے ان پڑھ لوگ بخوبی سمجھ جاتے تھے۔

ارسطو کی تعلیمات کی تائید میں جہم بن صفوان کے لئے یہ تصور بھی ناممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی سے خوش یا کسی پر ناراض ہو سکتا ہے اور جو آیات مثلاً: ﴿ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ﴾ یا ﴿ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ﴾ وغیرہ قرآن پاک میں وارد ہیں ان سب کی دور از کار تاویلات پیش کر کے خدا تعالیٰ کی صفات سے "تنزیہہ" کرتا تھا۔ پھر جو لوگ اس کے ہم خیال پیدا ہوئے اور اس کے نام کی نسبت سے "جہمیہ" کہلائے یہ لوگ ذات وصفات باری تعالیٰ کے متعلق اختلافات کے علاوہ کئی دوسرے امور میں بھی اہل سنت والجماعۃ سے اختلاف رکھتے تھے لیکن انہیں یہاں زیر بحث لانا مقصود نہیں۔

علاوہ ازیں مسئلہ تقدیر میں یہ لوگ انسان کو مجبور محض سمجھتے تھے۔ وہ انسان کے ارادہ کو من جانب اللہ تصور کرتے تھے۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ انسان خود مخلوق خدا ہے۔ لہٰذا مخلوق کے ارادہ کا مخلوق ہونا لازم آتا ہے۔ اسی طرح انسان کے افعال کا خالق بھی خدا ہے۔ انسان کی طرف افعال کی نسبت محض مجازی ہے۔ رہا جزا اور سزا کا مسئلہ تو جس طرح افعال جبری ہیں اسی طرح جزا اور سزا بھی جبری ہے۔ یعنی جس طرح جبر کی بنا پر انسان اچھے اور برے افعال کرتا ہے۔ اسی طرح جبر ہی کی بنا پر اسے جزا اور سزا بھی دی جاتی ہے۔ [1]

② معتزلین (RATIONALISTS)

اسی زمانہ میں ایک اور شخص واصل بن عطاء (۸۰-۱۳۱ھ) کا ظہور ہوا۔ مشہور یہ ہے کہ واصل بن عطاء حضرت حسن بصری رحمہ اللہ (م ۱۱۰ھ) کے درس میں بیٹھا ہوا تھا' اس کا حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے یہ اختلاف ہوا کہ آیا گناہ کبیرہ کا مرتکب مومن ہی رہتا ہے (جیسے مرجیہ کا خیال تھا) یا کافر ہو جاتا ہے۔ (جیسا کہ

---

[1] مسئلہ جبر و قدر ص ۵۸ از مولانا مودودی رحمہ اللہ

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

خوارج کہتے تھے) حضرت حسن رحمہ اللہ بصری کا یہ خیال تھا کہ وہ منافق ہوتا ہے۔ واصل بن عطا نے اس مسئلہ میں ان سے اختلاف کیا اور اپنے ہمنوا ساتھیوں کو لے کر آپ کے حلقہ درس سے اٹھ کر مسجد کے کسی دوسرے کونے میں الگ جا بیٹھا تو حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا کہ اِعْتَزَلَ عَنَّا یعنی وہ ہم سے کنارہ کر گیا ہے۔

لیکن بات صرف اتنی نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ واصل بن عطاء (۸۰ تا ۱۳۱ھ) ایک مکتب فکر کا بانی بن کر سامنے آیا جو بعد میں اعتزال کے نام سے مشہور ہوا۔ ذات باری تعالیٰ کے متعلق اس کے عقائد جہم بن صفوان سے ملتے جلتے تھے۔ یونانی فکر کا رنگ اس پر بھی غالب تھا۔ اس کے معتقدین بعد میں معتزلہ کہلائے۔ سیاسی لحاظ سے بھی ان لوگوں کے بعض عقائد اہلسنّت والجماعت سے مختلف تھے لیکن یہ بات ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

جب ہارون الرشید (۱۴۷۔۱۷۰ھ) کے عہد میں یونانی فلسفہ کے تراجم عربی زبان میں شائع ہوئے تو یہ خیالات عام مسلمانوں تک پہنچے تو اس کے نتیجہ میں مسلمانوں میں دو قسم کے گروہ پیدا ہو گئے۔ ایک گروہ وہ تھا جس نے قرآن وسنت کے مقابلہ میں ارسطو کے نظریات الٰہیہ کو کلیتاً رد کر دیا۔ دوسرا گروہ ان ذہین فطین لوگوں کا تھا' جس نے محض اس بات پر ہی اکتفا نہ کیا کہ یونانی فلسفہ کو رد کر دیا جائے' بلکہ انہوں نے عام مسلمانوں کو اس یونانی فلسفہ کے اثرات سے محفوظ رکھنے کی خاطر فلسفہ کا جواب عقلی دلائل سے پیش کیا اور علم کلام کی طرح ڈالی ایسے لوگوں میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (م۲۴۰ھ)' امام بخاری رحمہ اللہ (م۲۵۰ھ)' امام غزالی' امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور امام ابن قیم رحمہ اللہ وغیرہ کے نام سرفہرست ہیں متاخرین میں شاہ ولی اللہ صاحب نے ایسی ہی خدمات سرانجام دیں۔

اور تیسرا گروہ ایسا پیدا ہوا جس نے یونانی افکار ونظریات سے مرعوب ہو کر اس کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے اور ان کو من وعن قبول کر لیا۔ اس گروہ کی تخم ریزی تو پہلے واصل بن عطا کر ہی چکے تھے۔ یونانی افکار ونظریات سے تقویت پا کر ایک منظم فرقہ کی حیثیت سے سامنے آئے۔ ان کے مخالفین تو انہیں معتزلین کے نام سے پکارتے تھے لیکن یہ لوگ خود کو "اہل العدل والتوحید" کہتے تھے۔ گویا یہ لقب ان کے ہر دو گونہ نظریات کا جن سے وہ عام مسلمانوں سے اختلاف رکھتے تھے' ترجمان تھا۔

معتزلہ کے عقائد ونظریات

1 مسئلہ تقدیر یا جبر وقدر

"اہل عدل" کے لفظ سے وہ اپنے مخصوص عقیدہ قدر کی وضاحت کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ انسان اپنے اعمال وافعال میں خود مختار ہے۔ باری تعالیٰ بس ان افعال کا خاموش تماشائی ہے۔ اس کی بلند ذات انسان کے معاملات میں دخیل ہونا پسند نہیں کرتی۔ انسان جس طرح اس طبعی دنیا میں قوانین طبعی کا پابند

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

ہے۔ اگر وہ آگ میں ہاتھ ڈالتا ہے تو ہاتھ کا جلنا ناگزیر ہے۔ بعینہ اسی طرح اسے اپنے برے اعمال کا عذاب یا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے۔ اگر انسانی اعمال میں اللہ کو دخیل مان لیا جائے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کا محاسبہ بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ [1] اسی طرح اگر انسانی اعمال کو اللہ تعالیٰ کے ارادہ ومنشاء کے تابع قرار دیا جائے تو پھر انسانوں کو عذاب دینا معاذ اللہ ظلم کا ارتکاب ہے۔ جس سے وہ ذات پاک ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے عدل کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے افعال واعمال میں پوری طرح خود مختار رہے۔ وہ اپنے اس دعوی کے ثبوت میں دوسری دلیل یہ پیش کرتے تھے کہ اگر انسانی اعمال اللہ کی مرضی کے تابع ہوں اور انسان مجبور محض ہو تو پھر اسے انبیاء کو بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟

تقدیر کی بحث: یہ مسئلہ بہت پرانا ہے اس پر کئی طرح سے بحث ہو چکی ہے اس مسئلہ نے اس دور میں اتنا طول کھینچا کہ دو الگ الگ فرقے "قدریہ" اور "جبریہ" معرض وجود میں آگئے۔ دونوں اپنے اپنے دلائل دیتے تھے۔ مگر کوئی دوسرے کو اپنا ہمنوا نہ بنا سکا۔ حالانکہ یہ مسئلہ اتنا مشکل اور ٹیڑھا نہ تھا جتنا کہ اسے بنا دیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ عقلی دلائل اور علت ومعلول کی کڑیاں ملانے سے حل ہونے والا نہیں اس کے لئے صرف اپنے دل کو ٹٹولنے کی ضرورت ہے۔ اس مسئلہ کو اللہ تعالیٰ نے درج ذیل الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

﴿ وَإِن تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِندِ اللَّهِ ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِندِكَ ۚ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۖ فَمَالِ هَٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ﴿٧٨﴾ ﴾ (النساء ٤/ ٧٨)

"اور اگر انہیں کوئی بھلائی پہنچے تو کہتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے اور اگر انہیں کوئی گزند پہنچے تو کہتے ہیں (کہ اے محمد ﷺ) یہ تمہاری وجہ سے ہے ان سے کہہ دو سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اتنی سی بات بھی نہیں سمجھتے۔"

گویا خلاّق فطرت انسان کو مخاطب کر کے فرما رہا ہے کہ وہ اتنی موٹی سی بات بھی سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہم جو بھی ارادہ کریں اور پھر اس کو کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو وہ کام عموماً ہو جاتا ہے۔ پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم ایسا ارادہ بھی کرتے ہیں اور اس کیلئے سر توڑ کوشش بھی، لیکن وہ کام سرانجام نہیں پاتا کیونکہ انسانی اعمال وافعال میں خارجی عوامل یا اتفاقات کو بھی بہت بڑا دخل ہوتا ہے۔ زلزلے، سیلاب، قحط، بیماری، لڑائیاں، معاشی اتار چڑھاؤ، اکثر انسانوں کی پوری زندگی کا رخ بدل دیتے ہیں اور اسکے ان سارے نقشوں کو درہم برہم کر ڈالتے ہیں جو اس نے اپنی راحت اور کامیابی کیلئے بڑی سوچ بچار اور بڑی کوششوں سے بنائے تھے۔ پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہی اتفاقات انسان کو ایسی کامیابیوں سے ہمکنار کر دیتے ہیں جن کے حصول میں فی الواقع اسکی اپنی کوشش کا ذرہ بھر بھی عمل دخل نہیں ہوتا۔

---

[1] اسی بنا پر انہوں نے شفاعت کا بھی انکار کر دیا۔ (المعتزلة تالیف زہدی حسن جار اللہ، ص:۵۲)

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے اعمال وافعال میں بس ایک حد تک خود مختار ہے۔ مختار کل نہیں ہے۔ اب اس اختیار واضطرار کی حدود مقرر کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ یہ سوال درحقیقت یوں بنتا ہے کہ اس کائنات میں خالقِ کائنات کا دستورِ اساسی کیا ہے؟ اور اس میں کچھ انسان کا حصہ بھی ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کتنا ہے؟ اور ظاہر ہے کہ یہ بات انسان کی عقل وفہم سے بالاتر ہے۔

افعال کی نسبت: اور دوسرا سوال یہ ہے کہ انسان کے بعض افعال کی نسبت قرآن کریم میں بعض مقامات پر بندے کی طرف کی گئی ہے اور بعض مقامات پر خدا کی طرف خواہ وہ اچھے ہوں یا برے ہوں۔ پھر کبھی برے افعال کی نسبت خود انسان یا شیطان کی طرف کی گئی ہے اور اچھے اعمال کی خدا کی طرف تو اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی ایک فعل کے متعدد اسباب ہوتے ہیں ان میں سے کسی ایک سبب کی طرف نسبت کر دی جائے تو وہ نسبت ٹھیک ہی سمجھی جاتی ہے۔ مثلاً ایک بادشاہ کسی ملک کو فتح کرتا ہے تو یوں بھی کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے فلاں ملک فتح کیا اور یوں بھی کہ فوج نے ملک کو فتح کیا اور یوں بھی کہ فلاں فلاں نامور افراد نے اس ملک کو فتح کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اب یہ ایک ایسا مربوط سلسلہ ہے کہ اس میں کسی ایک کا حصہ معین نہیں کیا جا سکتا۔ بعینہٖ یہی صورت حال انسان کے افعال کی ہے۔ اب ان کی مثالیں دیکھیے:

① انسان کے اچھے اعمال کی نسبت انسان کی طرف:

﴿ وَأَمَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ ﴾ "اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے ان کو اللہ پورا پورا بدلہ دے گا۔"

(آل عمران۳/ ۵۷)

② انسان کے اچھے اعمال کی نسبت خدا کی طرف:

﴿ يَهْدِى مَن يَشَآءُ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٤٢﴾ ﴾ "وہ اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے پر چلاتا ہے۔"

(البقرۃ۲/ ۱۴۲)

③ انسان کے بُرے اعمال کی نسبت انسان کی طرف:

﴿ وَمَآ أَصَابَكَ مِن سَيِّئَةٍ فَمِن نَّفْسِكَ ﴾ "اور جو برائی تجھے پہنچے تو وہ تیری شامتِ اعمال کی وجہ سے ہے۔"

(النساء٤/ ۷۹)

④ انسان کے بُرے اعمال کی نسبت شیطان کی طرف:

﴿ ٱلشَّيْطَٰنُ يَعِدُكُمُ ٱلْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِٱلْفَحْشَآءِ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۶۸) "شیطان تمہیں تنگدستی کا خوف دلاتا اور بے حیائی کے کاموں کا حکم دیتا ہے۔"

⑤ انسان کے بُرے اعمال کی نسبت خدا کی طرف:

﴿ أَتُرِيدُونَ أَن تَهْدُوا۟ مَنْ أَضَلَّ ٱللَّهُ وَمَن "کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جس شخص کو خدا نے گمراہ کر دیا

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

﴿ يُضْلِلِ ٱللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُۥ سَبِيلًا ﴿٨٨﴾ ﴾ ہے اسے راستے پر لے آؤ اور جسے اللہ گمراہ کردے اس کے لئے آپ کوئی راہ نہیں پائیں گے۔"
(النساء٤/ ٨٨)

⑥ اچھے اور برے اعمال کی نسبت انسان کی طرف:

﴿ ٱلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٨﴾ ﴾ "جو کچھ تم کرتے ہو آج تم کو اس کا بدلہ دیا جائے گا۔"
(الجاثیۃ٤٥/ ٢٨)

⑦ اچھے اور برے اعمال کی نسبت خدا کی طرف:

﴿ وَٱللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾ ﴾ "اور اللہ نے ہی تمہیں پیدا کیا اور اس کو بھی جو تم کام کرتے ہو۔"
(الصافات٣٧/ ٩٦)

چونکہ انسان کے کسی عمل یا فعل میں ان مختلف عوامل کے کارکردگی کے حصے متعین کرنا انسانی عقل کے احاطہ وادراک سے باہر ہے جیسا کہ ہر دور کے علماء اور مفکرین اس گتھی کو سلجھانے سے قاصر رہے ہیں۔ اسی بنا پر حضور اکرم ﷺ نے اس مسئلہ تقدیر کو زیر بحث لانے اور عقلی دلائل سے حل کرنے سے منع کر دیا کیونکہ قضاء وقدر کا سوال حقیقت میں یہ سوال ہے کہ خداوند عالم کی سلطنت کا دستور اساسی کیا ہے؟ ایک مرتبہ صحابہ آپس میں مسئلہ تقدیر کے بارے میں بحث کر رہے تھے اتنے میں آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور یہ باتیں سن کر آپ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا آپ ﷺ نے فرمایا:

"کیا انہی باتوں کا تم کو حکم دیا گیا ہے کیا اسی لئے میں تم میں بھیجا گیا ہوں؟ ایسی ہی باتوں سے پچھلی قومیں ہلاک ہوئیں۔ میرا فیصلہ یہ ہے کہ تم اس معاملہ میں جھگڑا نہ کرو۔" (مشکوٰۃ' کتاب الایمان. الفصل الثانی)

ایک موقعہ پر آپ ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص تقدیر کے بارے میں گفتگو کرے گا قیامت کے دن اس سے سوال کیا جائے گا' جو خاموش رہے گا اس سے کچھ سوال نہ ہو گا۔" (مشکوٰۃ' حوالہ ایضاً)

ایک دفعہ آپ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مکان پر رات کو تشریف لے گئے اور پوچھا: "تم لوگ (یعنی حضرت فاطمہ اور علی رضی اللہ عنہما) تہجد کی نماز کیوں نہیں پڑھتے؟"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے نفس اللہ کے ہاتھ میں ہیں وہ چاہے گا کہ ہم اٹھیں تو اٹھ جائیں گے۔"

یہ سن کر حضور ﷺ فوراً واپس ہو گئے اور اپنی ران پر ہاتھ مار کر فرمایا:

﴿ وَكَانَ ٱلْإِنسَٰنُ أَكْثَرَ شَىْءٍ جَدَلًا ﴿٥٤﴾ ﴾ "انسان اکثر باتوں میں جھگڑالو واقع ہوا ہے۔"
(الکھف١٨/ ٥٤)

اس حدیث سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں:

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

① انسان عموماً ایسی "جبریت" کا اس وقت سہارا لیتا ہے جب وہ اپنے میں کچھ کمی یا قصور دیکھتا ہے۔

② اپنے قصور کو مان لینے کے بجائے اسے کسی دوسرے کے سر تھوپنا ہی جھگڑے اور فساد کی بنیاد ہوتی ہے۔

③ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جواب کی تردید نہیں فرمائی' بلکہ آپؐ کی ناراضی کی وجہ یہ تھی کہ جو قوتِ اختیار وارادہ اس معاملہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حاصل تھا اس کی انہوں نے نفی کر دی تھی۔ حالانکہ انسان کے سب افعال میں خدا کے ساتھ انسان کا بھی اشتراک ہے۔

لیکن افسوس کہ حضور اکرم ﷺ کے ایسے واضح احکامات کے باوجود دوسری قوموں کے مسائل فلسفہ وطبیعات کا مطالعہ کرنے سے یہ مسئلہ مسلمانوں میں بھی داخل ہو گیا اور اس کثرت سے اس پر بحث کی گئی ہے کہ آخر کار یہ مسئلہ اسلامی علمِ کلام کے مہمات مسائل میں شمار ہونے لگا۔

تاویلات: جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ قرآن کریم میں بعض آیات ایسی ہیں جن سے انسان کے مکمل صاحب اختیار ہونے کا پہلو نکلتا ہے اور ان سے جبر کا پہلو نکالنا ممکن نہیں لیکن جبریہ حضرات اور جہمیہ ان آیات کی بھی ایسی دور از کار تاویلات پیش کرتے ہیں۔ جنہیں عقل سلیم تسلیم کرنے سے ابا کرتی ہے اور ان تاویلات سے بھی وہ شخص تو شاید مطمئن ہو سکے جو پہلے سے ہی ایسا نظریہ قائم کر چکا ہو لیکن جس شخص کو قرآن سے رہنمائی حاصل کرنا مقصود ہو۔ اس کے لئے تو ایسی تاویلات رہنمائی کے بجائے شدید الجھن کا باعث بن جاتی ہیں۔ یہی حال ایسی آیات کی تاویل کا ہے جو انسان کو مجبور بتاتی ہیں اور ان سے اختیار کا پہلو نکالنا مشکل معاملہ بن جاتا ہے لیکن قدر یہ ان کی ایسی ہی تاویلات کرنے کے در پے ہو جاتے ہیں۔ اس طرح دونوں فرقوں کی تاویلات نے خود قرآن کریم کو ہی تضادات کا گورکھ دھندا بنا کے رکھ دیا۔

عدل یا قانون جزاء وسزا

قانون جزاء وسزا یہ ہے کہ انسان اپنے کسی فعل یا عمل میں جس قدر مختار ہوتا ہے اسی حد تک وہ اس کا ذمہ دار ہے اور جہاں سے اضطرار کی کیفیت شروع ہوتی ہے اس سے جزاء وسزا کی تکلیف اس سے اٹھا لی جاتی ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ کوئی شخص اگر آپ کو گالیاں دے تو آپ اس کو جواب میں یا تو گالی دیں گے یا پتھر سے ماریں گے یا کم از کم سخت سست ہی کہیں گے لیکن اگر وہی گالی دینے والا شخص دیوانہ ہو تو آپ اسے معذور سمجھیں گے اور اس سے کوئی تعرض نہیں کریں گے۔ دیکھیے درج ذیل آیات کس خوبی سے اس بات کی وضاحت پیش کر رہی ہیں:

﴿ وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ﴿٣٩﴾ وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ ﴿٤٠﴾ ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَىٰ ﴿٤١﴾ ﴾ (النجم ۵۳/ ۳۹۔۴۱)

"اور یہ کہ انسان کو وہی کچھ ملے گا جس کی اس نے کوشش کی اور بلاشبہ اس کی کوشش کو دیکھا جائے گا۔ پھر اس کا پورا پورا بدلہ اس کو دیا جائے گا۔"

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

یعنی کسی انسان کے عمل میں انسان کا جتنا حصہ ہے صرف اسے دیکھا جائے گا پھر اسے اس کے مطابق بدلہ دیا جائے گا' نہ کم نہ زیادہ بلکہ اس کا پورا پورا بدلہ۔ یہیں سے یہ نکتہ حل ہو جاتا ہے کہ حقیقی عدل کرنے والا خدا کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا جو اعمال کی قدرو قیمت' اس کی جزاء کا حساب رکھ سکے اور دوسرا یہ کہ حقیقی عدل کے قیام کے لئے اخروی زندگی اور اس پر ایمان لانا ناگزیر ہے' کیونکہ اگر ایسا حقیقی عدل اسی دنیا میں ہی ملنا شروع ہو جائے تو دنیا سے نوعِ انسانی تودرکنار ہر جاندار چیز کا خاتمہ ہی ہو جائے گا بموجب ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَىٰ ظَهْرِهَا مِن دَابَّةٍ ﴾ (الفاطر ۳۵/ ۴۵)

"اگر اللہ لوگوں کو ان کے اعمال کے سبب پکڑنے لگتا تو روئے زمین پر کسی چلنے پھرنے والے کو نہ چھوڑتا۔"

② صفاتِ باری تعالیٰ

معتزلہ کی توحید

اور "اہل توحید" کے لفظ سے معتزلہ اپنے اس مخصوص عقیدے کی وضاحت کرتے تھے جو ارسطو نے پیش کیا تھا اور بڑے طمطراق سے یہ دعوے کرتے تھے کہ وہ توحید خالص کے قائل ہیں اور باری تعالیٰ کو ہر قسم کے شرک سے پاک دیکھنا چاہتے ہیں۔ باری تعالیٰ یکتا ہے قدیم ہے۔ اس معاملے میں کوئی دوسری صفت یا چیز اس کی شریک و سہیم نہیں اور اگر اس کی صفات بھی اسی کی طرح ازلی وابدی مان لی جائیں تو تثنیت قدماء لازم آتی ہے جو شرک ہے چنانچہ یہ لوگ خدا کی صفات مثلاً' علم قدرت' حیات' سمع وبصر وغیرہ کو اس معنی میں مانتے تھے۔ کہ وہ فی ذاتہٖ قادر' حی' سمیع وبصیر ہے۔ اس کی کوئی صفت اس کی ذات پر الگ یا زائد نہیں۔

اب ظاہر ہے کہ خدا کے متعلق ایسے تجریدی تصور کا۔ جس میں خدا کی حیثیت ریاضی کے ایک کلیہ کی سی رہ جاتی ہے جس کے مطابق ہر سبب لازمی طور پر ایک نتیجہ برآمد کرتا ہے اور علت ومعلول کا یہ بے جان اور ارادہ واختیار سے یکسر عاری نظام اس کائنات کو میکانکی طور پر چلا رہا ہے۔ اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اسلام میں خدا کی ذات ستودہ صفات ہے۔ جس کی زندگی میں حرارت ہے اور کائنات سے گہری محبت رکھتا ہے جو صاحبِ ارادہ ہے وہ علیم وبصیر ہے اور کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ نہ صرف اسے وہ اچھی طرح دیکھتا اور جانتا ہے۔ بلکہ اس کی براہِ راست نگرانی کر رہا ہے۔ انسان جب تک ایسی حی وقیوم ہستی پر ایمان نہیں لاتا اس وقت تک اسے ذہنی سکون اور قلبی اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا ریاضی کے لگے بندھے فارمولوں اور علت ومعلول کی بے جان کڑیوں یا مجرد تصور سے اخلاق وروحانیت کے

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔ گویا معتزلین نے ایک طرف تو خدا کو معطل بنا دیا اور دوسری طرف انسان کو مکمل خود مختار بنا دیا۔

معتزلہ کے یہ عقائد ہر چند گمراہ کن تھے اور مسلمانوں کی اکثریت نے انکو مردود قرار دے دیا تھا۔ تاہم ایک وجہ ایسی پیدا ہو گئی جو معتزلہ کی شہرت دوام کا باعث بن گئی۔ عباسی خلیفہ منصور (۱۳۴۔۱۵۸ھ) واصل بن عطاء سے متاثر تھا۔ اسلئے واصل بن عطاء کو بڑا بلند مرتبہ حاصل تھا تاہم خلیفہ منصور نے یہ خیالات اور عقائد اپنی ذات تک محدود رکھنے اور انکو رعایا پر ٹھونسنے کی کوشش نہ کی۔ یہ عقائد عباسی خلفاء میں پرورش پاتے رہے۔ ہوتے ہوتے جب مامون الرشید کا دور (۱۹۸ تا ۲۱۸ھ) آیا تو ان عقائد نے سنگین صورت اختیار کر لی کیونکہ ماموں خود پکا معتزلی تھا اور اس نے یہ عقائد بہ جبر مسلمانوں پر ٹھونسنے کی کوشش کی۔

مسئلہ خلقِ قرآن

مشہور مسئلہ خلقِ قرآن اسی کے دور کی پیداوار ہے۔ یہ مسئلہ دراصل معتزلہ کے متعلق تجریدی تصور کا ایک حصہ تھا' وہ خدا کی دوسری صفات کی طرح بولنے اور کلام کرنے کی صفت کو بھی حادث سمجھتے تھے۔ لہٰذا قرآن کو قدیم کی بجائے حادث یا مخلوق تسلیم کرنا لازم آتا تھا۔ خلق قرآن کے مسئلہ میں مامون الرشید عام معتزلین سے بھی چار قدم آگے بڑھ گیا تھا۔ علماء اور جمہور اسلام نے مامون کو بدعتی کہنا شروع کر دیا تھا تو اس سے وہ اور بھی متشدد ہو گیا۔ اس نے حاکم بغداد اسحاق بن ابراہیم کو فرمان بھیجا کہ:

① جو لوگ قرآن کو غیر مخلوق سمجھتے ہیں ان کو سرکاری ملازمت سے برطرف کر دیا جائے۔

② ان کی شہادتیں ناقابل اعتماد قرار دی جائیں۔

③ دارالخلافہ کے ممتاز علماء کے خیالات دربارہ خلقِ قرآن قلمبند کر کے میرے پاس بھیجے جائیں۔

چنانچہ حاکم بغداد نے بیس علماء کے بیانات درج کر کے خلیفہ کو بھیجے جن میں سے اکثر علماء نے معتزلی عقائد کی صریحاً نفی کی تھی۔ کچھ نے گول مول جواب دیا۔ مامون ان بیانات پر سخت برہم ہوا اور حکم دیا کہ جو لوگ قرآن کو مخلوق نہ مانیں انہیں فوراً گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دیا جائے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ: یہ فرمان شاہی سن کر کم وبیش سب علماء نے اپنی جان بچانے کی خاطر قرآن کو مخلوق کہہ دیا۔ صرف چار علماء امام احمد بن حنبل' محمد بن نوح' قواریزی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ اپنے اصلی مسلک پر قائم رہے۔ اسحاق حاکم بغداد نے انہیں بوجھل بیڑیاں پہنا کر بغداد کی طرف روانہ کر دیا۔

مقام حیرت ہے کہ مامون جیسا عالی ظرف اور متحمل مزاج انسان اس مسئلہ پر اتنا تنگ خیال اور متعصب ثابت ہوا اور ایک فلسفیانہ خیال کے پیچھے لگ کر اور اس سوال کو مذہبی رنگ دے کر خواہ مخواہ امت میں انتشار پیدا کر دیا۔ وہ قرآن کو غیر مخلوق سمجھنے والوں کو مشرک سمجھتا تھا' چنانچہ اس نے کئی علماء برحق کو اپنے ہاتھ سے اسی مسئلہ کی وجہ سے تہ تیغ کر کے دارالسلطنت کی گلیوں کو رنگین کر دیا۔ جب اسے

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

ان چار آدمیوں کے قافلہ کی روانگی کا علم ہوا تو یک دم جوش و غضب سے بھر گیا۔ وہ اپنی تلوار ہوا میں لہراتا اور قسم کھا کر کہتا تھا کہ میں ان لوگوں کو قتل کیے بغیر نہ چھوڑوں گا۔

سرکاری خدام میں سے ایک شخص امام احمد بن حنبل کا دل سے معتقد تھا۔ وہ کسی طرح اس قافلے کو جا کر ملا اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے صورت حال بیان کی۔ امام صاحب کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہ آئی' البتہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے رحم و مغفرت کی دعا فرمائی' وہ مستجاب ہوئی۔ مامون پر تپ لرزہ کا ایسا شدید حملہ ہوا کہ ہزار کوشش کے باوجود جانبر نہ ہو سکا۔ یہ قافلہ ابھی راستہ ہی میں مقام رقہ پر پہنچا تھا کہ مامون کے انتقال کی خبر آگئی اور یہ لوگ واپس بغداد بھیج دیئے گئے۔

امام موصوف پر دورِ ابتلاء: مامون کے بعد اس کا بھائی معتصم باللہ (۲۱۸۔۲۲۷ھ) تخت نشین ہوا۔ یہ شخص گو علم و ادب سے بیگانہ تھا۔ مگر معتزلی عقائد میں اپنے پیش رو سے بھی زیادہ سخت تھا۔ اس کے عہد کا افسوسناک واقعہ یہ ہے کہ اس نے کئی بار امام صاحب کو کوڑوں سے پٹوایا۔ عموماً روزانہ دس کوڑوں کی سزا دی جاتی۔ اس سے بعض دفعہ امام صاحب بے ہوش بھی ہو جاتے۔ انہی دنوں کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک ڈاکو ابو الہیثم نے بڑی کوشش سے امام احمد رحمہ اللہ سے تنہائی میں ملاقات کی اور آپ سے پوچھا کہ آپ کو یقین ہے کہ آپ حق پر ہیں۔ "امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ میں حق پر ہوں" ابو الہیثم کہنے لگا مجھے دیکھیے! ساری عمر ڈاکہ زنی میں گزری کئی ڈاکے ڈال چکا ہوں اور کئی مرتبہ گرفتار ہوا۔ آج تک اٹھارہ سو کوڑے کھا چکا ہوں۔ لیکن کبھی اپنے جرم کا اعتراف نہیں کیا اور آپ تو حق پر ہیں۔ لہٰذا کوڑوں کے ڈر سے آپ کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آنی چاہئے" امام صاحب زندگی بھر اس ڈاکو کو دعائیں دیتے رہے جس نے ایسے نازک وقت میں ان کے پائے ثبات کو مزید استحکام بخشا۔

امام صاحب کی سزا اور موت کا مسئلہ دراصل ان کی ذات تک محدود نہ تھا۔ عوام الناس کو امام موصوف سے گہری عقیدت تھی۔ لہٰذا حکومت انہیں قتل کر کے بغاوت کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی اور سزا کو قید خانہ اور کوڑوں تک محدود رکھتی تھی۔ مشہور سرکاری اور معتزلی عالم احمد بن ابی داؤد کے امام موصوف سے مناظرے بھی کرائے جاتے اور جب ابن ابی داؤد امام صاحب کے دلائل سے لاجواب ہو جاتا تو بالآخر یہ کہہ کر خلیفہ کو ابھارتا تھا کہ یہ شخص بدعتی اور ہٹ دھرم ہے۔ ادھر عوام الناس کی نظریں امام احمد رحمہ اللہ پر جمی ہوئی تھیں۔ اگر امام صاحب اس مسئلہ میں تھوڑی سی بھی لچک پیدا کر لیتے تو لوگوں کی عام گمراہی کا بھی خطرہ تھا۔ لہٰذا کوڑے کھاتے جاتے تھے اور ساتھ ساتھ کہتے جاتے تھے۔ القران کلام اللہ غیر مخلوق گویا یہ مسئلہ اب امام صاحب کی زندگی اور موت کا مسئلہ نہ تھا۔ بلکہ تمام امت کی ہدایت وضلالت کا مسئلہ بن چکا تھا۔ اگر اس موقعہ پر امام صاحب ہار تسلیم کر لیتے تو اس کا دوسرا نتیجہ یہ بھی نکلتا تھا کہ حکومت وقت عقائد اور دینی امور میں تغیر و تبدل کا حق رکھتی ہے اور یہ بات امام صاحب کو قطعاً گوارا نہ تھی۔ نہ ہی امت کا اجتماعی ضمیر اس کے لئے تیار تھا۔ چنانچہ صراحتاً نہیں تو باتوں باتوں میں لوگ خلیفہ

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

تک اپنے خیالات کا اظہار کر بھی دیتے تھے۔

خلقِ قرآن کی حقیقت اور معتزلہ کا انجام: معتصم کے بعد اس کا بیٹا واثق باللہ (۲۲۷۔۲۳۲ھ) تخت و تاج کا وارث بنا یہ معتزلہ عقائد کی اشاعت میں اپنے باپ سے بھی بڑھ گیا۔ اس کے دور میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا' دربار کا خاص مسخرا ایک دن خلیفہ کے سامنے آیا تو کہنے لگا: "اللہ تعالیٰ امیر المومنین کو قرآن کے بارے میں صبرو جمیل کی توفیق بخشے"

واثق: "خدا تجھے سمجھے! نالائق کیا قرآن کی وفات ہو گئی؟"

مسخرا: "امیر المومنین! آخر کیا چارہ ہے ہر مخلوق پر موت واقع ہونے والی ہے' اور قرآن بھی مخلوق ہے' آج نہیں تو کل یہ حادثہ ہو کر رہے گا۔"

مسخرے کے اس جواب پر واثق سوچ میں ڈوب گیا تو مسخرے نے دوسرا سوال کر دیا اور بڑی سنجیدگی سے کہنے لگا: "امیر المومنین! آئندہ لوگ نماز تراویح میں کیا پڑھا کریں گے؟"

اس طنزیہ سوال نے واثق باللہ کو مسئلہ خلق قرآن کے بارے میں گہری سوچ پر مجبور کر دیا۔ اب وہ اس مسئلہ پر متشدد نہ رہا تھا اور اپنے طور پر "لا ادریت" کے مقام پر آگیا تھا۔ کہ انہی دنوں ایک دوسرا واقعہ پیش آیا۔ ایک نامعلوم بزرگ آیا اور اس نے خلیفہ سے اس مسئلہ پر ابن ابی داؤد سے مناظرہ اور بحث کرنے کی اجازت طلب کی۔ خلیفہ نے اجازت دے دی تو اس سفید ریش بزرگ نے ابن ابی داؤد سے کہا۔

"میں ایک سادہ سی بات کہتا ہوں جس بات کی طرف نہ خدا کے رسول نے دعوت دی نہ ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے' نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے' تم اس کی طرف لوگوں کو بلاتے ہو اور پھر منوانے کے لئے زبردستی سے کام لیتے ہو' اب دو ہی باتیں ہیں ایک یہ کہ ان جلیل القدر ہستیوں کو اس مسئلہ کا علم تھا لیکن انہوں نے سکوت فرمایا تو تمہیں بھی سکوت اختیار کرنا چاہئے اور اگر تم کہو کہ ان کو علم نہ تھا تو گستاخ ابن گستاخ! ذرا سوچ جس بات کا علم نبی اور خلفائے راشدین کو نہ ہوا۔ اس کا علم تمہیں کیسے ہو گیا؟"

ابن ابی داؤد سے اس کا کچھ جواب نہ بن پڑا۔ واثق باللہ وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا اور دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ وہ زبان سے بار بار یہ فقرہ دہراتا تھا۔ "جس بات کا علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کو نہ ہوا' اس کا علم تجھے کیسے ہو گیا؟ مجلس برخاست کر دی گئی۔ اس نے اس بزرگ کو عزت واحترام سے رخصت کیا اور اس کے بعد حضرت امام پر سختیاں بند کر دیں۔

غرض ایسے واقعات نے حالات کا رخ بدل دیا۔ ابن ابی داؤد لوگوں کی نظروں میں گر گیا۔ پھر جب واثق باللہ کے بعد اس کا بھائی متوکل باللہ (۲۳۲۔۲۴۶) تخت نشین ہوا تو اس نے امام موصوف کو باعزت طور پر رہا کر دیا۔ یہ معتزلہ عقائد سے بیزار اور متبع سنت خلیفہ تھا۔ اس طرح اعتزال سے جب حکومت کی پشت پناہی ختم ہوئی جو اس کا آخری سہارا تھا تو یہ فتنہ اپنی موت آپ مر گیا۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

③ عقل کی برتری اور تفوّق

اسلام میں جب بھی کسی گروہ نے اپنے تصورات و نظریات کو داخل کرنا چاہا تو اس نے سب سے پہلے عقل کی برتری اور اس کی فرمانروائی کا چرچا کیا اور کہا کہ چونکہ مروجہ نظریات وخیالات وافکار ذہن انسانی سے مطابقت نہیں رکھتے اس لئے انہیں رد کر کے اس کی جگہ ایسے افکار و نظریات لانا ضروری ہے۔ جو عقل کے عین مطابق ہوں۔ عقل سے مراد وہ نظریات مراد ہوتے ہیں جو اس دور کے غالب رجحانات کی عکاسی کریں۔ معتزلہ نے بھی یونانی افکار و نظریات سے ذہنی طور پر شکست کھا کر یہی کچھ کیا اور عقل کی بنا پر زور دیا کہ شریعت میں فیصلہ کن حیثیت رسول کی بجائے عقل کو حاصل ہو اور انہیں وہ سارے اعمال وتصورات شریعت سے خارج کرنے میں آسانی رہے۔ جو ان کے زعم کے مطابق خلافِ عقل ہیں۔ چنانچہ معتزلہ نے اپنے مخصوص نظریات "عدل" اور "توحید" کی بناء پر پل صراط' میثاق اور معراج کا انکار کیا اور ان ساری احادیث کو رد کر دیا جن میں ان کا ثبوت ملتا ہے۔

عقل کی برتری اور تفوق ان کے عقیدہ کا جزو لاینفک تھا وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے اجتناب کا حکم دیا ہے وہ فی نفسہٖ بری اور انسان کی نظروں میں ناپسندیدہ ہیں۔ اسی طرح جن چیزوں کے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ وہ اس لئے ہے کہ وہ چیزیں فی نفسہٖ اچھی ہیں اور انسانی عقل انہیں پسند کرتی ہے (تجدید مذہب ص ۱۸۰)

عقل کا جائز مقام: قرآن کریم میں بے شمار ایسی آیات وارد ہوئی ہیں جن میں عقل انسانی سے اپیل کی گئی ہے جو وہ کائنات میں بکھری ہوئی لاتعداد اللہ کی نشانیوں میں غور و فکر کرے۔ کبھی انسان کی توجہ ہواؤں کی تصریف وتصرف کی طرف مبذول کرائی گئی ہے تو کبھی سورج' چاند اور ستاروں کی حرکات اور دن رات اور موسم کی تبدیلی کی طرف کبھی نباتات کی روئیدگی اور اس کی مختلف منازل حیات کا ذکر کیا گیا ہے اور کہیں حیوانات کی تخلیق اور ان سے حاصل ہونے والے فوائد کی طرف کبھی عالم آفاق میں قدرت الٰہی پر واضح شواہد کی طرف توجہ کی دعوت دی گئی ہے تو کبھی انسان کے اپنے اندر کی دنیا کی طرف غرض یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ قرآن کریم کا ایک متعدد بہ حصہ ایسی آیات پر مشتمل ہے جن میں انسان کو اپنے اندر اور باہر کی دنیا میں سوچنے' غور و فکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے کہ کس طرح نباتات کا پتہ پتہ' پھولوں کی پنکھڑی' شجر و حجر اور شمس و قمر شہادت دے رہے ہیں کہ وہ قدرت کے مختلف اسرار کا مجموعہ اور خالق کائنات کے علم و حکمت کے واضح شواہد ہیں۔ اس غور و فکر سے انسان کو دو طرح کے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

① پہلا یہ کہ انسان ان کے خواص و تاثیرات معلوم کر کے ان سے فائدہ اٹھائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرمایا:

﴿ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِي ٱلْأَرْضِ ﴾ "جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب تمہارے قابو

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

(لقمان ۳۱/ ۲۰) میں کر دیا ہے۔"

یعنی کائنات کی ہر چیز کو تمہارا تابع فرمان بنا دیا گیا ہے اب اسے کام میں لانا انسان کا اپنا کام ہے اور فائدہ غور و فکر اور عقل کو کام میں لانے ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔

② جب انسان اشیائے کائنات کا تحقیق و تدقیق سے مطالعہ کرتا ہے اور ان میں غرق ہو کر ان کے پوشیدہ اسرار و رموز اور حکمتوں سے آگاہی حاصل کرتا ہے تو یہ باتیں اسے خود خالق کائنات کے وجود اور اس کے محیر العقول علم و حکمت کی طرف واضح نشاندہی کرتی ہیں اور بے اختیار اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلتے ہیں:

﴿ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا ﴾ "اے پروردگار! تو نے اس کائنات کو عبث نہیں پیدا کیا۔"
(آل عمران ۳/ ۱۹۱)

عقل اور ہدایت: آیاتِ الٰہی سے مندرجہ بالا نتائج ماخوذ کرنے کی تائید میں ہم یہاں ایک واقعہ درج کرتے ہیں۔ جو علامہ عنایت اللہ خاں مشرقی کو اس دوران پیش آیا جب وہ انگلستان میں زیرِ تعلیم تھے' وہ کہتے ہیں کہ:

۱۹۰۹ء کا ذکر ہے اتوار کا دن تھا اور زور کی بارش ہو رہی تھی۔ میں کسی کام سے باہر نکلا تو جامعہ چرچ کے مشہور ماہر فلکیات پروفیسر جیمس جینز بغل میں انجیل دبائے چرچ کی طرف جا رہے تھے' میں نے قریب ہو کر سلام کیا تو وہ متوجہ ہوئے اور کہنے لگے: "کیا چاہتے ہو؟" میں نے کہا: "دو باتیں' پہلی یہ کہ زور سے بارش ہو رہی ہے اور آپ نے چھاتا بغل میں داب رکھا ہے۔" سر جیمس جینز اس بدحواسی پر مسکرائے اور چھاتہ تان لیا۔ پھر میں نے کہا: "دوم یہ کہ آپ جیسا شہرہ آفاق آدمی گرجا میں عبادت کے لئے جا رہا ہے؟" میرے اس سوال پر پروفیسر جیمس جینز لمحہ بھر کے لئے رک گئے اور میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: "آج شام میرے ساتھ چائے پیو۔"

چنانچہ میں ۴ بجے شام کو ان کی رہائش گاہ پر پہنچا' ٹھیک چار بجے لیڈی جیمس باہر آ کر کہنے لگیں: "سر جیمس تمہارے منتظر ہیں۔" اندر گیا تو ایک چھوٹی سی میز پر چائے لگی ہوئی تھی۔ پروفیسر صاحب تصورات میں کھوئے ہوئے تھے کہنے لگے "تمہارا سوال کیا تھا؟" اور میرے جواب کا انتظار کیے بغیر' اجرامِ سماوی کی تخلیق' اسکے حیرت انگیز نظام' بے انتہا پہنائیوں اور فاصلوں' ان کی پیچیدہ راہوں اور مداروں' نیز باہمی روابط اور طوفان ہائے نور پر ایمان افروز تفصیلات پیش کیں کہ میرا دل اللہ کی اس کبریائی و جبروت پر دہلنے لگا اور ان کی اپنی یہ کیفیت تھی کہ سر کے بال سیدھے اٹھے ہوئے تھے۔ آنکھوں سے حیرت و خشیت کی دوگونہ کیفیتیں عیاں تھیں۔ اللہ کی حکمت و دانش کی ہیبت سے انکے ہاتھ قدرے کانپ رہے تھے اور آواز لرز رہی تھی۔ فرمانے لگے: "عنایت اللہ خان! جب میں خدا کی تخلیق کے کارناموں پر نظر ڈالتا ہوں تو میری تمام ہستی اللہ کے جلال سے لرزنے لگتی ہے اور

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

جب میں کلیسا میں خدا کے سامنے سرنگوں ہو کر کہتا ہوں: "تو بہت بڑا ہے" تو میری ہستی کا ہر ذرہ میرا ہمنوا بن جاتا ہے۔ مجھے بے حد سکون اور خوشی نصیب ہوتی ہے۔ مجھے دوسروں کی نسبت عبادت میں ہزار گنا زیادہ کیف ملتا ہے' کہو عنایت اللہ خاں! تمہاری سمجھ میں آیا کہ میں کیوں گرجے جاتا ہوں۔"

علامہ مشرقی کہتے ہیں کہ پروفیسر جیمس کی اس تقریر نے میرے دماغ میں عجیب کہرام پیدا کر دیا۔ میں نے کہا: "جناب والا! میں آپ کی روح پرور تفصیلات سے بے حد متاثر ہوا ہوں' اس سلسلہ میں قرآن مجید کی ایک آیت یاد آگئی ہے' اگر اجازت ہو تو پیش کروں؟"

فرمایا: "ضرور!"

چنانچہ میں نے یہ آیت پڑھی:

﴿ وَمِنَ ٱلْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَٰنُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ﴿٢٧﴾ وَمِنَ ٱلنَّاسِ وَٱلدَّوَآبِّ وَٱلْأَنْعَٰمِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَٰنُهُۥ كَذَٰلِكَ ۗ إِنَّمَا يَخْشَى ٱللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ ٱلْعُلَمَٰٓؤُا ﴾

(الفاطر ۳۵/ ۲۷۔۲۸)

"اور پہاڑوں میں سفید اور سرخ رنگوں کے قطعات ہیں اور بعض کالے سیاہ ہیں' انسانوں جانوروں اور چوپایوں کے بھی کئی طرح کے رنگ ہیں۔ خدا سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو صاحبِ علم ہیں۔"

یہ آیت سنتے ہی پروفیسر جیمس بولے: "کیا کہا؟ اللہ سے صرف اہل علم ڈرتے ہیں؟" حیرت انگیز' بہت عجیب' یہ بات جو مجھے پچاس برس کے مسلسل مطالعہ سے معلوم ہوئی' محمد (ﷺ) کو کس نے بتائی؟ کیا قرآن میں واقعی یہ بات موجود ہے؟ اگر ہے تو میری شہادت لکھ لو کہ قرآن ایک الہامی کتاب ہے' محمد (ﷺ) ان پڑھ تھے' انہیں یہ حقیقت خود بخود نہ معلوم ہو سکتی تھی۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے انہیں بتائی تھی۔ بہت خوب! بہت عجیب" [1]

یہ ہیں وہ نتائج جو اشیائے کائنات میں غور وخوض کرنے کے بعد ہی حاصل ہو سکتے ہیں اور جن کی طرف قرآن نے ہر شخص کو دعوت دی ہے۔ اب اس کے برعکس ایک دوسرا واقعہ بھی ملاحظہ فرمایئے:

عقل اور ضلالت: سر چارلس ڈارون (۱۸۰۸۔۱۸۸۲ء) وہ پہلا مغربی مفکر ہے جس نے انسان کی تخلیق کے مسئلہ میں نظریہ ارتقاء کو باضابطہ طور پر پیش کیا وہ کہتا ہے آج سے ۲ ارب سال پیشتر سمندر کے ساحل کے قریب پایاب پانی کی سطح پر کائی نمودار ہوئی۔ پھر اس کائی کے کسی ذرہ میں کسی نہ کسی طرح "حرکت پیدا ہوئی تھی۔ یہی اس دنیا میں زندگی کی پہلی نمود تھی۔ اسی جرثومہ حیات سے بعد میں نباتات اور اس کی مختلف شکلیں وجود میں آئیں۔ پھر حیوانات وجود میں آئے اور بالآخر بندر کی نسل سے انسان پیدا ہوا ہے۔

---

[1] علمِ جدید کا چیلنج۔ مولف وحید الدین خان۔ ص ۲۱۵ تا ۲۱۷

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

ڈارون کی تحقیق و تدقیق اپنے مقام پر بجا اور درست۔ یہ صحیح ہے یا غلط یہ ہم کسی اور مقام پر زیر بحث لائیں گے۔ واقعہ یہ ہے کہ ڈارون پر اس تحقیق و تدقیق کا یہ اثر ہوا کہ وہ بالآخر خدا کا منکر ہو کر مرا تھا۔ ابتداء وہ خدا پرست تھا پھر جب اس نے یہ نظریہ مدون طور پر پیش کیا تو لاادریت کی طرف مائل ہو گیا اور بالآخر خدا کی ہستی سے یکسر انکار کر دیا۔ اسی وجہ سے اس نے یوں کہا تھا کہ اس کائی میں کسی نہ کسی طرح "زندگی پیدا ہو گئی" اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اس وقت خدا کی ہستی کے بارے میں شکوک و شبہات کا شکار تھا ان ہر دو واقعات سے ہم ان نتائج تک پہنچتے ہیں:

① اگر عقل وحی کے تابع ہو کر چلے تو یہ خالق کائنات پر بے پناہ ایمان و یقین کا سبب بنتی ہے۔

② اگر عقل وحی سے بے نیاز ہو کر چلے تو بسا اوقات ضلالت و گمراہی کی انتہائی پہنائیوں میں جا گراتی ہے۔

یہیں سے عقل اور وحی کے مقامات کا تعین ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی عقل انتہائی محدود ہے اور یہ کائنات لامحدود ہے۔ لہٰذا اس کائنات کی ہر چیز کی حقیقت کا ادراک اس عقل ناتمام کے بس کا روگ نہیں۔ عقل کی مثال آنکھ کی طرح ہے اور وحی وہ خارجی روشنی ہے جس کی موجودگی میں عقل صحیح راستہ پر چل سکتی ہے۔ وحی خالق کائنات ہی کے علم و حکمت کا دوسرا نام ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ اشیائے کائنات کی حقیقت کا علم خالق کائنات سے زیادہ اور کون جان سکتا ہے۔ لہٰذا جو عقل وحی کی روشنی سے بے نیاز ہو کر اپنا راستہ تلاش کرے گی وہ ہمیشہ تاریکیوں میں ہی بھٹکتی رہے گی اور یہی کچھ ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک عقل اور اہل عقل کے ساتھ ہوتا رہا ہے اور آئندہ بھی یہی کچھ ہوتا رہے گا۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اس عقل کو جو وحی کی روشنی سے فائدہ نہیں اٹھاتی حیوانی سطح کی عقل سے بھی فروتر قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴾ (الأنفال۸/ ۲۲)

یقیناً اللہ کے نزدیک سب سے بدتر حیوان وہ (انسان) ہیں جو کچھ سمجھتے ہی نہیں۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ﴾ (الأعراف۷/ ۱۷۹)

"اور ہم نے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لئے پیدا کیے ہیں۔ ان کے دل ہیں لیکن ان سے سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں پر ان سے سنتے نہیں۔ یہ لوگ چارپایوں کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے بھی بھٹکے ہوئے یہی لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔"

اس آیت کا ابتدائی حصہ بتا رہا ہے کہ اس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو وحی الٰہی پر ایمان نہیں لاتے ان کی عقل محض حیوانی سطح پر ہے۔ بلکہ اس سے بھی کم تر کیونکہ وہ عقل و شعور رکھنے کے باوجود وحی کی

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

روشنی سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔

عقل کا دائرہ کار: بلا شبہ دین کے انتخاب کے بارے میں عقل کو حق دیا گیا ہے کہ وہ اس کے اصول ومبادیات کی جانچ اور تحقیق کرے پھر چاہے تو اسے قبول کرے اور چاہے تو رد کردے کیونکہ دین کے اختیار کرنے میں کوئی مجبوری نہیں لیکن دین کو قبول کرنے کے بعد عقل کو ہرگز یہ حق نہیں دیا گیا کہ وہ اس کے اہم اور بنیادی عقائد ونظریات جو وحی کی صورت میں اسے ملے ہیں پر ہی ہاتھ صاف کرنا شروع کر دے بلکہ اسے اب وحی کے تابع ہو کر چلنا چاہئے اور یہ اتباع اندھی عقیدت کے طور پر نہیں بلکہ علی وجہ البصیرت ہونا چاہئے۔ لہٰذا ہمارے خیال میں عقل کے کام مندرجہ ذیل قسم کے ہونے چاہئیں:

① وحی کے بیان کردہ اصول واحکام کے اسرار اور حکمتوں کی توضیح وتشریح۔

② احکام کے نفاذ کے عملی طریقوں پر زمانہ کے حالات کے مطابق غور کرنا اور پیش آمدہ رکاوٹوں کو دور کرنا۔ مثلاً وحی نے اگر سود کو حرام کر دیا ہے تو عقل کا کام یہ ہونا چاہئے کہ وحی کی حدود کے اندر اس کو ختم کرنے کے لئے حل پیش کرے۔ پھر اگر عقل سود یا اس کی بعض شکلوں کو حرام سمجھنے کے بجائے اس کو حلال بنانے کے حیلے سوچنے لگے تو عقل کے استعمال کا یہ رخ قطعاً صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ نص یا کتاب وسنت کے واضح احکام کی موجودگی میں اجتہاد یا بالفاظ دیگر عقل کا استعمال قطعاً حرام ہے۔

③ موجودہ دور کے نظریات کے مقابلہ میں وحی کے نظریات کی برتری ثابت کرنا اور ان کو مدلل طور پر پیش کرنا اور اگر موجودہ نظریات سے عقل خود مرعوب ہو کر وحی میں کانٹ چھانٹ اور اس کی دور از کار تاویلات کر کے اس کے واضح مفہوم کو بگاڑنے کی کوشش کرے گی تو اس کا یہ کام دین میں تحریف شمار کیا جائے گا۔

④ تحریف شدہ ادیان پر اسلام کی برتری اور فوقیت کو دلائل سے ثابت کرنا اور بیرونی حملوں کا دفاع کرنا۔

⑤ نفس وآفاق کی وہ آیات جن میں غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے۔ ان میں تحقیق وتفتیش کر کے انہیں آگے بڑھانا اور ان سے مطلوبہ فوائد حاصل کرنا جن کی پہلے وضاحت کی جا چکی ہے۔

یہ اور اس جیسے کئی دوسرے کام ہیں جن میں عقل سے کام لیا جا سکتا ہے۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر سے فرمایا کہ اعلان کر دیجئے کہ:

﴿ قُلْ هَٰذِهِۦ سَبِيلِىٓ أَدْعُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ ۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا۠ وَمَنِ ٱتَّبَعَنِى ۖ وَسُبْحَٰنَ ٱللَّهِ وَمَآ أَنَا۠ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴿١٠٨﴾ ﴾ (یوسف ۱۲/۱۰۸)

"کہہ دیجئے کہ میرا راستہ تو یہ ہے کہ میں اور میرے پیروکار خدا کی طرف سمجھ بوجھ کی بنیاد پر دعوت دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پاک ہے اور میں مشرکوں سے نہیں۔"

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

عقل کی ناجائز مداخلت: پھر وہ لوگ جو ذہنی طور پر جدید فلسفہ یا سائنسی نظریات سے مرعوب ہو جاتے ہیں۔ محض اس لئے کہ وحی اس کے ہمنوا نہیں ہوتی تو وہ وحی سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔ ان کے متعلق فرمایا:

﴿ بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ﴾ (یونس ۱۰/ ۳۹)

"بلکہ جس چیز کے علم پر یہ قابو نہ پا سکے اس کو جھٹلا دیا حالانکہ ابھی اس کی حقیقت ان پر کھلی ہی نہیں اسی طرح ان سے پہلے لوگ بھی جھٹلاتے رہے۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ سائنس کے نظریات ہر دور میں بدلتے رہتے ہیں۔ ایک دور میں ایک نظریہ قبول عام کا شرف حاصل کرتا ہے تو تھوڑی مدت کے بعد اس کی تردید شروع ہو جاتی ہے۔ پھر ایک تیسرا نظریہ سامنے آتا ہے۔ اب بتائیے کہ وحی آخر کون سے نظریہ کا ساتھ دے؟ اور کیا باقی ادوار میں اس کو جھٹلا دیا جائے؟ اس بات کو ہم ایک مثال سے واضح کرنا چاہتے ہیں۔

ساتویں صدی قبل مسیح تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ زمین ساکن ہے اور سورج اس کے گرد حرکت کر رہا ہے۔ یونان کے ایک مفکر فیثا غورث (۵۹۰۔ ق م) نے یہ نظریہ پیش کیا کہ زمین ساکن نہیں بلکہ متحرک ہے جو سورج کے گرد چکر کاٹ رہی ہے اور سورج اپنی جگہ پر ساکن (ثابت) ہے۔ فیثا غورث کا یہ نظریہ یونان میں اتنا مقبول ہوا کہ اس کی باقاعدہ درس و تدریس شروع ہو گئی۔ بعد ازاں چوتھی صدی ق م میں یونان ہی کے ایک دوسرے مفکر بطلیموس نے اس نظریہ کی تردید کی۔ بطلیموس علم ہندسہ' ہیئت اور نجوم میں یکتائے روزگار تھا اور اس نے اجرامِ فلکی کی تحقیقات کے لئے ایک رصد بھی تیار کی تھی۔ بطلیموس کے نظریہ کے مطابق مزید کو ساکن اور مرکز چار کرے اور سات آسمان اور ان پر سات سیارے' آٹھواں فلک ثوابت' آسمان کے بارہ برج یہ سب اسی نظریہ کے اجزاء ہیں۔ بطلیموس کے پیش رو ارسطو اور برخس بھی اسی نظریہ کے قائل تھے۔ بطلیموس کا نظریہ چار دانگ عالم میں بہت مشہور ہوا۔ مصر' یونان' ہند اور یورپ میں پندرہویں صدی عیسوی تک اسی نظریہ کی تعلیم دی جاتی رہی اور ۱۸۰۰ سو سال تک یہ نظریہ دنیا بھر میں مقبول رہا۔ جب قرآن نازل ہوا تو اس وقت یہی نظریہ درست سمجھا جاتا تھا بعد ازاں کوپرنیکس (۱۴۷۳۔۱۵۴۳ء) نے سولہویں صدی عیسوی میں زمین کی محوری گردش کا بھی اور سورج کے گرد سالانہ گردش کا بھی تصور پیش کیا بعد ازاں ایک اور ہیئت دان ٹیکو براہی نے کوپرنیکس کے نظریہ کو رد کر دیا اور کوپرنیکس کے نظریہ کی حمایت کی بجائے پہلے نظریہ بطلیموس کو صحیح قرار دیا۔ بعد ازاں اٹلی کے ایک مفکر گیلیلیو (۱۵۶۴۔۱۶۴۲ء) نے زمین کو مرکز تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کوپرنیکس کے نظریہ کی حمایت کی چنانچہ پادریوں نے اسے مذہب کے خلاف مسائل قرار دے کر اسے مجرم گردانا اور وہ جیل میں ڈال دیا گیا۔ پھر ایک سال بعد رہائی ہوئی۔ بعد ازاں سر آئزک نیوٹن (۱۶۴۲۔۱۷۲۷ء) نے کوپرنیکس کے نظریہ کو درجہ تحقیقات پر پہنچایا۔ چنانچہ آج دنیا بھر میں یہی نظریہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ جو فیثا غورث کے نظریہ کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ فیثا غورث نے جہاں یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ سورج ساکن (ثابت سیارہ) ہے اور ہماری زمین اور

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

کئی دوسرے سیارے اس کے گرد چکر کاٹ رہے ہیں۔ وہاں اس نے یہ نظریہ بھی پیش کیا تھا کہ اس وسیع کائنات میں سورج کی طرح کے اور بھی کئی سیارے موجود ہیں اور یہ عین ممکن ہے کہ یہ ثابت سیارے بھی اپنے خاندان سمیت کسی بہت بڑے ثابت سیارے (ثابت الثوابت یا شمس الشموس) کے گرد چکر کاٹ رہے ہوں چنانچہ موجودہ دور کے ہیئت دانوں سے بھی اسی قسم کی صدائے بازگشت سنائی دے رہی ہے۔

اب دیکھیے قرآن کریم میں ہے:

﴿ وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ﴾ (یٰس ۳۶/ ۳۸)

"اور سورج اپنے مقرر راستے پر چلتا رہتا ہے۔" (فتح محمد جالندھری)

"اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف بڑھ رہا ہے۔" (تفہیم القرآن)

لہٰذا جدید نظریات صرف اسی صورت میں قابل قبول سمجھے جائیں گے جب کہ وہ وحی سے مطابقت رکھتے ہوں۔ بصورت دیگر ان نظریات کا یا تو بہ دلائل بطلان کرنا چاہیئے یا ان کی ایسی معقول توجیہ پیش کرنی چاہیئے جس سے قرآنی ارشادات پر حرف نہ آئے مثلاً سورج کی اپنے گرد محوری گردش یا کسی دوسرے بڑے ثابتہ کے گرد گردش' دونوں صورتوں میں سورج کی حرکت ثابت ہوتی ہے۔ اور اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم اس وقت کا انتظار کرنا چاہیئے جب کہ یہ نظریہ وحی کے مطابق ہو جائے اور بالآخر یہ نظریہ سائنٹیفک تحقیقات کے بعد وحی کے مطابق ہونا لازم ہے کیونکہ وحی ایک حقیقت ہے اور نظریات انسان کی محدود عقل کا کرشمہ اور یہی لَمَّا يَاتِهِمْ تَاوِيلُهُ کا صحیح مطلب ہے۔

اپنے دور کی علمی سطح: بعض لوگ انہی جدید نظریات سے مرعوب ہو کر قرآن میں تاویل و تحریف یا نئی تعبیر پیش کر کے بزعم خود قرآن کو اپنے علمی دور کی سطح کے مطابق لانے کی کوشش میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ ہمارے خیال میں یہ کوئی دینی خدمت نہیں ہوتی بلکہ اس سے الحاد اور ذہنی انتشار کی راہیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اب اگر ہر دور کے مفکر قرآن اپنے اپنے دور کی علمی سطح کے مطابق لا کر نئی نئی تعبیریں پیش کرنے لگ جائیں تو قرآن کے معانی و مطالب کا جو حشر ہو گا۔ اسکا آسانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ معتزلین کسی سائنسی نظریہ سے نہیں بلکہ یونانی فلسفہ سے شدید متاثر تھے' ایک انگریز مصنف انکے متعلق لکھتا ہے:

"معتزلہ کی عقلیت کا اسلام کے نظام فکر میں جذب ہونا دشوار تھا' اگر اعتزال کی تحریک کامیاب ہو جاتی تو اسلامی ثقافت انتشار اور برہمی کا شکار ہو جاتی اور اسلام کو اس سے ناقابل تلافی نقصان پہنچتا۔" [1]

---

[1] جب کہ طلوع اسلام معتزلین کے متعلق یوں لکھتا ہے کہ "اگر مسلک اعتزال باقی رہتا تو یہ جمود و تعطل جو آج مسلمانوں میں نظر آرہا ہے وجود میں نہ آتا اور علم و فکر کی دنیا میں مسلمان آج ایسے مقام پر کھڑے ہوتے جہاں ان کا کوئی مقابل نہ ہوتا" (طلوع اسلام ص ۳۰ جولائی ۱۹۵۵ء)

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

انکی علمی کاوشوں نے راسخ العقیدہ مسلمانوں کو بھی کسی حد تک اپنا ہمنوا بنالیا تھا لیکن جب معتزلہ کی انتہا پسند جماعتوں نے اسلامی عقائد کو یونانی تصورات کے سانچے میں ڈھالنا شروع کیا اور قرآن کی بجائے اپنے دینی عقائد یونانی فلسفہ سے اخذ کرنا شروع کیے تو آخر الذکر طبقہ نے انکا ساتھ چھوڑ دیا۔" (ماخوذ از ایچ۔اے۔ار۔ گب)

معتزلہ کے زوال کے اسباب

ہم دیکھ چکے ہیں کہ اِعتزال کا فتنہ محض دولت عباسیہ کی پشت پناہی کے سہارے تقریباً سوا سو سال تک زندہ رہا۔ ورنہ امت کا اجتماعی ضمیر دین کے سادہ اصولوں کے مقابلہ میں ایسے فلسفیانہ عقائد کو گوارا کرنے کیلئے کسی وقت بھی تیار نہ ہوا۔ تاہم بنظر غائر دیکھا جائے تو اس فرقہ کے زوال کے درج ذیل اسباب نظر آتے ہیں:

① محدثین کرام کا زبردست تحقیقی کام جس نے مسلمانوں کے تمام سوچنے والے لوگوں کو مطمئن کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت جن روایات سے ثابت ہے وہ ہرگز مشتبہ نہیں بلکہ نہایت معتبر ذرائع سے امت کو پہنچی ہیں۔ اور ان کو مشتبہ روایات سے الگ کرنے کے بہترین علمی ذرائع موجود ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ جہم واعتزال اور خوارج کے فتنوں' وضعی روایات کی کثرت اور انکار حدیث کے عام میلان نے ہی علمائے دین کو احادیث کی تحقیق اور چھان پھٹک' راویوں پر جرح وتعدیل کے فن کو وجود میں لانے کی ضرورت کا شدید احساس دلایا۔ بمصداق ؎

عدو شرے برانگیزد کہ خیر مادراں باشد

فن رجال کے امام اور معتبر مورخین نے اسی تیسری صدی ہجری میں اپنے اپنے کارہائے نمایاں سر انجام دیئے جن کی بناء پر امت نے وضعی روایات اور غیر اسلامی نظریات کو علی وجہ البصیرت رد کر دیا۔

② علمائے دین نے قرآن کی ہی تصریحات سے یہ ثابت کر دیا کہ رسول اکرم کی حیثیت محض ایک "نامہ بر" کی نہیں تھی جیسا کہ یہ لوگ ثابت کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ آپ ﷺ کو خدا نے معلم رہنما' مفسر قرآن' شارع قانون' قاضی اور حاکم بھی مقرر کیا تھا۔ لہٰذا جو شخص آپ کی پیروی سے آزاد ہو کر قرآن کی پیروی کا دعوی کرتا ہے وہ فی الحقیقت قرآن کا پیروکار نہیں ہو سکتا۔ ان لوگوں کی قرآنی تاویلات بھی کھل کر لوگوں کے سامنے آچکی تھیں۔ جو ایک دوسرے سے یکسر مختلف اور متضاد تھیں۔ لوگوں نے دیکھ لیا تھا کہ اگر قرآن سے سنت کا تعلق ختم کر دیا جائے تو دین کا حلیہ کس بری طرح سے بگڑ جاتا ہے۔

③ امت کا اجتماعی ضمیر یہ تصور بھی اپنے ذہن میں نہ لا سکتا تھا کہ مسلمان رسول ﷺ کی پیروی سے آزاد بھی ہو سکتا ہے۔ جو آج تک امت مسلمہ میں متوارث چلی آرہی تھی۔ چند سر پھرے انسان تو ہر زمانہ اور ہر قوم میں ایسے نکل سکتے ہیں جو ایسی باتوں میں ہمنوا بن جائیں۔ لیکن پوری امت کا سر پھرا ہو جانا مشکل ہے۔ چنانچہ امت مسلمہ اس بات پر قطعاً آمادہ نہ ہو سکی کہ زندگی کا ایک نیا نظام ایسے لوگوں کے ہاتھوں سے بنوایا جائے جو دنیا کے مادی فلسفہ اور تخیل سے مرعوب ہو کر اسلام کا ایک جدید ایڈیشن پیش کرنا چاہتے تھے۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

④ اعتزال کی تحریک کو حکومت عباسیہ کی حمایت حاصل تھی۔ لیکن امت کے اجتماعی تاثر سے خلیفہ واثق باللہ خود بھی متاثر ہو چکا تھا۔ رہی سہی کسر اس مناظرہ نے نکال دی جس نے اس کے ذہن کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ بعد میں جب خلیفہ متوکل علی اللہ نے اعتزال کی جانب سے اپنا منہ موڑ لیا تو یہ تحریک اپنی موت آپ مر گئی۔

نتائج

جہم واعتزال کی تحریک کے مطالعہ کے بعد مندرجہ ذیل نتائج واضح طور پر سامنے آتے ہیں:

① جب کبھی اسلام میں نئے نظریات کو داخل کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے تو وہ بالعموم اس دور کے غالب رجحانات سے ذہنی' شکست خوردگی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ خواہ یہ نظریات فلسفہ سے تعلق رکھتے ہوں یا سائنس سے۔

② ان نظریات کو تسلیم کروانے کے لئے عقل کی برتری اور تفوق کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے۔ عقل کی برتری و تفوق جہم واعتزال دونوں کے عقیدہ کا اہم جزو تھا۔

③ ان نظریات کی پہلی زد احادیث اور بالخصوص خبر واحد پر پڑتی ہے۔ جن میں طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا کر کے انہیں ظنی اور ناقابل اعتماد قرار دیا جاتا ہے' کیونکہ یہی احادیث نئے نظریات کو اسلامی عقائد میں داخل کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہوتی ہیں۔ امام ابن تیمیہ ان لوگوں کے متعلق لکھتے ہیں:

"یہ لوگ آنحضرت ﷺ کی احادیث کو اس لئے نہیں مانتے کہ وہ احاد ہیں اور ان سے علم حاصل نہیں ہوتا اور ذہنی خیالات اور باطل شبہات کو قبول کر لیتے ہیں۔ جو معتزلہ جہمیہ اور فلاسفہ سے منقول ہیں اور ان کا نام براہین عقلیہ رکھ لیتے ہیں۔" (صواعق۔ جلد ۲ ص ۲۷۵ بحوالہ جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث ص ۲۱۹) اس لئے معتزلہ قانون اسلامی کے ماخذ میں سے حدیث اور اجماع کو قریب قریب ساقط کر دیتے ہیں۔" (الفرق بین الفرق ص ۱۲۷ بحوالہ خلافت وملوکیت ص ۲۱۹)

پھر جہم واعتزال چونکہ مسئلہ تقدیر میں متضاد خیالات رکھتے ہیں۔ لہٰذا جو احادیث جہم کے نزدیک مردود تھیں۔ وہی اعتزال کے نزدیک صحیح ترین تھیں۔ اسی طرح جو احادیث معتزلہ کے ہاں ناقابل قبول تھیں۔ وہی جہمیہ کے ہاں قابل قبول تھیں اور دونوں عقلی دلائل سے ان احادیث کو رد وقبول کا شرف بخشتے تھے۔

④ حدیث کی حجیت سے انکار کے بعد قران کی من مانی تاویلات کی گنجائش نکل آتی ہے۔ لیکن یہاں بھی متضاد نظریات کے باعث یہی صورت حال تھی۔

⑤ حدیث کی حجیت سے انکار اور قران کی تاویل لازم وملزوم ہوتی ہے۔ جو شخص حدیث سے انکار کرے گا تو وہ لازمی طور پر قرآن کی کوئی نئی توجیہ بھی پیش کرے گا۔ جو اس کے خیالات ونظریات کی آئینہ دار ہوگی۔ نیز یہ توجیہ حقیقتاً قرآن کی تحریف ہوگی لہٰذا حدیث کی حجیت سے انکار کے اصلی محرک وہ عجمی تصورات ونظریات ہوتے ہیں جنہیں کوئی مسلمان اسلامی نظریات سے زیادہ سائنٹیفک اور برتر سمجھتا ہے۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

باب: سوم

عجمی تصورات کا دوسرا دَور

بیرونی فلسفوں اور غیر اسلامی نظریات کا دوسرا دور تیرہویں صدی ہجری یا انیسویں صدی عیسوی میں شروع ہوا لیکن دوسری صدی ہجری کی بہ نسبت اب حالات بہت مختلف تھے۔ اس وقت مسلمان فاتح تھے اور انہیں سیاسی غلبہ حاصل تھا اور جن فلسفوں سے انہیں سابقہ پیش آیا تھا وہ مفتوح ومغلوب قوموں کا فلسفہ تھا۔ اس وجہ سے ان فلسفوں کا حملہ بہت ہلکا ثابت ہوا۔ اس کے برعکس تیرہویں صدی ہجری میں یہ حملہ ایسے وقت میں ہوا جب کہ مسلمان ہر میدان میں پٹ چکا تھا۔ اس کے ملک پر دشمنوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ معاشی حیثیت سے انہیں کچل ڈالا گیا تھا۔ ان کا نظام تعلیم درہم برہم ہو چکا تھا اور ان پر فاتح قوم نے اپنی تعلیم اپنی تہذیب' اپنی زبان' اپنے قوانین اور اپنے اجتماعی' سیاسی اور معاشی اداروں کو پوری طرح مسلط کر رکھا تھا۔ ایسے حالات میں فاتحوں کے فلسفے اور سائنس نے ان کو معتزلہ کی نسبت ہزار درجہ زیادہ مرعوب کر دیا۔ انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ مغرب سے جو افکار ونظریات درآمد ہو رہے ہیں' وہ سراسر معقول ہیں ان پر اسلام کے نقطہ نظر سے تنقید کر کے حق وباطل کا فیصلہ کرنا محض تاریک خیالی ہے اور زمانہ کے ساتھ چلنے کی صورت بس یہی ہے کہ اسلام کو کسی نہ کسی طرح ان کے مطابق ڈھال لیا جائے۔

اس شکست خوردہ ذہنیت نے وہی پہلی معتزلہ والی سہ گونہ ٹیکنیک استعمال کی یعنی:

① احادیث کو جہاں تک ہو سکے مشکوک اور ظنی قرار دیا جائے اور مفسرین پر الزام لگایا جائے کہ وہ اسرائیلی روایات سے استفادہ کرتے ہیں۔

② سنت کے حجت یا سند ہونے سے انکار کر دیا جائے اور اس کے بعد۔

③ قرآن کی من مانی تاویلات کے لئے راستہ صاف کر لیا جائے۔

لیکن آج اس ٹیکنیک کو استعمال کرنے کی صورت وہ نہیں جو معتزلہ کے دور میں تھی۔ معتزلین خود ذی علم لوگ تھے۔ عربی زبان وادب میں بڑا پایہ رکھتے تھے اور ان کو سابقہ بھی ایسے لوگوں سے پڑا تھا جن کی علمی زبان عربی تھی۔ عام لوگوں کا تعلیمی معیار بلند تھا۔ علمائے دین ہر طرف بکثرت موجود تھے لہٰذا معتزلین

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

بہت سنبھل کر بات کرتے تھے۔ مگر آج کا دور ایسا ہے کہ معترضین کے علم دین کا سرمایہ بیشتر مستشرقین مغرب کا مرہون منت ہے اور عوام کی علمی سطح انتہائی پست ہے لہٰذا آج کا حملہ بھی معتزلین کے حملہ سے دوگونہ وجوہ کی بنا پر شدید تر ہے۔

سرسید احمد خاں

اس دور کے سرخیل سرسید احمد خان (۱۸۱۷-۱۸۹۸ء) ہیں آپ نے مغرب میں ہی اعلیٰ تعلیم حاصل کی، مغربی افکار و نظریات سے شدید متاثر تھے اور مسلمانوں کی بھلائی اسی بات میں سمجھتے تھے کہ وہ مغربی علوم سے آراستہ ہوں اور اس تہذیب کو جوں کا توں اپنالیں۔ اس غرض کے لئے آپ نے دوگونہ اقدامات کیے ایک تو ۱۸۷۷ء میں علی گڑھ مسلم کالج کی داغ بیل ڈالی۔ دوسرے اسی دور میں قرآن کریم کی تفسیر لکھ کر اپنے نظریات کو کھل کر قوم کے سامنے پیش کیا۔ اس دوگونہ اقدام سے آپ نے مسلمانوں کی نئی نسل کے ذہن میں مغربی افکار و نظریات بھرنے اور مسلمات اسلامیہ کا حلیہ بگاڑنے کی جو خدمات انجام دیں اس پر کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

آنچ گم ہر طرف دھواں ہی دھواں　　وائے بر سعی سید احمد خاں!!

یہ وہ دور تھا جب یورپ صرف اس بات کو ماننے پر تیار تھا جو عقل و تجربہ کی کسوٹی پر پرکھی جا سکتی ہو۔ بالفاظ دیگر کوئی ایسی بات جو مافوق الفطرت (Supper Natural) یا خارق عادت ہو۔ اہل مغرب کے ہاں ناممکن الوقوع اور خلاف عقل سمجھ کر رد کر دی جاتی تھی۔

دوسری سر چارلس ڈارون (۱۸۰۹ - ۱۸۸۲ء) کا نظریہ ارتقاء بھی منظر عام پر آ چکا تھا۔ یہ سوال ڈارون سے پہلے بھی پیدا ہو چکا تھا کہ آیا انسان اولاد ارتقاء ہے۔ یا اس کی پیدائش کسی دوسری نوعیت سے ہوئی تھی۔ ڈارون نے ۱۸۵۹ء میں ایک کتاب اصل الانواع (Origin of Spicies) لکھ کر یہ نظریہ مدون طور پر پیش کیا کہ انسان اولاد ارتقاء ہے۔

تیسرے یہ دور خالص مادیت پرستی کا دور تھا۔ ہر کام کے زیبا و نازیبا ہونے کا معیار دنیوی نفع و نقصان بن گیا تھا۔ علاوہ ازیں اس تہذیب نو نے مساوات مرد و زن کا نعرہ لگا کر کئی قسم کے عائلی مسائل کھڑے کر دیئے تھے جو اسلامی تعلیمات سے براہ راست ٹکراتے تھے۔

چونکہ سرسید ان تمام افکار و نظریات سے شدید متاثر تھے، لہٰذا آپ نے:

① انبیاء کے معجزات سے یا تو سرے سے انکار ہی کر دیا یا ایسی تاویل پیش کی کہ وہ معجزہ ہی نہ رہے۔ خواہ یہ تاویل بجائے خود کتنی ہی غلط اور مضحکہ خیز کیوں نہ ہو۔

② معجزات کے علاوہ باقی خوارق عادت باتیں جو قرآن میں مذکور ہیں۔ ان میں بھی ایسی ہی تاویلات پیش کیں۔ مثلاً دعا کی قبولیت یا جنت دوزخ کی بعض کیفیات۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

③ ڈارونی نظریہ ارتقاء سے متاثر ہو کر حضرت آدم کے فرد واحد یا نبی ہونے سے انکار کر دیا۔ نیز فرشتوں اور ابلیس کے خارجی تشخص سے بھی جس سے ایمان بالغیب کے بہت سے اجزاء پر زد پڑتی ہے۔

④ مسائل حاضرہ پر قلم اٹھا کر موجودہ تہذیب سے ہم آہنگی میں اسلامی عقائد و نظریات کا حلیہ بگاڑ دیا۔

ہم یہاں انہی باتوں کو زیر بحث لائیں گے۔ آپ نے چند در چند رسائل لکھ کر اپنے مخصوص نظریات امت کے سامنے پیش کیے۔ اس "ماڈرن اسلام" کی غرض وغایت کا اندازہ آپ کی ایک تقریر کے درج ذیل اقتباسات سے ہوتا ہے۔

جدید علم کلام کی ضرورت اور خصوصیات :

اس زمانہ میں ایک جدید علم کلام کی ضرورت ہے جس سے یا تو ہم علوم جدیدہ کو باطل ثابت کر دیں یا پھر انہیں اسلام کے مطابق کر دکھائیں۔ میرے نزدیک جو لوگ ایسا کرنے کے لائق ہیں اور وہ پوری کوشش' حال کے علم طبیعی وفلسفہ کے مسائل کو اسلامی مسائل سے تطبیق دینے یا ان کا بطلان ثابت کرنے میں کوشش نہ کریں گے۔ وہ سب گنہگار اور یقیناً گنہگار ہوں گے۔" (پاکستان کا معمار اول سرسید ص:۵۵ مطبوعہ طلوع اسلام لاہور)

مندرجہ بالا اقتباس سے واضح ہے کہ سید صاحب کے خیال میں:

① موجودہ علوم طبیعی اور فلسفہ کا یا تو بطلان ثابت کرنا یا پھر انہیں اسلام کے مطابق دکھانا ایک بہت بڑا دینی فریضہ ہے۔

② جو لوگ اہلیت ہونے کے باوجود ان دونوں میں سے کوئی ایک کام بھی نہیں کرتے وہ گنہگار ہیں۔

اور سید صاحب نے اس گناہ سے بچنے اور دینی فریضہ کو انجام دینے کے لئے اس کام کا بیڑہ اٹھایا۔ وہ علم طبیعی یا فلسفہ کو باطل تو ثابت نہ کر سکے۔ البتہ بزعم خود انہیں اسلام کے مطابق کر دکھایا لیکن ہمیں افسوس ہے کہ علم طبیعی اور فلسفہ کو اسلام کے مطابق ثابت کرنے کی بجائے اپنی تمام تر کوششیں اور اہلیتیں الٹا اسلام کو علم طبیعی وفلسفہ کے مطابق کرنے میں صرف کر دیں۔ اس اہم کام کے لئے جو طریق کار انہوں نے اختیار کیا وہ بھی درج ذیل اقتباس سے واضح ہے:

حدیث اور فقہ سب ناقابل حجت ہیں :

"اسلام کے متعارف مجموعہ میں سے وہ حصہ جس کو تمام مسلمان فہم من اللہ سمجھتے ہیں اور جس کی نسبت یقین رکھتے ہیں کہ وہ جس طرح خدا کی طرف سے نبی آخر الزمان کے دل میں القا ہوا ہے اسی طرح نبی (ﷺ) کے ہاتھوں ہاتھ ہم تک پہنچا ہے۔ صرف وہی حصہ اس بات کا استحقاق رکھتا ہے کہ اس میں جو بات مسائل فلسفہ اور حکمت کے خلاف معلوم ہو اس میں اور مسائل حکمت میں تطبیق کی جائے یا مسائل حکمیہ کی غلطی ثابت کی جائے۔ پس انہوں نے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

ہے۔ حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ [1] کہہ کر اپنے جدید علم کلام کا موضوع اور اسلام کا حقیقی مصداق صرف قرآن مجید کو قرار دیا اور اس کے سوا تمام مجموعہ حدیث کو اس دلیل سے کہ ان میں کوئی حدیث مثل قرآن کے قطعی الثبوت نہیں ہے اور تمام علماء و مفسرین کے اقوال و آراء اور تمام فقہاء و مجتہدین کے قیاسات واجتہادات کو اس بنا پر کہ ان کے جواب وہ خود علماء و مفسرین اور فقہاء و مجتہدین ہیں نہ کہ اسلام' اپنی بحث سے خارج کر دیا۔ اسی اصول کو ملحوظ رکھ کر سرسید نے قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔" (حیات جاوید بحوالہ پاکستان کا معمار اول ص:۵۷)

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے مجوزہ "کار عظیم" کے راستے میں تمام مجموعہ احادیث تمام علماء و مفسرین کے اقوال و آراء اور تمام فقہاء و مجتہدین کے قیاسات واجتہادات ہی سب سے بڑی رکاوٹ تھے لہٰذا آپ نے ان تمام چیزوں میں سے کسی ایک کو بھی درخور اعتنا نہیں سمجھا اور ان سب سے بے نیاز ہو کر قرآن کی تفسیر کی طرف متوجہ ہوئے۔ قرآن کے متعلق آپ کا نظریہ درج ذیل اقتباس سے ظاہر ہے:

قرآن اور نیچر:

"ضروری تھا کہ قرآن مجید کی ہدایتیں اس طرح بیان کی جائیں کہ اس سے ایک صحرائی اونٹ چرانے والا بدو اور ایک اعلیٰ درجہ کا حکیم سقراط برابر فائدہ اٹھائیں۔ قرآن مجید ہی ایسا کلام ہے جس میں یہ صفت موجود ہے اور جس کے مختلف درجوں بلکہ متضاد حیثیتوں کے لوگوں کی یکساں ہدایت ہوتی ہے ایک جاہل بدو' ایک مقدس مولوی اس کے معانی سے جیسے ہدایت پاتا ہے اور کسی لفظ کو نیچریا فلسفہ کے خلاف نہیں پاتا۔" (حیات جاوید بحوالہ پاکستان کا معمار اول ص:۵۸)

اس اصول سے کسی کو بھی اختلاف کی گنجائش نہیں لیکن ہدایت حاصل کرنے کے لئے قرآن کریم نے خود ہی ایک اور شرط بھی عائد کی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يُضِلُّ بِهِۦ كَثِيرًا وَيَهْدِى بِهِۦ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِۦٓ إِلَّا ٱلْفَٰسِقِينَ ﴿٢٦﴾ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۶)

خدا اس سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت بخشتا ہے اور وہ گمراہ بھی کرتا ہے تو نافرمانوں ہی کو۔

یعنی قرآن واقعی سب کے لئے ہدایت ہے مگر جو قلب سلیم کے ساتھ اس سے ہدایت حاصل کرنا چاہے اور جس کا دل کجرو اور فاسق نہ ہو جو قرآن کی روشنی کے تابع ہو کر چلنا چاہے نہ کہ قرآن کو اپنے قلب وذہن کے تابع کرنا چاہے۔ سارے بدّو یا مولوی یا ہر زمانہ کے سقراط اس سے ہدایت ہی نہیں پاتے۔ بیشتر گمراہ بھی ہو جاتے ہیں اور مشاہدہ بھی اس بات کی تائید وتوثیق کرتا ہے۔ کہ اکثر گمراہ فرقوں اور مذاہب باطلہ کے بانی انتہا درجہ کے ذہین وفطین قسم کے لوگ ہوتے ہیں لہٰذا یہ اصول ہی سرے سے غلط ہے کہ

---

[1] حسبنا کتاب اللہ پر تفصیلی بحث الگ مضمون کی صورت میں آگے آرہی ہے۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

قرآن ہر فلاسفر کے فلسفہ یا ہر نیچری کی نیچریت کے مطابق ہے۔ یہ تو مسلمہ امر ہے کہ نیچر یا تمام قوانین فطرت کا احاطہ کرنا انسان کے اختیار سے باہر ہے تو جن چند قوانین فطرت پر انسان کو آگہی حاصل ہوئی ہے انہیں تک قرآن کو محصور کر کے قرآنی آیات کی ان کے مطابق تاویل کر دینا کونسی دینی خدمت ہے؟ فلسفہ کا معاملہ اس سے بھی نازک ہے۔ فلسفہ ایک اِستدلالی علم ہے مگر انسان کی زندگی فلسفہ یا استدلالی علم کی پابند نہیں۔ زندگی میں بہت سی باتیں وجدان سے حاصل ہوتی ہیں اور قرآن کتاب زندگی ہے۔ فلسفہ کی کتاب نہیں لہٰذا جو شخص فلسفہ یا نیچر یا کسی خاص دور کی علمی سطح سے مرعوب ہو کر قرآن سے اس کا بطلان[1] ثابت کرنے کی بجائے قرآن کو ان چیزوں کے مطابق کرنے کی کوشش کرتا ہے تو یہ اس کی ذہنی شکست خوردگی کی دلیل تو بن سکتی ہے۔ قرآن کی تفسیر نہیں کہلا سکتی۔ سید صاحب اسی طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جنہوں نے قرآن کو نیچر اور فلسفہ کے ماتحت بنا دیا ہے۔

سرسید احمد خاں کے نظریات

اب ہم سرسید کی تفسیر "تفسیر القرآن" سے آپ کے چند کارہائے نمایاں مختصراً بطور نمونہ پیش کرتے ہیں:

① معجزات سے انکار:

معجزہ کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ کوئی ایسا خرق عادت یا عام دستور اور مشاہدہ کے خلاف واقعہ جس کا صدور کسی نبی سے ہوا ہو۔ قرآن نے معجزہ کے لئے آیت یا مبصرۃ کے اِلفاظ استعمال کیے ہیں اور ایسا کوئی نہ کوئی معجزہ انبیاء کے ساتھ لازم وملزوم سمجھا جاتا رہا ہے۔ اس لئے انبیاء کے مخاطبین بالعموم ان سے اپنی بات کی صداقت کے ثبوت میں معجزہ کا مطالبہ بھی کرتے رہے ہیں۔ ایسے خرق عادت واقعات کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً:

① انسان کی عادت ہے کہ کوئی واقعہ عادت کے خلاف سنتا ہے تو بالعموم اسکا انکار کر دیتا ہے اور اگر بچشم خود دیکھ لے تو حیران رہ جاتا ہے لیکن اگر وہی واقعہ دو تین چار مرتبہ پیش آجائے تو وہ عادت بن جاتا ہے لہٰذا اس کی حیرانی اور استعجاب ختم ہو جاتا ہے اس کی سب سے واضح مثال تو انسان کی اپنی پیدائش ہے جو ناپاک پانی کے قطرہ سے پیدا ہوتا ہے اور جس کی طرف اللہ نے بار بار توجہ دلائی ہے لیکن چونکہ یہ عادت مستمرہ بن چکی ہے لہٰذا اس پر کسی طرح کی حیرت واستعجاب تو درکنار خیال تک بھی انسان کے دل میں نہیں آتا۔

---

[1] اسلامی تاریخ میں ایسے بہت سے فلاسفر ہوئے ہیں کہ جنہوں نے قرآن کی ساتھ احادیث سے اقوال ومفسرین کی اقوال وآراء سے فقہاء ومجتہدین کے قیاسات اور اجتہادات سے بھرپور استنادہ بھی کیا اور اپنے دور کے فلسفہ کا بطلان بھی کیا۔ جیسے امام احمد بن حنبل' امام غزالی' امام ابن تیمیہ' اور شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ وغیرہم۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

② اس کی دوسری قسم یہ ہے کہ کوئی ایک واقعہ انسانی تاریخ کے کسی مخصوص دور میں تو معجزہ سمجھا جاتا ہے لیکن بعد کے ادوار میں وہ معجزہ نہیں رہتا۔ مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ معجزہ عطا کیا گیا تھا کہ ہوا ان کے تابع تھی اور وہ ایک ماہ کا سفر ایک پہر میں طے کر لیتے تھے لیکن آج ہوائی جہاز کی دریافت نے اس معجزہ کی اعجازی حیثیت کو ختم کر دیا ہے۔ یا اسی طرح اگر ارسطو یا فیثا غورث کے زمانہ میں کوئی شخص یہ اعجاز پیش کرتا کہ یونان میں بیٹھ کر پاکستان میں رہنے والے کسی شخص سے بات چیت کر رہا ہے تو اسے عوام تو درکنار مفکرین بھی پاگل ہی قرار دیتے لیکن آج ٹیلی فون کی ایجاد نے اس کی اعجازی حیثیت کو ختم کر دیا ہے۔

ان تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ اشیائے کائنات کے خواص سے متعلق انسان کا علم یا لاعلمی ہی کسی ایک واقعہ کو کسی خاص دور میں تو معجزہ سمجھتی ہے لیکن وہی واقعہ اس سے اگلے دور میں عادت بن جاتا ہے۔ اب دیکھئے قرآن کریم میں ایسے بے شمار واقعات مذکور ہیں جو آج تک "معجزہ" ہی بنے ہوئے ہیں اور انسان کا علم اس گتھی کو سلجھا نہیں سکا۔ سوال یہ ہے کہ کیا ایسے معجزات کو من وعن قبول کر لینا چاہیئے یا ان کی تاویل پیش کر کے انسان کی علمی سطح تک نیچے لے آنا چاہیئے؟ سوال درحقیقت یہ ہے کہ آیا انسان اشیائے فطرت کے خواص اور قوانین کا پورا احاطہ کر چکا ہے؟ اگر تو اس سوال کا جواب نفی میں ہے تو ایسے معجزات کا من وعن تسلیم کرنا ہی راہِ صواب ہے۔ اس سوال کے جواب میں سید صاحب خود لکھتے ہیں:

سرسید کا نظریہ معجزات:

"تمام قوانین قدرت ہم کو معلوم نہیں اور جو معلوم ہیں وہ نہایت قلیل ہیں اور ان کا علم بھی پورا نہیں بلکہ ناقص ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب کوئی عجیب امر واقع ہو اور اس کے وقوع کا کافی ثبوت بھی موجود ہو اور اس کا وقوع معلومہ قانون قدرت کے مطابق بھی نہ ہو سکتا ہو اور یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ بغیر دھوکہ فریب کے فی الواقع ہوا ہے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ فی الواقعہ بلاشبہ اس کے وقوع کے لئے کوئی قانون قدرت ہے مگر اس کا علم ہم کو نہیں کہ خلاف قانون قدرت کوئی امر نہیں ہوتا اور جب وہ کسی قانون قدرت کے مطابق واقعہ ہوا ہے تو وہ معجزہ نہیں کیونکہ ہر وہ شخص جس کو وہ قانون معلوم ہو جائے اس کو کر سکے گا" (تفسیر القرآن: ۳/۳۴)..... حکماء وفلاسفہ نے معجزات یا کرامات کا انکار خواہ کسی وجہ سے کیا ہو ہمارا انکار صرف اس بنا پر نہیں ہے کہ وہ مخالف عقل کے ہیں اور اس لئے انکار کرنا ضرور ہے۔ بلکہ ہمارا انکار اس بناء پر ہے کہ قرآن مجید سے معجزات وکرامات یعنی ظہور امور کا بطور خرقِ عادت یعنی خلاف فطرت یا خلاف جبلت کے امتناع پایا جاتا ہے۔ جس کو ہم مختصر لفظوں میں یوں تعبیر کرتے ہیں کہ کوئی امر خلاف قانونِ قدرت نہیں ہوتا۔" (ایضاً ص: ۳۷)

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

غور فرمایا آپ نے سید صاحب کے معجزہ کے اقرار میں بھی کتنے انکار پوشیدہ ہیں۔ آپ معجزہ سے صرف اس لئے انکار کر رہے ہیں کہ قرآن کریم میں کسی خلاف قانون قدرت واقعہ کا ذکر نہیں۔ یہاں دو سوال ذہن میں ابھرتے ہیں۔

① کیا قانون قدرت کے خلاف کسی امر کا وقوع ممکن بھی ہے یا نہیں؟

② کیا قرآن کریم میں ایسے کسی واقعہ کا ذکر ہے بھی یا نہیں جو قانون قدرت کے خلاف ہو؟ اب ہم انہی سوالات پر ذرا تفصیل سے بحث کریں گے۔

قوانینِ قدرت میں تبدیلی: قوانین قدرت کے غیر متبدل ہونے کے ثبوت میں جو آیت پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے:

﴿ فَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ ٱللَّهِ تَبۡدِيلًاۖ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ ٱللَّهِ تَحۡوِيلًا ﴿٤٣﴾ ﴾ (الفاطر ۳۵/ ۴۳)

"سو تم خدا کی عادت میں ہرگز تبدل نہ پاؤ گے اور خدا کے طریقے میں کبھی تغیر نہ دیکھو گے۔"

اب سوال یہ ہے کہ قوانین قدرت تو لاتعداد ہیں۔ کچھ قوانین اجرامِ فلکی کی حرکت' ان کی کشش ثقل سے تعلق رکھتے ہیں۔ کچھ دوسرے اشیاء کے خواص سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً پانی ہمیشہ نشیب کی طرف ہی بہتا ہے۔ مائعات جم کر سکڑ جاتے ہیں۔ ہوا گرم ہو کر اوپر اٹھتی ہے۔ زہر انسان کو ہلاک کر دیتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ پھر کچھ قوانین ایسے ہیں جو اخلاقیات اور قوموں کے عروج وزوال سے تعلق رکھتے ہیں۔ پھر کچھ قوانین ایسے ہیں جو جاندار اشیاء کے طبیعی تقاضوں اور حیات وممات سے تعلق رکھتے ہیں لہٰذا ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ قرآن کریم جس "اللہ کے طریقہ" یا قانون قدرت کو غیر متبدل قرار دیتا ہے وہ کس قسم سے تعلق رکھتا ہے۔

قرآن میں یہ الفاظ متعدد بار استعمال ہوئے ہیں اور ان سب مقامات کے سیاق وسباق پر نظر ڈالنے سے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس قانون کو غیر متبدل قرار دیا ہے۔ وہ انسان کی اخلاقیات سے تعلق رکھتا ہے اور قوموں کے عروج وزوال کے قانون کو غیر متبدل قرار دیتا ہے۔ یعنی جب کوئی قوم اپنی سرکشی کی بناء پر نبی کو وہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیتی ہے یا نبی بحکم الٰہی وہاں سے نکل جاتا ہے۔ یا کوئی قوم اخلاقی پستیوں میں گر جاتی ہے تو وہ عذاب میں ماخوذ اور زوال پذیر ہو جاتی ہے اور یہ اللہ کا قانون ایسا قانون ہے۔ جس میں تغیر وتبدل ناممکن ہے۔ اب آیات ذیل ملاحظہ فرمائیے:

﴿ وَلَا يَحِيقُ ٱلۡمَكۡرُ ٱلسَّيِّئُ إِلَّا بِأَهۡلِهِۦۚ فَهَلۡ يَنظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ ٱلۡأَوَّلِينَۚ فَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ ٱللَّهِ تَبۡدِيلًاۖ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ ٱللَّهِ تَحۡوِيلًا ﴿٤٣﴾ ﴾ (الفاطر ۳۵/ ۴۳)

"اور بری چال کا وبال اس کے چلنے والے ہی پر پڑتا ہے یہ لوگ تو بس پہلے لوگوں کی روش کے ہی منتظر ہیں سو تم خدا کی عادت میں ہرگز تبدل نہ پاؤ گے اور خدا کے طریقے میں کبھی تغیر نہ دیکھو گے۔"

﴿ وَإِن كَادُواْ لَيَسۡتَفِزُّونَكَ مِنَ ٱلۡأَرۡضِ

"اور قریب تھا کہ یہ لوگ تمہیں زمین (مکہ) سے پھسلا

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذًا لَّا يَلْبَثُونَ خِلَافَكَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٧٦﴾ سُنَّةَ مَن قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِن رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ﴿٧٧﴾

(الإسراء ۱۷/ ۷۶۔۷۷)

دیں تاکہ تمہیں وہاں سے جلا وطن کر دیں اور اس وقت تمہارے بعد یہ بھی نہ رہتے مگر تھوڑی مدت۔ جو پیغمبر ہم نے تجھ سے پہلے بھیجے تھے ان کے بارے میں ہمارا طریق یہی رہا ہے اور تم ہمارے طریق میں تغیر و تبدل نہ پاؤ گے۔"

مَّلْعُونِينَ ۖ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا ﴿٦١﴾ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلُ ۖ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ﴿٦٢﴾

(الأحزاب ۳۳/ ۶۱۔۶۲)

"وہ پھٹکارے ہوئے جہاں پائے گئے پکڑے گئے اور جان سے مار ڈالے گئے جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں ان کے بارے میں بھی ہماری یہی عادت رہی ہے اور تم خدا کی عادت میں تغیر و تبدل نہ پاؤ گے۔"

ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿٢٢﴾ سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلُ ۖ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ﴿٢٣﴾ (الفتح ۴۸/ ۲۲۔۲۳)

"پھر کسی کو دوست نہ پاتے اور نہ مددگار یہی خدا کی عادت ہے جو پہلے سے چلی آتی ہے اور تم خدا کی عادت میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔"

قوانینِ قدرت اور استثنائی صورتیں: مندرجہ بالا جملہ مقامات میں قوموں کی اَخلاقیات اور ان کے زوال کا قانون بیان کیا گیا ہے اور یہی ایسا قانون ہے جس میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی۔ رہے دوسرے قوانین فطرت یا قدرت تو ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ ان میں تبدیلی ممکن ہے۔ مثلاً:

① اجرام فلکی کی حرکت کے قوانین جو ہمیں لگے بندھے اصولوں کے مطابق نظر آتے ہیں تو اس کی وجہ محض یہ ہے کہ ان کے مقابلے میں بنی نوع انسان کی عمر نہایت قلیل ہے۔ روزانہ اس عظیم کائنات کا وجود میں آنا اور پھر کسی وقت فنا ہو جانا ان قوانین میں تغیر و تبدل کی واضح دلیل ہے۔

② زہر کی یہ خاصیت ہے کہ وہ انسان کے لئے ہلاکت کا باعث ہوتا ہے لیکن کبھی وہی زہر کسی انسان کے لئے تریاق بھی بن جاتا ہے اس کی وجہ خواہ کچھ ہو لیکن واقعہ سے انکار ممکن نہیں۔

③ دوسری تمام مائعات کے برعکس پانی جم کر پھیل جاتا ہے۔ جب کہ دوسرے مائعات جم کو سکڑتے ہیں یہ ایسی استثنائی صورت ہے جو انسان کے علم میں آچکی ہے مگر عام قانون فطرت سے اس استثناء میں کسی کو مجال انکار نہیں۔

④ کسی مخصوص مقام پر بارش کے طبیعی عوامل یہ ہیں سمندر سے فاصلہ' موسم' ہواؤں کا رخ' پہاڑوں کی بلندی' پھر کیا وجہ ہے کہ کسی مخصوص مقام پر خاص موسم میں کبھی تو وہ موسم بالکل خشک گزر جاتا ہے اور کبھی لگاتار بارشوں سے سیلاب آجاتے ہیں اور کبھی معمول کے مطابق بارش ہوتی ہے تو یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ کوئی بالاتر ہستی موجود ہے جو ان قوانین قدرت کے تغیر و تبدل پر پورا کنٹرول رکھتی ہے یہ اور ایسے بے شمار واقعات اور مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ قوانینِ

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

قدرت میں مستثنیات موجود ہیں۔ اگر زہر کسی خاص انسان کے لئے تریاق بن سکتا ہے تو آگ بھی کسی خاص انسان کے لئے ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو سکتی ہے۔

معجزات سے انکار کی اصل وجہ: ہمارے خیال میں انکار معجزات کی وجہ یہ نہیں کہ قوانین فطرت میں اِستثناء ناممکن ہے کیونکہ ایسے مستثنیات تو مشاہدہ میں آتے ہی رہتے ہیں۔ کسی انسان کے ہاں دوسرا والا بچہ بھی پیدا ہو سکتا ہے ماں باپ دونوں اندھے ہوں، تو اولاد بینا بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ بلکہ اس انکار کی تہہ میں وہی ارسطو کا خدا کے متعلق تجریدی تصور کارفرما ہے۔ جس کے تحت خدا نے ایک دفعہ کائنات کو حرکت تو دے دی ہے اور اب وہ خاموش تماشائی بن گیا ہے یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ اس نے قوانین فطرت بنا دیئے ہیں اور اب خود بھی ان کا پابند بن گیا ہے لیکن قرآن ایسے خدا کا تصور پیش کرتا ہے جو حی وقیوم قادر مطلق اور حکیم وخبیر ہے اور جیسے چاہتا ہے جب چاہتا ہے کر سکتا ہے۔ وہ قوانین فطرت کا پابند نہیں۔ قوانین فطرت اس کے حکم کے پابند ہیں۔ وہ ان قوانین میں ہر وقت اپنی حکمت و مصلحت کے پیش نظر تغیر وتبدل کر سکتا اور کرتا رہتا ہے۔

قرآن کریم میں مذکور معجزات

خدا کو "قدرت واختیار" کی کرسی سے ہٹا کر جب آپ نے قرآن میں ایسے بے شمار معجزات کا ذکر دیکھا تو انہوں نے ان معنوں میں معجزات کا یکسر انکار کر دیا جو معنے قرآن کریم کی عبارت والفاظ سے واضح طور پر سامنے آتے ہیں۔ بلکہ ان واقعات کا رخ اس طرح موڑا اور قرآنی الفاظ کی ایسی مضحکہ خیز تاویل پیش فرمائی۔ کہ ان تمام معجزات کو مطابق فطرت بنا کے چھوڑا اور اس کارخیر میں اتنی کوشش فرمائی کہ اب انہیں قرآن کریم میں کوئی معجزہ نظر ہی نہیں آتا۔

ہم یہاں آپ کی تمام تر تاویلات کا ذکر نہیں کر سکتے۔ البتہ ازراہِ تفنن چند واقعات کا ذکر کرتے ہیں:

ا۔ آگ کا ٹھنڈا ہونا:

"حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق آپ کا خیال ہے کہ انہیں سرے سے آگ میں ڈالا ہی نہیں تھا۔ یہ معاملہ محض کفار کی کوششوں اور تدبیروں تک ہی محدود رہا۔" (تفسیر القرآن دیباچہ' ص:۱۷) آپ کی دلیل یہ ہے کہ:

﴿قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۝﴾ (الأنبیاء ۲۱/ ۶۹-۷۰)

"ہم نے آگ کو حکم دیا کہ ابراہیم کے حق میں ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔ ان لوگوں نے حضرت ابراہیم کے لئے تدبیر کی سو ہم نے انہیں ناکام بنا دیا۔"

اب ان کی تدبیر کیا تھی؟ وہ تدبیر یہ تھی کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا جائے اور وہ اللہ نے ناکام بنا

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

دی۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر اتنی ہی بات تھی تو اللہ تعالیٰ کا آگ کو ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جانے کا حکم دینے کی کیا ضرورت تھی؟ اسے اتنا بھی علم نہ تھا کہ ہونا ہوانا تو کچھ ہے نہیں پھر آگ کو ایسا حکم دینے کا کیا مطلب؟

۲۔ اصحاب فیل:

"اصحاب فیل کا قصہ قرآن میں یوں مذکور ہے کہ ابرہہ حاکم یمن کے ہاتھیوں کے لشکر پر اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے جھنڈ بھیجے۔ جنہوں نے اس لشکر پر اتنی کنکریاں برسائیں کہ سارے لشکر اور ہاتھیوں کو چھلنی کر کے کھائے ہوئے بھس کی طرح بنا دیا۔ اب سید صاحب اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ ابرہہ کے لشکر میں چیچک کی وباء پھوٹ پڑی تھی اور وہ فوج مر گئی"

اب سوال یہ ہے کہ اس وبا کی مکہ والوں سے کیا دوستی تھی کہ اس نے انہیں تو کچھ نہ کہا اور ابرہہ کے لشکر کو ہاتھیوں سمیت ختم کر کے دم لیا حالانکہ یہ دونوں ایک ہی علاقے اور ایک ہی وقت میں موجود تھے؟ پھر یہ ہاتھیوں کی چیچک کا تصور بھی خوب ہے اور دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآن کی آیت:

﴿ تَرْمِيهِم بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ ﴿٤﴾ ﴾ جو ان پر پتھروں کی کنکریاں پھینکتے تھے۔

(الفیل ۱۰۵/ ٤)

سے چیچک کی وباء کا تصور کیسے کشید کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ عصائے موسیٰ اور ید بیضا: اب ملاحظہ فرمایئے ان تاویلات کی زد کہاں تک پہنچتی ہے۔ سید صاحب فرماتے ہیں:

"ان آیتوں پر جو عصائے موسیٰ کے سانپ بننے اور ید بیضا پر دلالت کرتی ہیں) غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کیفیت جو حضرت موسیٰ پر طاری ہوئی اسی قوت نفس انسانی کا ظہور تھا۔ جس کا اثر خود ان پر ہوا تھا۔ یہ کوئی معجزہ یا فوق الفطرت نہ تھا اور نہ اس پہاڑ کی تلی میں جہاں یہ امر واقع ہوا' کسی معجزہ کے دکھانے کا موقع تھا اور نہ یہ تصور ہو سکتا ہے۔ کہ وہ پہاڑ کی تلی کوئی مکتب تھا جہاں پیغمبروں کو معجزے سکھائے جاتے ہوں اور معجزوں کی مشق کرائی جاتی ہو۔ حضرت موسیٰ میں ازروئے فطرت وجبلت کے وہ قوت نہایت قوی تھی جس سے اس قسم کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ انہوں نے اس خیال سے کہ وہ لکڑی سانپ ہے اپنی لاٹھی پھینک دی اور وہ ان کو سانپ یا اژدھا دکھائی دی۔ یہ خود ان کا تصرف اپنے خیال میں تھا۔ وہ لکڑی لکڑی ہی تھی۔ اس میں فی الواقع کچھ تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ خدا نے اس جگہ یہ نہیں فرمایا کہ فَانْقَلَبَتِ الْعَصَا ثُعْبَانًا یعنی "وہ لاٹھی بدل کر سانپ ہو گئی۔" بلکہ سورہ نمل میں فرمایا: ﴿ كَأَنَّهَا جَانٌّ ﴾ یعنی "وہ گویا اژدہا تھا۔" اس سے ظاہر ہے کہ وہ درحقیقت اژدہا نہیں ہوئی تھی' بلکہ وہ لاٹھی تھی۔" (تفسیر القرآن۔ ج:۳' ص:۲۲۲)

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

سید صاحب کی اس تحقیق پر دو اعتراضات وارد ہوتے ہیں:

① ہمیں قوتِ باطنی بھی تسلیم ہے۔ قوت نفسانی یا قوت مقناطیسی جو کچھ آپ کہیں تسلیم ہے اور یہ بھی تسلیم ہے کہ اس قوت کو حاصل کرنے والے عامل دوسروں پر اپنا اثر ڈال سکتے ہیں لیکن ان کا خود اپنے ہی عمل سے متاثر ہونا یہ ناممکن الوقوع بات ہے کیا آپ نے کوئی ایسا عامل بھی دیکھا ہے کہ دوسرے پر اپنا اثر یا توجہ ڈالے مگر اس چیز پر تو کچھ اثر نہ ہو۔ الٹا عامل پر ہی اثر پڑنا شروع ہو جائے۔ کیا عامل اس لئے عمل کرتے ہیں کہ ان کے اپنے ہی اوسان خطا ہو جائیں گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس قوت مقناطیسی سے عصا کی لکڑی پر تو خاک اثر نہ ہوا' الٹا انہیں ہی وہ اژدہا نظر آنے لگی۔ پھر وہ اس سے اس قدر دہشت زدہ بھی ہوئے کہ پیچھے ہٹنے لگے۔ کیا کوئی ایسا عمل بھی کرتا ہے جس کا فائدہ تو کچھ نہ ہو الٹا عامل کو نقصان پہنچ جائے۔

② آپ نوع انسان میں تو ارتقاء کے اصول کو تسلیم کرتے ہیں لیکن کسبِ کمال یا فن کے سلسلہ میں یہ اصول قطعاً نظرانداز کر جاتے ہیں۔ ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوت مقناطیسی اثر جو کچھ بھی تھا۔ خواہ وہ حقیقتاً اژدہا بن گیا تھا یا بقول آپ کے وہ لکڑی کا ایک ڈنڈا ہی رہا لیکن آپ نے اسے اژدہا سمجھ لیا اور پھر وہ ڈر بھی گئے۔ یہ زندگی بھر کا پہلا مقناطیسی اثر یک لخت کیسے ظہور پذیر ہو گیا۔ یہ مقناطیسی قوت ابتدائے پیدائش سے ہی آپ میں موجود تھی یا وحی کے ساتھ پیدا ہوئی؟ اگر پہلے سے موجود تھی تو پہلے بھی کوئی چھوٹا موٹا واقعہ ضرور دریافت ہونا چاہیئے۔

یہ تو عقلی اعتراضات تھے۔ اب نقلی اعتراض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عصائے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق موسیٰ علیہ السلام سے یوں فرماتے ہیں:

﴿ فَأَلْقَىٰهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ ﴿٢٠﴾ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۖ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ ﴿٢١﴾ ﴾ (طٰہٰ ۲۰/ ۲۰-۲۱)

موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پھینکا تو وہ ناگہاں سانپ بن کر دوڑنے لگا۔ خدا نے فرمایا کہ اسے پکڑ لو اور ڈرو مت ہم اس کو اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے۔

"اگر لکڑی لکڑی ہی رہی تھی تو اس کو پہلی حالت پر لانے کا کیا مطلب؟ چاہیئے تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے کہ ہم تمہاری مقناطیسی قوت کم کر دیں گے۔ یا چھین لیں گے تاکہ تمہیں یہ لکڑی ہی نظر آئے۔ سیرت تو بقول سید صاحب موسیٰ علیہ السلام کی بدلنی چاہیئے تھی نہ کہ عصا کی۔"

سید صاحب اسی قوت نفسانی کے اثر سے یدِ بیضا کا مسئلہ بھی حل فرما دیتے ہیں۔ یعنی وہ بھی بس دیکھنے والوں کو چٹا نظر آتا ہے۔ کوئی معجزہ یا مافوق الفطرت بات نہ تھی بعد میں آپ کو خیال آیا کہ:

"اس مقام پر سوال پیدا ہوا ہے کہ اگر عصائے موسیٰ کا اژدہا بننا اور ہاتھ کا چٹا ہو جانا بھی اسی طرح قوت نفسانی کا اثر تھا جس طرح کہ فرعون کے جادوگروں کی رسیاں بھی سانپ دکھائی دیتی تھیں تو خدا نے عصائے موسیٰ اور ید بیضا کو ﴿ فَذَٰنِكَ بُرْهَانَانِ مِن رَّبِّكَ ﴾ یعنی ان کو خدا کی طرف سے

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

"برھان" کیوں فرمایا ہے؟ پھر اس کی وجہ یہ بتائی کہ برہان کہنے کی وجہ یہ ہے کہ عصائے موسیٰ کا اژدہا مرئی ہونا یا ہاتھ کا چٹا دکھائی دینا فرعون اور اس کے سرداروں پر بطور حجت الزامی کے تھا' وہ اس قسم کے امور کو اس بات کی دلیل سمجھتے تھے کہ جس شخص سے ایسے امور ظاہر ہوتے ہیں وہ کامل ہوتا ہے اور اسی سبب سے انہوں نے کہا کہ اگر کوئی کرشمہ دکھایا جائے گا تو وہ دعوی کو سچا جانیں گے" (ج:۳' ص:۲۲۵)

اب سید صاحب کھل کر سامنے آگئے' ان کے خیال کے مطابق عصائے موسیٰ اور ید بیضا معجزے نہیں بلکہ کرشمے تھے جو فرعون کے جادوگروں کے کرشموں سے بڑے تھے۔ اسی لئے خدا نے ان کو برہان کہا ہے تو اس کا دوسرا مطلب یہ بھی نکلتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سحرۃ فرعون سے بڑے ساحر ہوئے (نعوذ باللہ من ذلک) صرف درجہ کا فرق تھا اور یہی فرعون کا گمان تھا اس نے بھی یہی کچھ کہا تھا کہ ﴿ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ﴾ (۲۰:۷۱) جس کی سید صاحب نے تصدیق فرما دی۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے اس قول کو ﴿ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴾ (۲۰-۲۹) کہہ کر مردود قرار دیا ہے ﴿ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ﴾

۴۔ دریا کا پھٹنا: یہ واقعہ بھی قرآن میں کئی مقامات پر بصراحت موجود ہے جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات نکلے اور فرعون ان کے تعاقب میں نکلا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحکم الٰہی دریا پر اپنا عصا مارا۔ وہ پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ درمیان میں خشک راستہ پیدا ہو گیا۔ دریا کے دونوں حصے بڑے پہاڑ کی مانند کھڑے ہو گئے۔ موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل نے تو دریا عبور کر لیا اور جب فرعون اور اس کے لشکری داخل ہوئے تو دریا جاری ہو گیا جس کی وجہ سے فرعون اور اس کے ساتھی غرق ہو گئے۔

اب سید صاحب کے ارشادات سنئے:

"نہ کوئی دریا پھٹا اور نہ کوئی خلاف عادت معجزہ ظہور میں آیا تھا بلکہ اس دریا کی سمندر کی طرح عادت تھی کہ مدو جزر چڑھنا اترنا آناً فاناً اس میں ہوا کرتا تھا۔ پس جب رات کو موسیٰ بنی اسرائیل سمیت گزرے تھے اس وقت خشک تھا اور جب فرعون گزرنے لگا تو اتفاقاً چڑھ گیا۔"

(تفسیر القرآن:۱/۹۹)

اب دیکھئے کہ مادہ پرست تو ساری کائنات کو "اتفاقاً" ہی سے پیدا کر دیتے ہیں۔ اگر سید صاحب نے دریا کے پانی کو اتفاقاً چڑھا دیا تو کونسی آفت آگئی لیکن یہ حیرانگی ضروری ہے کہ مدو جزر کے اوقات مقرر و متعین ہوتے ہیں جو سب لوگوں کو معلوم ہوتے ہیں۔ فرعون اور اس کے لشکری بڑے ہی جاہل تھے کہ ان کی قلمرو میں ایک دریا بہہ رہا ہے اور وہ اس کے مدو جزر کے اوقات سے بھی ناواقف تھے جس کا علم بعد میں سید صاحب کو ہوا۔

اللہ تعالیٰ تو اس دریا کو پھاڑنے اور موسیٰ اور بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دینے کو ایک احسان عظیم کے طور پر بیان فرماتے ہیں اور سید صاحب ہیں کہ وہ اسے کچھ اہمیت ہی نہیں دیتے اور اسے ایک

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

فطری امر قرار دے رہے ہیں پھر احسان عظیم آخر کس بات کا تھا؟

۵۔ بارہ چشموں کا پھوٹنا: اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کا ایک معجزہ یہ بھی تھا کہ بنی اسرائیل کو پانی کی ضرورت تھی۔ "موسیٰ علیہ السلام نے پانی کے لئے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اپنا عصا پتھر پر مارو تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔" اس کی تاویل آپ نے یہ فرمائی کہ:

"حجر کے معنی پہاڑ کے ہیں اور ضرب کے معنی رفتن کے پس صاف معنی یہ ہوئے کہ اپنی لاٹھی کے سہارے پہاڑ پر چل۔ اس پہاڑ کے پرے ایک مقام ہے جہاں بارہ چشمے پانی کے جاری تھے۔ خدا نے فرمایا: ﴿ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ﴾ یعنی اس میں سے پھوٹ نکلے ہیں بارہ چشمے۔"

(ایضاً ج ۱/ ۱۱۳)

یعنی اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام لاٹھی کے سہارے نہ جاتے' لاٹھی کے بغیر وہاں جاتے تو شاید وہاں یہ بارہ چشمے موجود نہ ہوتے۔ یہ لاٹھی کے سہارے چلنے ہی کی برکت تھی' کہ وہاں بارہ چشمے موجود تھے اور یہ بھی شاید لاٹھی ہی کی کرامت تھی کہ وہ پورے بارہ ہی تھے کیونکہ بنی اسرائیل کے قبیلے بھی بارہ ہی تھے۔

پہاڑ کے لئے عربی میں بہت سے الفاظ ہیں جو قرآن میں مذکور ہیں مثلاً جبل' جبال' رواسی' طَود' صخرہ جو علی الترتیب چھوٹے بڑے پہاڑوں پر بولے جاتے ہیں۔ مگر حجر کے معنی پتھر ہی ہی۔ پھر ضرب کا صلہ اگر فی ہو تو اس کے معنی چلنا ہوتے ہیں۔ جیسے ضَرَبَ فِي الْأَرْضِ کے معنی زمین میں چلنا یا سفر کرنا ہے اور جب ضرب کا صلہ ب سے ہو تو اس کے معنی چلنا نہیں بلکہ کسی چیز سے مارنا ہوتے ہیں اور ب کے بعد اس آلہ کا ذکر ہوتا ہے جس سے مارا جائے۔ گویا اضرب بعصاک کے معنی لاٹھی سے مارنا ہی ہوں گے لاٹھی کے سہارے چلنا لغت کے لحاظ سے بھی غلط ہے۔

۶۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور وفات: عیسیٰ علیہ السلام کی حیات و ممات دونوں بڑے عظیم معجزے ہیں۔ حیات عیسیٰ یا حضرت عیسیٰ کا باپ ثابت کرنے میں تو سید صاحب اکیلے ہیں۔ مگر وفات عیسیٰ میں مرزا غلام احمد قادیانی (م۔۱۹۰۸ء) بھی ان کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ مقاصد دونوں کے الگ الگ ہیں۔ مرزا صاحب کو مسیح موعود کی خالی کرسی درکار تھی۔ وہ جب تک ان کو فوت شدہ ثابت نہ کرتے یہ نہیں مل سکتی تھی اور سید صاحب کا مقصد مسلمانوں کو نیچر پسند ثابت کر کے مغرب سے سرخروئی حاصل کرنا اور مسلمانوں کو خرقِ عادت واقعات کو قبول کرنے کے بدنما داغ سے بچانا ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ ان دونوں حضرات کے بنیادی نظریات میں براہ راست تصادم ہے ایک صاحب پکے فطرت پرست ہیں تو دوسرے کی زندگی کا مدار ہی کرامات والہامات پر ہے۔ تاہم وفات مسیح کے مسئلہ پر دونوں کا اتحاد ہو جاتا ہے۔ دونوں حضرات تاویلات میں خوب ماہر ہیں اور مرزا صاحب نے تو بذریعہ کشف حضرت عیسیٰ کی قبر بھی کشمیر میں دریافت کر لی ہے۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

بہر حال یہ دونوں مسائل اتنے طویل ہیں کہ ان کے تذکرہ کی یہاں گنجائش نہیں۔ البتہ عیسیٰ علیہ السلام کے باقی معجزات کے متعلق سید صاحب کے ارشادات سے قارئین کو ضرور مستفید فرمائیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوسرے معجزات: قرآن کریم میں متعدد بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان معجزات کا ذکر آتا ہے کہ وہ مردوں کو باذن اللہ زندہ کرتے تھے مادر زاد اندھوں کو باذن اللہ بینا کر دیتے تھے اور کوڑھیوں کے مرض کو دور کر دیتے تھے۔ پرندوں کی مٹی سے شکلیں بنا کر اس میں پھونک مارتے تو وہ باذن اللہ زندہ پرندے بن جاتے تھے۔ وہ لوگوں کو یہ بھی بتا دیتے تھے کہ تم نے کیا کھایا اور کیا کچھ گھر میں رکھا ہے" وغیرہ وغیرہ۔ معجزات کو تسلیم کرنے کی وجہ سے سید صاحب کو علمائے اسلام سے یہ شکوہ بھی ہے کہ وہ ایسی آیات کے معنی جن میں معجزات کا ذکر ہے یہودیوں اور عیسائیوں ہی کی طرح کیوں بیان کرتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

"علمائے اسلام کی عادت ہے کہ قرآن مجید کے معنی یہودیوں اور عیسائیوں کی روایتوں کے مطابق بیان کرتے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے ان آیتوں کے معنی بھی وہی بیان کیے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اندھوں کو آنکھوں والا اور کوڑھیوں کو چنگا کرتے تھے اور مُردوں کو جلا دیتے تھے۔" (ایضاً ج:۲' ص:۱۴۴)

مثل مشہور ہے کہ پہلے کتے کو بدنام کرو۔ پھر اسے مار ڈالو۔ یہی تکنیک سید صاحب اختیار کرتے ہیں خود تو جہاں ضرورت پیش آئے' بائبل کی روایات بلا تکلف پیش کر دیتے ہیں۔ مگر علمائے اسلام سے انہیں یہ گلہ ضرور ہے کہ قرآن مجید کے مفہوم کو عیسائیوں اور یہودیوں جیسا ہی کیوں..... بیان کرتے ہیں۔ اس کی وجہ تو صاف ہے کہ قرآن بھی اللہ کا کلام ہے اور تورات بھی اللہ کا کلام ہے۔ محرف شدہ ہی سہی مگر سارا تو غلط نہیں۔ بہت سی باتیں آج بھی ان دونوں کتابوں میں ایک جیسی پائی جاتی ہیں۔

اب دیکھئے سید صاحب مردوں کو زندہ کرنے کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

"انسان کی روحانی موت اس کا کافر ہونا ہے۔ حضرت عیسیٰ خدا کی وحدانیت تعلیم کرنے اور خدا کے احکام بتانے سے لوگوں کو اس موت سے زندہ کرتے تھے اور کفر کی موت کے نیچے سے نکالتے تھے جس کی نسبت خدا فرماتا ہے۔ ﴿ اِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰی بِاِذْنِیْ ﴾ (حوالہ ایضاً)

زندہ باد! مردوں کو زندہ کرنے کا یہ انکشاف جو سید صاحب نے فرمایا ہے تو یہ کام تو سب انبیاء ہی کرتے تھے' اس میں بھلا حضرت عیسیٰ کے خصوصی ذکر کی اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت پیش آئی؟ پھر فرماتے ہیں کہ:

"اندھے لنگڑے اور چوڑی ناک والے کو یا اس شخص کو جس میں کوئی عضو زائد ہو اور ہاتھ پاؤں ٹوٹے ہوئے کو اور کبڑے اور ٹھگنے کو اور آنکھ میں پھلی والے کو معبد میں جانے اور معمولی طور پر قربانیاں کرنے کی اجازت نہ تھی یہ سب ناپاک اور گنہگار سمجھے جاتے تھے اور عبادت کے لائق یا خدا

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

کی بادشاہت میں داخل ہونے کے لائق متصور نہ ہوتے تھے۔ حضرت عیسیٰ نے یہ تمام قیدیں توڑ دی تھیں اور تمام لوگوں کو کوڑھی ہوں یا اندھے یا لنگڑے' چوڑی ناک کے ہوں یا پتلی ناک کے' کبڑے ہوں یا سیدھے' ٹھگنے ہوں یا لمبے۔ پھلی والے ہوں یا جالے والے سب کو خدا کی بادشاہت میں داخل ہونے کی منادی کی' کسی کو خدا کی رحمت سے محروم نہیں کیا۔ کسی کو عبادت کے اعلیٰ درجے سے نہیں روکا۔ بس یہی ان کا کوڑھیوں اور اندھوں کا اچھا کرنا تھا یا ان کو ناپاکی سے بری کرنا تھا۔ جہاں جہاں بیماریوں کا انجیلوں میں اچھا کرنے کا ذکر ہے۔ اس سے یہی مراد ہے اور قرآن مجید میں جو آیتیں ہیں ان کے بھی یہی معنے ہیں۔" (ایضاً۔ ص:۲۴۶)

بالفاظ دیگر معجزات کی صحت کا آپ نے خود ہی ثبوت بہم پہنچا دیا۔ کہ انجیل اور قرآن ان سب باتوں کے بیان کرنے میں مشترک ہیں اور ان کے متبعین بھی ان سے ایک ہی جیسے معنی و مفہوم مراد لیتے رہے ہیں اور انہیں حضرت عیسیٰ کے معجزات یا خرقِ عادت امور ہی سمجھتے رہے ہیں۔ اب بھی اگر سید صاحب اپنے فہم کا قصور نہ سمجھیں تو ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ ہمیں ان کے اس فہم کو غلط ثابت کرنے کی مزید ضرورت بھی نہیں۔

قرآن نے معجزہ یا نشان نبوت کے لئے بالعموم آیت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اب تاویل کی راہیں یوں کھلتی ہیں کہ آیت اور بھی کئی معنوں میں استعمال ہو جاتا ہے۔ مثلاً:

(۱) احکامِ شریعت:

﴿تِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ ٱللَّهُ ءَايَٰتِهِۦ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٨٧﴾﴾ (البقرۃ۲/ ۱۸۷)

"یہ خدا کی حدیں ہیں ان کے پاس نہ جانا۔ اسی طرح اللہ اپنے احکام لوگوں کے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ پرہیزگار بنیں۔"

(۲) نشانِ قدرت یا دلیل:

﴿وَفِى ٱلْأَرْضِ ءَايَٰتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ﴿٢٠﴾ وَفِىٓ أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٢١﴾﴾ (الذاریات۵۱/ ۲۰۔۲۱)

"اور یقین کرنے والوں کے لئے زمین میں نشانیاں ہیں اور خود تمہارے نفوس میں بھی تو کیا تم دیکھتے نہیں۔"

(۳) نشانِ نبوت یا معجزہ:

﴿ٱقْتَرَبَتِ ٱلسَّاعَةُ وَٱنشَقَّ ٱلْقَمَرُ ﴿١﴾ وَإِن يَرَوْا ءَايَةً يُعْرِضُوا۟ وَيَقُولُوا۟ سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴿٢﴾﴾ (القمر۵۴/ ۱۔۲)

"قیامت قریب آپہنچی اور چاند پھٹ گیا اور اگر کافر کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ایک ہمیشہ کا جادو ہے۔"

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

اب دیکھئے کہ احکامِ شریعت کے ساتھ صرف مومنین کا تعلق ہوتا ہے۔ کفار کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ آیات قدرت جیسے زمین' آسمان' چاند' سورج' تارے بھی کافر و مومن میں باعث نزاع نہیں ہوتے اور انہیں سب لوگ ماسوائے چند دہریت پسندوں کے نشان قدرت تسلیم کرتے ہیں۔ اگر کبھی اختلاف ہوا تو صرف نشان نبوت یا معجزہ میں اور ایسے ہی نشانات پر کفار کا جھگڑا اور تکرار ہوتا ہے اور وہ اسے بالعموم جادو ہی کہہ دیتے ہیں۔ نبوت کو کبھی تو ایسے معجزات کفار کے مطالبہ سے پیشتر ہی مل جاتے ہیں۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصائے موسیٰ کا سانپ بننا اور یدِ بیضا کے معجزے پیغمبری کے ساتھ ہی مل گئے اور کبھی کفار کے مطالبہ پر ملتے ہیں۔ جیسے حضرت صالح علیہ السلام کو اونٹنی کا معجزہ کفار کے مطالبہ پر دیا گیا جو پہاڑ میں سے برآمد ہوئی ارشاد باری ہے:

﴿ وَءَاتَيْنَا ثَمُودَ ٱلنَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوا۟ بِهَا ۚ وَمَا نُرْسِلُ بِٱلْـَٔايَـٰتِ إِلَّا تَخْوِيفًا ﴿٥٩﴾ ﴾ (الإسراء ۱۷/ ۵۹)

"اور ہم نے ثمود کی قوم کو اونٹنی کا کھلا نشان دیا تو انہوں نے اس پر ظلم کیا اور ہم ایسے نشان صرف ڈرانے کے لئے بھیجا کرتے ہیں۔"

اور کبھی ایسے معجزات کفار کے مطالبہ پر بھی انبیاء کو نہیں دیئے جاتے۔ چنانچہ کفارِ مکہ نے حضور اکرم ﷺ سے کئی بار ایسے حسی معجزات کا مطالبہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ سے یہی جواب ملتا رہا کہ کفار سے کہہ دیجیے کہ معجزات دکھلانا میرے بس کی بات نہیں میں تو صرف ایک بندہ اور رسول ہوں اور نیز یہ کہ قرآن خود ایک بہت بڑا معجزہ ہے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ حضور اکرم ﷺ کو کوئی معجزہ عطا ہی نہیں کیا گیا۔ قرآن سے حضور اکرم ﷺ کے درج ذیل معجزات کا ثبوت ملتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے معجزات

۸۔ **انشقاقِ قمر:** جس آیت سے چاند کا پھٹنا ثابت ہوتا ہے۔ وہ اوپر درج کی جا چکی ہے لیکن ہمارے یہ دوست کہتے ہیں کہ یہاں چاند کے پھٹنے سے مراد یہ نہیں کہ وہ فی الواقع پھٹ گیا تھا بلکہ مراد یہ ہے۔ قیامت کے نزدیک پھٹ جائے گا۔ جیسے آسمان بھی پھٹ جائے گا اور دوسرے اجرام بھی زیرو زبر ہو جائیں گے لیکن ہمارے نزدیک یہ دلیل اس لئے غلط ہے کہ جہاں قیامت کو ان آیات الٰہی کے پھٹنے اور زیرو زبر ہونے کا ذکر ہے۔ وہاں کفار کے سحر کہنے کا کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی کہیں قرآن میں ان آیات الٰہی کے ساتھ سحر کا ذکر آیا ہے۔ اِنشقاق کی آیت اور کفار کا اسے سحر سے تعبیر کرنا یا اس پر کفار کی تکرار ہی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ ایک حسی معجزہ ہے جو وقوع پذیر ہو چکا ہے۔

۹۔ **واقعہ اِسراء:** ارشاد باری ہے:

﴿ سُبْحَـٰنَ ٱلَّذِىٓ أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِۦ لَيْلًا مِّنَ

"پاک ہے وہ ذات جس نے ایک رات اپنے بندے

اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِي بَٰرَكْنَا حَوْلَهُۥ لِنُرِيَهُۥ مِنْ ءَايَٰتِنَآ ﴾ (الإسراء۱۷/۱) کو مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں۔ سیر کرائی تاکہ ہم اسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھلائیں۔"

مندرجہ بالا آیات میں آپ کے اس سفر کے جسمانی ہونے کے چار دلائل موجود ہیں جو درج ذیل ہیں:

① سُبْحَانَ کلمہ حیرت واستعجاب ہے اگر یہ سفر محض روحانی تسلیم کر لیا جائے تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے۔

② اَسْرٰی کا لفظ صرف جسمانی سیر کے لئے آتا ہے۔

③ عبد کا لفظ روح اور جسم کے مرکب پر بولا جاتا ہے۔ اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ سفر جسمانی سفر تھا۔

④ اس واقعہ کے بعد کفار کی تکرار اس سفر کے جسمانی ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے اور یہ تکرار تاریخی شواہد سے ثابت ہے۔ اگر یہ سفر روحانی ہوتا تو تکرار اور جھگڑے کی نوبت ہی کہاں آتی؟

ان تمام باتوں کے باوجود سید صاحب فرماتے ہیں:

"اصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے معراج کی بہت سی باتیں جو خواب میں دیکھی ہوں گی لوگوں سے بیان کی ہوں گی منجملہ ان کے بیت المقدس میں جانا اور اس کو دیکھنا بھی بیان فرمایا ہوگا۔ قریش سوائے بیت المقدس کے اور کسی حال سے واقف نہیں تھے۔ اس لئے انہوں نے امتحاناً آنحضرت ﷺ سے بیت المقدس کے حالات دریافت کیے چونکہ انبیاء کے خواب صحیح اور سچے ہوتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے کچھ بیت المقدس کا حال خواب میں دیکھا تھا۔ بیان کیا جس کو راویوں نے فَجَلَّى اللهُ لِيْ بَيْتٌ فَرَفَعَهُ اللهُ لِيْ اَنْظُرُ اِلَيْهِ سے تعبیر کیا ہے پس اس مخاصمت سے جو قریش نے کی آنحضرت ﷺ کا بجسدہٖ اور بیداری کی حالت میں بیت المقدس جانا ثابت نہیں ہو سکتا۔" (۹۲/۶)

سو یہ ہے وہ آپ کی قوت استدلال جس پر بعد میں آنے والے قرآنی مفکرین کو آپ پر ناز ہے جو "ہوگی" اور "ہوگا" سے شروع ہوتی ہے۔ بات یہ ہے کہ جب کوئی شخص یہ تہیہ کر لے کہ وہ فلاں بات تسلیم نہیں کرے گا تو دنیا کی کوئی طاقت اسے جبراً تو منوا نہیں سکتی۔ بلاشبہ آپ نے مندرجہ بالا دلائل کا تجزیہ بھی کیا ہے اور پھر بھی یہی نتیجہ نکالا ہے۔ کہ یہ کوئی حسی معجزہ نہ تھا۔ مثلاً سبحان کا لفظ کلمہ تعجب تو ہے مگر یہ اسریٰ سے متعلق نہیں بلکہ لِنُرِيَهُ مِنْ اٰيٰتِنَا سے متعلق ہے۔ نیز کفار کی مخالفت اس وجہ سے تھی کہ نبی خواہ خواب کی بات بیان کرتا یا بیداری کی ان کے لئے یکساں مابہ النزاع تھی وغیرہ وغیرہ اور اس سفر کے روحانی ہونے کی تائید میں حضرت ابن عباس یہ قول بھی پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے اس سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۶۰ کو معراج سے متعلق کہا ہے جو یوں ہے:

﴿ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيٓ أَرَيْنَٰكَ إِلَّا فِتْنَةً "اور جو نمائش ہم نے تمہیں دکھائی اس کو لوگوں کے

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

لِّلنَّاسِ﴾ (الإسراء۱۷/ ۶۰) لئے آزمائش بنایا۔"

مگر جب یہی ابن عباس آیت بالا کو معراج سے متعلق کہنے کے باوجود یہ کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ رُؤْيَا الْعَيْنِ فِي الْيَقَظَةِ یعنی "بیداری کی حالت میں آنکھوں دیکھی حقیقت تھی۔" تو سید صاحب حضرت ابن عباس کی یہ بات ماننے کو آمادہ نہیں ہوتے نہ ہی اس بات کا لحاظ رکھتے ہیں کہ لغوی لحاظ سے رویا کا لفظ خواب میں کچھ دیکھنے یا بیداری کی حالت میں دیکھنے دونوں طور سے یکساں استعمال ہوتا ہے۔

۱۰۔ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ: حضور اکرم ﷺ کے معجزات جو قرآن سے ثابت ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جنگ بدر میں آپ نے ریت کی مٹھی کفار کی طرف پھینکی تو اس کے ایک ایک ذرہ نے کفار کو اندھا کر دیا اور وہ بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ یہ فرما رہے ہیں کہ ریت کی مٹھی تو واقعی آپ نے پھینکی تھی لیکن اس کو کفار کی آنکھوں تک پہنچا کر انہیں اندھا بنانا میرا کام تھا۔ اس سے حضور ﷺ کا معجزہ اور خدا تعالیٰ کی قدرت دونوں باتیں قرآن سے ثابت ہوتی ہیں۔ مگر آپ ان دونوں باتوں کو ہواؤں کے رخ کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر ہواؤں کے رخ کی ہی وجہ سے وہ ریت کی مٹھی اور اس کے ذرات کفار کی آنکھوں میں جا لگے تھے تو یہ واقعہ کسی دوسرے صحابی سے کیوں نہ ظاہر ہوا؟ پھر کیا ہواؤں کا رخ صرف جنگ بدر سے ہی مخصوص تھا۔ کہ اس جنگ کے بعد کبھی ہواؤں کا رخ ایسا کرشمہ نہ دکھلا سکا۔

② دوسرے خرقِ عادت امور سے انکار

۱۔ کیا دعا کا کچھ فائدہ ہوتا ہے؟: قرآن کریم کے ابتدا میں سورہ فاتحہ ہی میں مسلمانوں کو یہ دعا سکھلائی گئی ہے:

﴿ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝٦ ﴾ "الٰہی ہمیں سیدھی راہ پر چلا۔"

(الفاتحة۱/ ۶)

پھر بیشتر مقامات پر دعا کرنے اور اس کے قبول ہونے کا ذکر آیا ہے مثلاً:

﴿ وَنُوحًا إِذْ نَادَىٰ مِن قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۝٧٦ ﴾ (الأنبياء۲۱/ ۷۶) "اور جب اس سے پیشتر نوح علیہ السلام نے ہمیں پکارا تو ہم نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کو اور ان کے ساتھیوں کو بڑی گھبراہٹ سے بچالیا۔"

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾ (الغافر۴۰/ ۶۰) "اور تمہارے پروردگار نے کہا کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔"

یہ بھی فرمادیا:

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

﴿ أُجِيبُ دَعْوَةَ ٱلدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ﴾ جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔ (البقرة۲/ ۱۸٦)

غرض قرآن کریم ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے جن میں دعا اور اس کی قبولیت کا ذکر آیا ہے کہ کچھ مواقع تو ایسے ہیں جہاں یہ ذکر ہے کہ کسی پیغمبر یا مومنوں نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرما کر مطلب براری کر دی اور دوسرے مواقع ایسے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ترغیب دی ہے کہ وہ اللہ سے دعا کیا کریں کیونکہ اللہ ہی دعا قبول کرنے والا اور حاجت روائی کرنے والا ہے اور کر دیتا ہے مگر ان سب آیات کے علی الرغم سید صاحب لکھتے ہیں:

"دعا جب دل سے کی جاتی ہے بیشتر مستجاب ہوتی ہے۔ مگر لوگ دعا کے مقصد اور استجابت کا مطلب سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ جس مطلب کے لئے ہم دعا کرتے ہیں۔ دعا کرنے سے وہ مطلب حاصل ہو جائے گا۔ اور استجابت کے معنی اس کا مطلب حاصل ہو جانا سمجھتے ہیں حالانکہ یہ غلطی ہے۔ حصول مطلب کے لئے جو اسباب خدا نے مقرر کیے ہیں وہ مطلب تو انہی اسباب کے جمع ہونے سے حاصل ہوتا ہے مگر دعا نہ تو اس مطلب کے اسباب سے ہے اور نہ اس مطلب کے اسباب کو جمع کرنے والی ہے۔ بلکہ وہ اس قوت کو تحریک کرنے والی ہے۔ جس سے اس رنج ومصیبت اور اِضطراب کو جو مطلب حاصل نہ ہونے سے ہوتا ہے تسکین دینے والی ہے۔ (ایضاً جلد اول ص:۱۸)

اقتباس بالا سے مندرجہ ذیل سوال ابھرتے ہیں:

① کیا اللہ تعالیٰ مستبب الاسباب ہے یا نہیں؟

② اگر وہ مسبب الاسباب ہے تو دعا کی بنا پر ہر مطلب کے حصول کے لئے کوئی مسبب بنا سکتا ہے یا نہیں؟

گویا یہ بالواسطہ خدا کی قدرت سے انکار ہے جیسا کہ معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ خدا کی حقیقت اب محض ایک تماشائی کی سی ہے۔

اگر دعا کی استجابت سے یہی مراد ہے کہ اس سے دل کو اطمینان نصیب ہو جائے جو حصول مطلب میں ممکن تھا اور یہ استجابت صرف قلبی واردات سے ہی تعلق رکھتی ہے اور خارج میں کچھ نہیں ہوتا تو مندرجہ آیت کا مطلب کیا ہوگا؟

﴿ فَدَعَا رَبَّهُۥٓ أَنِّى مَغْلُوبٌ فَٱنتَصِرْ ﴿١٠﴾ فَفَتَحْنَآ أَبْوَٰبَ ٱلسَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ﴿١١﴾ وَفَجَّرْنَا ٱلْأَرْضَ عُيُونًا فَٱلْتَقَى ٱلْمَآءُ عَلَىٰٓ أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿١٢﴾ ﴾ (القمر٥٤/ ١٠-١٢)

تو (نوح نے) اپنے پروردگار سے دعا کی کہ میں (کفار کے مقابلے میں) کمزور ہوں تو ان سے بدلہ لے پس ہم نے زور کے مینہ سے آسمان کے دہانے کھول دیئے اور زمین میں چشمے جاری کر دیئے تو پانی ایک کام کے لئے جو مقدر ہو چکا تھا جمع ہو گیا۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

اب دیکھئے کہ کیا دعا کے بعد آسمان سے بے تحاشا پانی برسنا اور زمین کے چشمے مل کر طوفان کی شکل بننا اور اس طرح کربِ عظیم سے نوح علیہ السلام اور اس کے تمام ساتھیوں کو نجات دینا کیا یہ سب قلبی واردات ہیں؟ پھر ایک مقام پر سید صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ:

"بسا اوقات دعا کی جاتی ہے مگر حاجت براری نہیں ہوتی پس معلوم ہوا کہ دعا کوئی سبب حصول مقصد کے لئے نہیں ہے ورنہ ایسا نہ ہوتا۔" (تہذیب الاخلاق ماہ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ)

اس اقتباس میں "بسا اوقات" کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ دعا کبھی کبھار حصول مقصد کا سبب بن بھی جاتی ہے۔ بس یہی ہمارا مقصد ہے رہا یہ معاملہ کہ بسا اوقات قبول نہیں ہوتی تو دعا کی قبولیت کے کئی موانع ہیں۔ جن کی تفصیل یہاں خارج از بحث ہے نیز ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ دعا کی طرح دوا بھی بسا اوقات مرض کا علاج نہیں بن سکتی لیکن کبھی کبھار حصول مقصد کا سبب بن بھی جاتی ہے۔

دوا کا استعمال کسی جسمانی تکلیف کو دور کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ اور جب تک یہ تکلیف رفع نہ ہو تو مریض کو تسکین کبھی نہیں ہو سکتی اور دعا کا دائرہ اثر دوا سے بہت زیادہ وسیع ہے۔ دعا دفعِ مضرت اور جلبِ منفعت دونوں کے لئے کی جاتی ہے۔ نیز اس کا استعمال مادی اور روحانی یا ذہنی دونوں طرح کے عوارضات کے لئے ہوتا ہے۔ پھر جب تک دعا کے اثر سے ایسے عوارضات دور نہ ہوں یا نئے اسباب مہیا نہ ہوں، دل کو تسکین کیسے ہو سکتی ہے۔

۲۔ بنی اسرائیل کا بندر بننا: پرویز صاحب فرماتے ہیں:

"اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے عجیب باتیں بیان کی ہیں۔ کسی نے کہا وہ سچ مچ بندر بن گئے اور وہ سب تیسرے دن مر گئے کسی نے کہا کہ یہ بندر جو اب درختوں پر اچھلتے پھرتے ہیں انہی کی نسل سے ہیں مگر یہ سب باتیں لغو و خرافات ہیں۔ یہودیوں کی شریعت میں سبت کا دن عبادت کا دن تھا اور اس میں کوئی کام کرنا یا شکار کھیلنا منع تھا مگر ایک گروہ یہودیوں کا جو دریا کے کنارے پر رہتا تھا، فریب سے سبت کے دن بھی شکار کھیلتا تھا ان کی قوم کے مشائخ نے منع کیا اور ان کو قوم سے منقطع، برادری سے خارج، کھانے پینے سے الگ میل جول سے الگ کر دیا اور وہ توریت پر نہ چلنے والوں کو ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ خدا نے فرمایا ہے: ﴿ كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ ﴾ یعنی "جس طرح بندر بلا پابندیٔ شریعت حرکتیں کرتے ہیں جس طرح انسانوں میں بندر ذلیل و خوار ہیں اسی طرح تم بھی انسانوں سے الگ اور ذلیل و خوار و رسوا رہو۔" (تفسیر القرآن: ۱/۱۰۰)

اس تاویل پر درج ذیل اعتراضات وارد ہوتے ہیں:

① اگر تورات پر نہ چلنے والوں سے بنی اسرائیل پہلے سے ہی بائیکاٹ کا رویہ اختیار کیا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ کو یہ حکم دینے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

② یہ معاشرتی بائیکاٹ تو ان تین صحابہ کا بھی ہوا تھا جو جنگ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے انہیں تو ایسی سزا

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

نہیں دی گئی۔ نہ ہی اسی طرح کے خطاب سے نوازا گیا ہے؟

③ اگر محض ذلیل وخوار کرنا ہی مقصود تھا تو کئی قسم کی مخلوق بندر سے بھی زیادہ ذلیل تر ہے۔ مثلاً کتا اور سور۔ جب ظاہری طور پر ہونا ہوانا کچھ نہیں تھا تو پھر انہیں بندر ہی کہنے کی کیا تخصیص تھی؟

(۳) اللہ تعالیٰ کے مارنے اور زندہ کرنے کی قدرت: قرآن کریم میں ہے:

﴿ ۞ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۴۳)

"بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو (شمار میں) ہزاروں ہی تھے اور موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل بھاگے تھے تو خدا نے ان کو حکم دیا کہ مرجاؤ پھر ان کو زندہ بھی کر دیا۔ (فتح الحمید)

اس آیت میں سید صاحب فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ کا ترجمہ یوں پیش فرماتے ہیں:

"پھر ان سے کہا اللہ نے مرو تم (یعنی بہ سبب موت کے ڈر کے یا اپنی نامردی کے اور لڑنے کے ڈر سے) پھر جلایا ان کو (یعنی ان کے دل میں شجاعت اور ارادہ جنگ پیدا کیا)" (تفسیر القرآن:۱/ ۲۱۳)

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کی مارنے اور زندہ کرنے کی قدرت سے مراد صرف ذہنی تبدیلی ہوتی ہے۔ امر واقعہ کچھ نہیں ہوتا جیسا کہ دوسرے بیشمار مقامات پر بھی سید صاحب ایسے خوارقِ عادت واقعات کو ذہنی تبدیلی کے حوالے کر دینے کے عادی ہیں جیسا کہ درج ذیل واقعات سے بھی ظاہر ہے۔

۴۔ حضرت عزیر علیہ السلام کی موت اور زندگی: سورہ بقرہ میں--- حضرت عزیر علیہ السلام کو مارنے اور پھر زندہ کرنے کا ذکر آیا ہے' اس آیت کو ہم سید صاحب کے ترجمہ کے ساتھ پیش کرتے ہیں:

﴿ أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ

"یا (تو نے اس شخص کو نہیں دیکھا یعنی اس کا حال نہیں جانا جس نے رویا میں دیکھا) کہ گویا وہ گزرا ایک شہر پر ایسی حالت میں کہ وہ سر کے بل گرا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ کیونکر زندہ کرے گا (یعنی آباد کرے گا) اللہ اس کو اس کے مرجانے کے (یعنی ویران ہونے کے) بعد پھر اللہ نے اس کو سو برس تک مرا ہوا رکھا پھر اس کو اٹھایا۔ خدا نے کہا کہ کتنی دیر تو پڑا رہا۔ اس نے کہا کہ میں پڑا رہا ایک دن یا کچھ کم ایک دن کہا بلکہ تو پڑا رہا سو برس پھر دیکھ اپنے کھانے کو اور اپنے پینے کو (کیا) وہ نہیں بگڑا ہے اور دیکھ اپنے گدھے کو (کیا وہ نہیں گل گیا ہے) اور میں چاہتا ہوں کہ تجھ کو ایک نشانی

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٥٩﴾ (البقرۃ۲/ ۲۵۹)

آدمیوں کے لئے بناؤں اور دیکھ ہڈیوں کو کس طرح ہم ان کو حرکت میں لاتے ہیں۔ پھر ان کو گوشت پہناتے ہیں۔ پھر جب اس کو (یہ بات) ظاہر ہوئی۔ اس نے کہا (حالت بیداری میں) میں جانتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

اس ترجمہ میں سید صاحب نے جو چابک دستیاں دکھلائی ہیں اس پر درج ذیل اعتراضات وارد ہوتے ہیں:

① سید صاحب کی یہ عادت ہے کہ جس خرق عادت واقعہ میں تاویل کی کوئی گنجائش نظر نہ آئے۔ وہ اسے خواب کے سپرد کر دیتے ہیں۔ یہاں بھی انہوں نے ابتداء ہی میں بریکٹوں میں (رویا میں دیکھا) لکھ کر اس سہل ترین طریقہ سے مطلب برآری کی ہے جس کے لئے قرآن کے الفاظ میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

② اس واقعہ میں اللہ نے دو طرح کے نشانات بتائے ہیں۔ ایک کھانے پینے کی چیزیں جن پر زمانہ کا کوئی اثر نہیں اور وہ بالکل تر و تازہ رہیں۔ دوسرے گدھا جس پر سو سال کی مدت گزرنے کی وجہ سے اس کی ہڈیاں بھی بوسیدہ ہو گئیں۔ اگر یہ واقعہ خواب کا تصور کیا جائے تو گدھے کو بھی اسی حالت میں ہونا چاہیئے تھا۔ متضاد نتائج کی کیا تک تھی؟

③ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ ﴾ تو کیا کسی کے خواب کے واقعات بھی ﴿ آيَةً لِّلنَّاسِ ﴾ ہو سکتے ہیں؟

④ پھر جب آخر میں آپ حضرت عزیر علیہ السلام کو جگا کر ان کی زبان سے کہلواتے ہیں کہ ﴿ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾ یہ فقرہ بھی وہ خواب ہی میں کہہ دیتے تو کیا فرق پڑتا تھا؟ کیا ﴿ انَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾ کا دائرہ صرف خواب کے واقعات تک ہی محدود ہے تو یہ قدرت کیا ہوئی یہ تو محض انسانی تخیلات ہوتے ہیں حالانکہ اس آیت کا یہی آخری حصہ اس واقعہ کو عالم بیداری کا واقعہ اور معجزہ ثابت کر رہا ہے۔

۵۔ پرندوں کی موت اور زندگی: قرآن کریم کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے متعلق درج ذیل واقعہ بھی مع ترجمہ سید صاحب ملاحظہ فرمائیے:

﴿ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِن قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ

"اور جب کہا ابراہیم علیہ السلام نے (خواب میں) اے پروردگار! مجھ کو دکھا کہ کس طرح تو زندہ کرے گا مردوں کو؟ خدا نے کہا کیا تو یقین نہیں کرتا ابراہیم علیہ السلام نے کہا کیوں نہیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔ خدا نے کہا کہ لے چار پرندے پھر ان کے ٹکڑے کر ڈال پھر رکھ ہر پہاڑ پر ان میں

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦٠﴾ (البقرۃ۲/ ۲۶۰)

سے ایک ٹکڑا پھر ان کو بلا تیرے پاس چلے آئیں گے دوڑتے ہوئے اور جان لے کہ بے شک اللہ زبردست ہے حکمت والا۔"

اس آیت میں حسب عادت سید موصوف نے (خواب میں) کا اضافہ کر لیا ہے۔ یہاں پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت عزیز حکیم (زبردست حکمت والا) کا اظہار اتنی بات سے ہو جاتا ہے کہ وہ کسی کو ایسا خواب دکھلا دے؟ فافھم و تدبر!

غرض یہ اور ایسے بے شمار واقعات ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ سید صاحب نے کس بیچارگی سے افکار مغرب کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں۔

۶۔ **جنت اور دوزخ کی حقیقت:** اخروی زندگی میں نیک اعمال کے بدلہ میں جنت اور بداعمالیوں کے بدلہ میں دوزخ میں داخل کئے جانے کا عقیدہ اسلام کے بنیادی عقائد سے ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنی مکی زندگی کا بیشتر حصہ مسلمانوں میں اسی عقیدہ کو راسخ کرنے میں گزارا اور صدہا آیات قرآن کریم میں ایسی موجود ہیں جو اخروی زندگی میں جنت اور دوزخ کی منظر کشی کرتی ہیں لیکن جنت اور دوزخ بھی چونکہ مابعد الطبیعات سے تعلق رکھتی ہیں اور عقل اور مشاہدہ کے پیمانوں سے ماپی نہیں جا سکتیں لہٰذا سید صاحب جنت اور دوزخ سے مراد محض روحانی لذت اور کُلفت لیتے ہیں..... جنت اور دوزخ کے متعلق اپنی تفسیر جلد ا ص ۳۳ پر رقم طراز ہیں کہ:

"تمام انسانوں میں خواہ وہ سرد ملک کے رہنے والے ہوں یا گرم ملک کے' مکان کی آراستگی اور خوبی' باغ کی خوشنمائی' بہتے پانی کی دِلربائی' میووں کی تروتازگی سب کے دل پر ایک عجیب کیفیت پیدا کرتی ہے۔ اس کے سوا حسن یعنی خوبصورتی سب سے زیادہ دل پر اثر کرنے والی چیز ہے۔ خصوصاً جب کہ وہ انسان میں ہو اور اس سے بھی زیادہ جب کہ وہ عورت میں ہو۔ پس مشیت کی (قرۃ اعین) کو ان کی فطری راحتوں کی کیفیات کی تشبیہ میں اور دوزخ کے مصائب کو آگ میں جلنے اور لہو پیپ پلائے جانے اور تھوہر کھلائے جانے کی تمثیل میں بیان کیا ہے تاکہ انسان کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ بڑی سے بڑی لذت وراحت یا سخت سے سخت عذاب وہاں موجود ہے اور درحقیقت جو لذت وراحت یا رنج وکلفت وہاں ہے۔ ان کو اس سے کچھ بھی مناسبت نہیں ہے۔ یہ تو صرف ایک اعلیٰ راحت واِحتظاظ یا رنج وکلفت کا خیال پیدا کرنے کو اس پیرایہ میں جس میں انسان اعلیٰ سے اعلیٰ احتظاظ اور رنج کو خیال کر سکتا تھا بیان کیا ہے؟" یہ سمجھنا کہ جنت مثل ایک باغ کے پیدا ہوئی ہے۔ اس میں سنگ مرمر اور موتی کے جڑاؤ محل ہیں۔ باغ ہیں اور سرسبز درخت ہیں۔ دودھ اور شراب کی نہریں بہہ رہی ہیں۔ ہر قسم کا میوہ کھانے کو موجود ہے۔ ساقی وساقنیں نہایت خوبصورت چاندی کے کنگن پہنے ہوئے جو ہمارے ہاں کی گھوسنیں پہنتی ہیں' شراب پلا رہی ہیں۔ ایک جنتی حور کے

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

گلے میں ہاتھ ڈالے پڑا ہے۔ ایک نے ران پر سر دھرا ہے۔ دوسرا چھاتی سے لپٹا رہا ہے۔ ایک نے لب جاں بخش (بایں ریش درخش) بوسہ لیا ہے۔ کوئی کسی کونے میں کچھ کر رہا ہے کوئی کسی کونے میں کچھ۔ بیہودہ ہے جس پر تعجب ہوتا ہے اگر بہشت یہی ہے تو بے مبالغہ ہمارے خرابات اس سے ہزار درجہ بہتر ہیں۔" (تفسیر القرآن' ۱/۳۳)

جنت اور دوزخ کے خارجی وجود کا انکار: اقتباس بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت اور دوزخ کا نہ تو کوئی خارجی وجود ہے اور نہ ہی ان کی کوئی حقیقت ہے۔ بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ جنت اور دوزخ محض تخیلات کی دنیا کے دو مختلف پہلوؤں کے نام ہیں۔ اگر کوئی شخص خیالی جنت میں بستا ہے تو بس یہی اصل جنت ہے جس کا ذکر قرآن میں مختلف پیرائے میں بیان ہوا ہے۔ پھر آپ محض اس نظریہ پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ جو لوگ آپ کے ہم خیال ہوں۔ انہیں آپ تربیت یافتہ دماغ سمجھتے ہیں اور جو قرآن کے الفاظ ومعانی کو اصل حقیقت سمجھ بیٹھے ہیں۔ انہیں "کوڑھ مغز ملا" اور "شہوت پرست زاہد" کے القاب سے نوازتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

"انہی آیات (یعنی جو جنت ودوزخ سے متعلق ہیں) کی نسبت دو مختلف دماغوں کے خیالات پر غور کرو' ایک تربیت یافتہ دماغ خیال کرتا ہے کہ وعدہ وعید دوزخ وبہشت کے' جن الفاظ سے بیان ہوئے ہیں ان سے بعینہٖ وہی اشیاء مقصود نہیں بلکہ اس کا بیان کرنا صرف اعلیٰ درجہ کی خوشی وراحت کو فہم انسانی کے لائق تشبیہ میں لانا ہے۔ اس خیال سے اس کے دل میں ایک بے انتہا عمدگی جنت کی اور ایک ترغیب اوامر کے بجالانے اور نواہی سے بچنے کی پیدا ہوتی ہے اور ایک کوڑھ مغز ملا یا شہوت پرست زاہد یہ سمجھتا ہے کہ درحقیقت بہشت میں نہایت خوبصورت ان گنت حوریں ملیں گی شرابیں پئیں گے۔ میوے کھائیں گے۔ دودھ اور شہد کی ندیوں میں نہائیں گے اور جو دل چاہے گا وہ مزے اڑائیں گے اور اس لغو اور بے ہودہ خیال سے دن رات اوامر کے بجالانے اور نواہی سے بچنے میں کوشش کرتا ہے اور جس نتیجہ پر پہلا پہنچا تھا اس پر یہ بھی پہنچ جاتا ہے اور کافہ انام کی تربیت کا کام بخوبی تکمیل پاتا ہے۔ پس جس شخص نے ان حقائق قرآن مجید پر جو فطرت انسانی کے مطابق ہیں۔ غور نہیں کیا۔ اس نے درحقیقت قرآن کو نہیں سمجھا اور وہ اس نعمت عظمیٰ سے محروم رہا۔ (ایضاً۔ ص:۳۵)

اس اقتباس سے یہ معلوم ہوا کہ:

① جو لوگ جنت اور اس کی نعمتوں' دوزخ اور اس کے عذاب ورنج کو ایک حقیقت سمجھتے اور واقع ہونے والا ایک امر خیال کرتے ہیں وہ یا تو کوڑ مغز ملا ہوتے ہیں یا شہوت پرست زاہد یہ دونوں قسم کے لوگ حقیقت قرآن کو مطلق نہیں سمجھے اور نعمت عظمیٰ سے محروم رہے ہیں۔

② اصل حقیقت یہ ہے کہ جنت اور دوزخ اور اس کی نعمتیں یا عذاب سب کچھ تصوراتی باتیں ہیں جو

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

انسان میں ترغیب و ترہیب پیدا کرنے کا کام کرتی ہیں۔ اور جو لوگ اس حقیقت کو سمجھ گئے وہی تربیت یافتہ دماغ ہیں کیونکہ یہ محض نظریاتی چیزیں ہیں۔ عملی زندگی سے ان کا کچھ تعلق نہیں۔

③ کوئی جنت و دوزخ کو محض خیالی سمجھے یا حقیقت سمجھے۔ دونوں کا نتیجہ یکساں ہوتا ہے۔ یعنی انسان اوامر بجالاتا اور نواہی سے بچ جاتا ہے۔

خدا اور رسول ﷺ کے متعلق تصور؟: غور فرمایئے سید صاحب خدا اور رسول ﷺ کے متعلق کیا تصور پیش کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ متواتر تیرہ سال جنت اور اس کی نعمتوں کے متعلق دوزخ اور اس کی تکالیف آیات نازل کرتا رہا اور حضورؐ اس کی تبلیغ کر کے لوگوں کے اس تصور کو پختہ سے پختہ تر کرتے رہے اس تصور کی پختگی سے مقصود یہ تھا کہ یہ لوگ اچھے کام کریں اور برے کاموں سے بچیں۔ جب مقصد حاصل ہو گیا تو اب مرنے کے بعد جنت اور دوزخ کو فی الواقع قائم کرنے کی ضرورت بھی کیا رہ گئی؟ اس سے واضح الفاظ میں یوں سمجھئے کہ خدا اور رسولؐ نے لوگوں سے دھوکا کر کے (معاذ اللہ) اور جنت دوزخ کا تصور پختہ کر کے جب اصل مطلب حاصل کر لیا تو اب اس وعدہ وعید کو عملی شکل دینے کی ضرورت بھی ختم ہو گئی۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے جس کے متعلق اس نے خود فرمایا ہے: ﴿ كَانَ وَعْدُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴾

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

باب: چہارم

نظریہ ارتقاء کا سرسید کے عقائد پر اثر

① فرشتوں پر ایمان

فرشتوں پر ایمان لانا ایمان کا ایک جز ہے اور قرآن میں اس کی صراحت کئی مقامات پر موجود ہے۔ فرشتے اپنا خارجی وجود اور ذاتی تشخص رکھتے ہیں۔ وہ فرشتے آسمان سے نیچے بھی اترتے ہیں۔ زمین سے اوپر آسمان کو چڑھتے بھی ہیں۔ جبرئیل اور میکائیل انہی میں سے ہیں پھر کچھ فرشتے دو دو' تین تین' چار چار پروں والے بھی ہیں۔ فرشتوں نے بدر کے میدان میں مسلمانوں کی مدد بھی کی تھی وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب چیزیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں۔ کہ فرشتوں کا خارجی وجود ضرور ہے لیکن چونکہ وہ غیر مرئی مخلوق ہیں لہٰذا ان پر ایمان لانا "ایمان بالغیب" کا ایک حصہ ہے لیکن سید صاحب موصوف فرشتوں کے خارجی وجود کے منکر ہیں اور ان کا انکار اس بنا پر ہے کہ وہ محسوسات ومشاہدات کی زد سے باہر ہیں۔ نیز ڈارون کے نظریہ ارتقاء کا بھی یہی تقاضا ہے پھر چونکہ ابلیس بھی فرشتوں کی صف میں تھا۔ لہٰذا اس کے خارجی وجود سے بھی آپ نے انکار کر دیا۔ آپ اپنی (تفسیر القرآن:۱/۴۲) پر ارشاد فرماتے ہیں:

"خدا تعالیٰ نے جو اپنے جاہ وجلال اور اپنی قدرت اور اپنے افعال کو فرشتوں سے نسبت کرتا ہے تو جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے ان کا کوئی اصلی وجود نہیں ہو سکتا۔ بلکہ خدا کی بے انتہا قدرتوں کے ظہور کو اور ان قوے کو جو خدا نے اپنی ساری مخلوق میں مختلف قسم کے پیدا کیے ہیں۔ ملک یا ملائکہ کہا ہے جن میں سے ایک ابلیس یا شیطان بھی ہے۔ پہاڑوں کی معدنیت' پانی کی رقت' درختوں کی قوتِ نمو' برق کی قوت جذب ورفع' غرضیکہ تمام قوی جن سے مخلوقات موجود ہوئی ہیں اور جو مخلوقات میں ہیں وہی ملک وملائکہ ہیں جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ انسان ایک مجموعہ قوائے ملکوتی اور قوائے بہیمی کا ہے اور ان دونوں قوتوں کی بے انتہا ذرّیات ہیں۔ جو ہر ایک قسم کی نیکی وبدی میں ظاہر ہوتی ہیں اور انسان کے فرشتے اور ان کی ذرّیات اور وہی انسان کے شیطان اور ان کی ذریات ہیں" (ایضاً۔ ص:۴۲)

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

سرسید کے خیالات کے ماخذ: آپ فرماتے ہیں:

"بعض اکابر اسلام کا بھی یہی مذہب ہے جو میں کہتا ہوں اور امام محی الدین ابن عربی نے فصوص الحکم میں یہی مسلک اختیار کیا ہے۔ شیخ عارف باللہ موید الدین ابن محمود المعروف بالہدی نے جو مریدان خاص شیخ صدر الدین قونوی' مرید امام محی الدین ابن عربی سے ہیں۔ شرح فصوص الحکم میں بہت بڑی بحث لکھی ہے۔" (ایضاً۔ ص:۴۳)

یہ جو اکابر اسلام سید صاحب نے گنوائے ہیں۔ یہ دراصل ابن عربی (۶۳۸ ھ) اور ان کے مرید خاص صدر الدین قونوی اور ان کے مرید شیخ عارف باللہ ہیں۔ ابن عربی گروہ صوفیہ کی معروف شخصیت ہیں اور صوفیہ میں شیخ اکبر کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ ابنِ عربی نے بھی تصوف میں چند نئے نظریات کو داخل کیا تھا۔ مثلاً:

① یہ کہ نبوت وہبی نہیں بلکہ اکتسابی چیز ہے اور عقل کو اپیل کرنے کی وجہ سے سید صاحب نے بھی اس نظریہ کو اپنایا ہے۔

② یہ کہ نبوت چونکہ اکتسابی ہے لہٰذا قیامت جاری رہے گی۔ مرزائے قادیاں نے بھی ابن عربی کی تحریروں سے فائدہ اٹھایا ہے۔

③ یہ کہ ولایت کا مقام نبوت سے بھی آگے نکل جاتا ہے۔ اس کے خیال کے مطابق سب سے نچلا درجہ رسالت کا ہے۔ پھر اس سے اوپر نبوت کا پھر اس سے اوپر ولایت کا۔ چنانچہ وہ کہتا ہے ؎

مَقَامُ النُّبُوَّةِ فِي بَرْزَخٍ فَوِيْقَ الرَّسُوْلِ وَدُوْنَ الْوَلِيْ — "نبوت کا مقام درمیان میں ہوتا ہے جو رسول سے اوپر اور ولی سے نیچے ہوتا ہے"

ابن عربی اس کی دلیل یہ دیتے تھے کہ رسول یا نبی سے تو اللہ تعالیٰ فرشتہ کے ذریعہ بات چیت کرتا ہے لیکن ولی سے یہ بات چیت فرشتہ کے واسطہ کے بغیر ہوتی ہے۔ نیز نبی ہو یا رسول۔ اس کا ایک مخصوص مقام ہوتا ہے جس سے آگے وہ تجاوز نہیں کر سکتا۔ جب کہ ولی واصل بحق بھی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ولایت نبوت سے افضل ہے۔

④ خاتم الانبیاء کی طرح خاتم الاولیاء بھی ایک منصب ہے اور چونکہ نبوت سے ولایت افضل ہے لہٰذا خاتم الانبیاء سے خاتم الاولیاء افضل ہوتا ہے اور موجودہ دور کا خاتم الاولیاء میں ہوں۔ چنانچہ ان کا درج ذیل شعر اسی نظریہ کی ترجمانی کرتا ہے۔ ؎

أَنَا خَاتِمُ الْوِلَايَةِ دُوْنَ شَكٍّ لَوَرَثَ الْهَاشَمِيِّ مَعَ الْمَسِيْحِ — بے شک میں خاتم الاولیاء ہوں کیونکہ مجھے ہاشمی وراثت کے ساتھ ساتھ مسیحی وراثت بھی حاصل ہے"

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

⑤ اور اس کا پانچواں نظریہ یہ تھا کہ انسان کو سب سے زیادہ معرفت الٰہی اس وقت حاصل ہوتی ہے۔ جب وہ کسی عورت سے جماع میں مشغول [1] ہوتا ہے۔

انہی نظریات کی وجہ سے علمائے دین نے اس پر کفر کا فتویٰ لگایا اور حکومت مصر کو اس کے خیالات سے مطلع کر دیا۔ جب اس بات کی ابن عربی کو خبر ہوئی تو ابن عربی نے وہاں سے بھاگ کر دمشق میں آکر پناہ لی۔

ابن عربی فلسفہ وحدت الوجود کا سب سے بڑا پرچارک تھا جو صوفیہ کا مشہور ترین نظریہ ہے اسی وجہ سے صوفیہ اسے شیخ اکبر کے معزز لقب سے یاد کرتے ہیں۔ ان کی تصانیف میں سے دو کتب فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم زیادہ مشہور ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ جو خود بھی صوفیہ میں ایک بلند مقام رکھتے ہیں۔ ان کتابوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہمیں نص سے کام ہے فص سے نہیں اور فتوحات مدینہ نے ہمیں فتوحات مکیہ سے بے نیاز کر دیا ہے۔"

سو یہ ہیں محی الدین ابن عربی اور ان کے مرید صدر الدین قونوی اور ان کے مرید عارف باللہ شارح فصوص الحکم۔ جن کو سید صاحب اکابر اسلام کا نام دے کر ان سے استفادہ فرما رہے ہیں کہ انہوں نے بھی ملائکہ کے ذاتی تشخص کو تسلیم نہیں کیا' چنانچہ لکھتے ہیں:

"شیخ نے اپنے مکاشفہ سے ان جزئیات کے کلیات کو جانا ہوگا مگر چونکہ وہ مکاشفہ ہم کو حاصل نہیں ہے۔ اس لیے ہم انہیں قوی کو جن کو شیخ اور ان کے متبع ذریات ملائکہ قرار دیتے ہیں۔ ملائکہ کہتے ہیں مطلب ایک ہے صرف لفظوں یا جاننے نہ جاننے کا ہیر پھیر ہے۔ شیطان کی نسبت تو قیصری شرح فصوص میں نہایت صاف صاف وہی بات لکھی ہے جو ہم نے کہی ہے۔"

ان حوالہ جات سے یہ بات بہرحال واضح ہو جاتی ہے کہ سید صاحب نے فرشتوں اور ابلیس سے انکار کے ثبوت میں کس طرح کے "اکابر اسلام" سے استفادہ کیا ہے۔

سرسید اور صوفیہ کا ذہنی اتحاد: آپ حیران ہوں گے کہ ابن عربی اور اس کے مرید جو طبقہ صوفیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ولایت کا معیار ہی کرامات سمجھتے ہیں۔ دوسری طرف سرسید جیسے نیچر پرست ہیں جو کرامات تو کیا معجزات کے بھی منکر ہیں پھر یہ دونوں فرشتوں اور ابلیس کے خارجی وجود سے انکار کے مسئلہ پر متفق کیونکر ہو گئے تو گزارش ہے کہ ابن عربی اور اس کے حواریوں کی ضرورت اور تھی اور سرسید کی ضرورت دوسری ہے۔ ابن عربی کا گروہ شیطان کی دشمنی سے نفس کشی' چلے اور ریاضت و مجاہدہ مراد لیتا ہے اور ملکوتی قوتوں یا ملائک کو انسان کے اندر ثابت کر کے فرشتوں کے بجائے خود آسمانوں کی طرف روحانی پرواز کرتا ہے۔ البتہ یہ گروہ خارجی قوتوں کو ملائکہ سے تعبیر نہیں کرتا۔ جب کہ سرسید کو ملائکہ اور ابلیس

---

[1] ان نظریات کی تفصیل اور حوالہ جات کے لئے میری تصنیف "شریعت و طریقت" ملاحظہ فرمائیں۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

انسان کے اندر ہی تسلیم کرنے اور خارجی وجود سے انکار کی ضرورت یہ پیش آئی کہ اس تاویل کے بغیر نظریہ ارتقاء کو اسلامی تعلیم میں فٹ کرنا مشکل تھا۔ لہٰذا دونوں گروہوں نے الگ الگ مقاصد کے پیش نظر فرشتوں، ابلیس اور شیطان کے ذاتی تشخص اور خارجی وجود سے انکار کر دیا۔

فرشتوں کے ذاتی تشخص کے دلائل : اب سوال یہ ہے کہ اگر ملائکہ سے مراد کائنات کی مختلف خارجی قوتیں یا انسان کے اندر نیکی پیدا کرنے والی قوتیں مراد ہیں تو ان قوتوں کو مسلمان کیا ہر انسان حتی کہ دہریے بھی تسلیم کرتے ہیں پھر یہ فرشتوں پر ایمان بالغیب کیا ہوا؟ اور اس آیت کا مطلب کیا ہوگا:

﴿ ءَامَنَ ٱلرَّسُولُ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِۦ وَٱلْمُؤْمِنُونَ ۚ كُلٌّ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَمَلَٰٓئِكَتِهِۦ وَكُتُبِهِۦ وَرُسُلِهِۦ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۸۵)

"رسول اور مومن اس کتاب پر جو اس کے رب کی طرف سے اس پر نازل ہوئی ایمان رکھتے ہیں۔ ہر ایک اللہ اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا۔"

اب دیکھئے درج ذیل آیت فرشتوں کے خارجی وجود کے ثبوت میں کیسی صاف ہے:

﴿ وَقَالَ ٱلَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ أُنزِلَ عَلَيْنَا ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ أَوْ نَرَىٰ رَبَّنَا ﴾ (الفرقان۲۵/ ۲۱)

"اور جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ ہم پر فرشتے کیوں نہ نازل کیے گئے یا ہم اپنی آنکھ سے اپنے پروردگار کو دیکھ لیں۔"

گویا اس دور کے کفار و مشرکین فرشتوں کے خارجی وجود کے اس طرح قائل تھے جس طرح اللہ تعالیٰ کے خارجی وجود کے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو جواب یہ دیا:

﴿ يَوْمَ يَرَوْنَ ٱلْمَلَٰٓئِكَةَ لَا بُشْرَىٰ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِينَ ﴾ (الفرقان۲۵/ ۲۲)

"جس دن یہ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن گنہگاروں کے لیے کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی۔"

تو کیا یہ سب سوال وجواب محض خارجی یا باطنی قوتوں سے متعلق ہی ہو رہے ہیں۔ باطنی قوتیں تو کم وبیش ہر شخص میں اور ایسے ہی کفار میں بھی موجود ہوتی ہیں پھر آخر ان کا مطالبہ کیا تھا؟

نیز یہ بات تو سید صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں کہ عبد کا لفظ روح اور جسم کے مرکب پر بولا جاتا ہے۔ (دیکھئے: تفسیر القرآن ۔ واقعہ اسراء) اس کا استعمال نہ تو صرف روح پر ہو سکتا ہے۔ نہ صرف جسم پر اور نہ ہی خارجی یا باطنی قوتوں پر۔ اب دیکھئے قرآن کریم نے جیسے عبد کا لفظ انسانوں کے لیے استعمال کیا ویسے ہی فرشتوں کے لیے بھی استعمال کیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿ وَجَعَلُوا۟ ٱلْمَلَٰٓئِكَةَ ٱلَّذِينَ هُمْ عِبَٰدُ ٱلرَّحْمَٰنِ إِنَٰثًا ﴾ (الزخرف۴۳/ ۱۹)

"اور انہوں نے فرشتوں کو کہ وہ خدا کے بندے ہیں۔ اناث (خدا کی بیٹیاں) مقرر کیا۔"

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

جبرئیل علیہ السلام کی حقیقت اور نبوت کا مقام: آپ (تفسیر القرآن:۱/۲۳) پر ارشاد فرماتے ہیں:

"نبوت درحقیقت ایک فطری چیز ہے۔ جو انبیاء میں بمقتضاء ان کی فطرت کے مثل دیگر قوی انسانی کے ہوتی ہے۔ جس انسان میں وہ قوت ہوتی ہے وہ نبی ہوتا ہے اور جو نبی ہوتا ہے اس میں وہ قوت ہوتی ہے۔ جس طرح کہ تمام ملکات انسانی اس کی ترکیب اعضاء دل ودماغ وخلقت کی مناسبت سے علاقہ رکھتے ہیں۔ اسی طرح ملکہ نبوت بھی اس سے علاقہ رکھتا ہے۔ بعض دفعہ کوئی خاص ملکہ کسی خاص انسان میں ازروئے خلقت وفطرت کے ایسا قوی ہوتا ہے۔ کہ وہ اس کا امام یا پیغمبر کہلاتا ہے۔ لوہار بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ایک شاعر یا ایک طبیب بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہو سکتا ہے۔ مگر جو شخص روحانی امراض کا طبیب ہوتا ہے اور جس میں اخلاق انسانی کی تعلیم وتربیت کا ملکہ بمقتضائے اس کی فطرت کے خدا سے عنایت ہوتا ہے وہ پیغمبر کہلاتا ہے اور جس طرح کہ اور قوائے انسانی بمناسبت اس کے اعضاء کے قوی ہوتے جاتے ہیں' اسی طرح یہ ملکہ بھی قوی ہوتا جاتا ہے اور جب وہ اپنی پوری قوت پر پہنچ جاتا ہے تو اس سے وہ ظہور میں آتا ہے جس کو عرف عام میں بعثت سے تعبیر کرتے ہیں۔ (ایضاً ص:۲۴)

"خدا اور پیغمبر میں بجز اس ملکہ نبوت کے جس کو ناموس اکبر اور زبان شرع میں جبرئیل کہتے ہیں اور کوئی ایلچی پیغام پہنچانے والا نہیں ہوتا۔ اس کا دل ہی وہ آئینہ ہوتا ہے جس میں تجلیات ربانی کا جلوہ دکھائی دیتا ہے۔ اس کا دل ہی وہ ایلچی ہوتا ہے جو خدا کے پاس پیغام لے جاتا ہے اور خدا کا پیغام لے کر آتا ہے۔ وہ خود ہی وہ مجسم چیز ہوتا ہے۔ جس میں خدا کے کلام کی آوازیں نکلتی ہیں۔ وہ خود ہی وہ کان ہوتا ہے جو خدا کے لیے حرف وبے صوت کلام کو سنتا ہے خود اس کے دل سے فوارہ کی مانند وحی اٹھتی ہے اور خود اسی پر نازل ہوتی ہے۔ اس کا عکس اس کے دل پر پڑتا ہے جس کو وہ خود ہی الہام کہتا ہے اس کو کوئی نہیں بلواتا' بلکہ وہ خود بولتا ہے اور خود ہی کہتا ہے: ﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴾ ہزاروں شخص ہیں جنہوں نے مجنونوں کی حالت دیکھی ہوگی وہ بغیر بولنے والے کے اپنے کانوں سے آوازیں سنتے ہیں۔ تنہا ہوتے مگر اپنی آنکھوں سے اپنے پاس کسی کو کھڑا ہوا دیکھتے ہیں۔ باتیں سنتے ہیں اور باتیں کرتے ہیں۔ ہاں ان دونوں میں اتنا فرق ضرور ہے کہ پہلا مجنوں ہے اور دوسرا پیغمبر گو کہ کافر پچھلے کو بھی مجنوں بتاتے تھے۔" (ایضاً۔ ص:۲۵)

"خدا نے بہت سی جگہ قرآن مجید میں جبرئیل کا نام لیا ہے مگر سورہ بقرہ میں اس کی ماہیت بتا دی ہے جہاں فرمایا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے تیرے دل میں قرآن کو خدا کے حکم سے ڈالا ہے۔ دل پر اتارنے والی یا دل میں ڈالنے والی چیز وہی ہوتی ہے جو خود انسان کی فطرت میں ہو نہ کوئی دوسری چیز جو فطرت سے خارج اور خود انسان کی خلقت سے جس کے دل پر ڈالی گئی ہو جداگانہ ہو" (ایضاً ص۲۵)

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

فطری ملکہ اور نبوت میں فرق: سید صاحب کا یہ نادر انکشاف کئی لحاظ سے غلط ہے:

① یہ فطری ملکہ اگر ابتدائے فطرت سے ہوتا ہے تو اس کا اظہار بھی ابتداء ہی سے ہونا چاہیئے مثل مشہور ہے۔ "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" شاعر نابغہ اور فطین قسم کے لوگ جو ابتدائے فطرت سے یہ ملکہ لے کر پیدا ہوتے ہیں تو ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ ایک مدت معینہ تک تو انہیں خود بھی اور دوسروں کو بھی ان کے اس "ملکہ فطرتی" کا علم تک ہی نہ ہو اور عمر کے ایک خاص حصہ میں اس کا پوری شدومد سے ظہور شروع ہو جائے۔ یہ چیز فطرت کے خلاف ہے لیکن انبیاء میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک معین مدت تک نہ انہیں خود ہی "وحی" کے نزول کا علم ہوتا ہے اور نہ ہی دوسروں کو ایسا گمان ہوتا ہے کہ اس میں "وحی" والا فطرتی ملکہ موجود ہے۔

② اس فطری ملکہ کا جب ظہور شروع ہو جاتا ہے تو اس میں بدستور ارتقاء کا عمل جاری رہتا ہے اور وہ دو طرح سے ہوتا ہے۔

1. اس خاص فن میں مزید کمال حاصل ہوتا ہے۔
2. تجربہ کی بنا پر اس کے نظریات میں تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے۔

فطری ملکہ اور علامہ اقبالؒ: اب ہم ان باتوں کو ایک مثال سے واضح کرتے ہیں علامہ اقبال کے متعلق یہ تو مسلمہ امر ہے کہ ان میں شعر کا فطری ملکہ موجود تھا۔ اب دیکھئے انہوں نے بچپن ہی میں کسی بچہ کو مخاطب کر کے ایک نظم کہی تھی، جس کا پہلا شعر ہے ؎

میں نے چھینا تجھ سے چاقو اور چلاتا ہے تو — مہرباں ہوں مگر نامہرباں سمجھا ہے تو

لیکن علامہ موصوف کے آخری زندگی کے اشعار بلحاظ شعریت اس نظم سے بدرجہا بلند ہیں۔ مثلاً ؎

سمجھتی ہیں مآل گل، مگر کیا زور فطرت ہے — سحر ہوتے ہی کلیوں کو تبسم آہی جاتا ہے

گویا اس خاص ملکہ فطری میں بھی ارتقاء و پختگی کا عمل جاری رہا ہے جیسا کہ مندرجہ بالا دونوں شعروں میں بالحاظ سلاست و شعریت زمین آسمان کا فرق ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ کے نظریات زندگی بدلتے رہے تھے ایک وقت تھا جب علامہ موصوف پکے نیشنلسٹ یا وطن پرست تھے۔ اس وقت آپ نے یہ شعر کہا ؎

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا — ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا

پھر جب آپ وطن پرست کی بجائے اسلام پرست یا "مسلم" بن گئے تو آپ کا نعرہ یہ تھا ؎

چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا — مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

پھر اس نظریہ میں اس قدر پختہ ہوئے کہ مولانا حسین احمد مدنی مہتمم دارالعلوم دیوبند نے انگریزوں کو وطن سے نکالنے کی خاطر کانگرس کے نظریہ کو قبول کر لیا اور یہ نظریہ پیش کیا کہ قومیں اوطان سے بنتی ہیں تو علامہ موصوف نے ان کو درج ذیل رباعی لکھ کر بھیجی ؎

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

عجم ہنوز نہ داند رموز دین ورنہ ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی ست
سرود برسر منبر کہ قوم از وطن است چہ بے خبر ز مقام محمد عربی ست

اسی طرح ایک وقت تھا جب علامہ موصوف روس کے فلسفہ اشتراکیت سے سخت متاثر تھے۔ اس دور میں آپ نے اشتراکیت کے حق میں بہت سے اشعار قلمبند کیے اور لینن کو وہ پیغمبر سے کم نہیں سمجھتے تھے۔ کہتے ہیں ؎

نیست پیغمبر ولیکن ود بغل دارد کتاب

پھر جب آپ نے اسلام کا بنظر غائر مطالعہ کیا تو اس نظریہ اشتراکیت سے تائب ہو گئے چنانچہ لکھتے ہیں ؎

دین آن پیغمبر ناحق شناس بر مساوات شکم دارد اساس

اسی طرح کسی وقت آپ تصوف سے اس قدر متاثر تھے کہ آپ کے گھر پر ابن عربی کی فتوحات مکیہ کا درس ہوا کرتا تھا پھر جب آپ نے اسلامی تعلیمات کو اپنایا تو اس رہبانیت سے بیزار ہو کر لکھتے ہیں ؎

گو سفندے در لباس آدم است حکم اوبر جان صوفی محکم است
بر تخیل ہائے او فرماں رواست جام او خواب آورد گیتی رباست
قوم ہا از شکر او مسموم گشت خفت و از ذوق عمل محروم گشت

غور فرمایئے کہ کیا پیغام نبوت میں بھی ایسے تغیرات کی گنجائش ہے؟ نبی بھی بہرحال انسان ہی ہوتا ہے اگر ملکہ نبوت کی صورت بھی دوسرے ملکات انسانی کی طرح ہے تو پھر یہ ان تغیرات سے کیوں کر محفوظ رہ سکتا ہے؟ قرآن کی پہلی وحی بلحاظ فصاحت وبلاغت اور ہدایت وہی درجہ رکھتی ہے جو آخری وحی کا ہے پھر اس کا اپنا دعویٰ ہے کہ اس کلام پر پورے ۲۳ سال کے عرصہ میں کوئی تضاد نظر نہیں آئے گا۔ اس پر نہ ارتقائے فن کا کچھ اثر ہے نہ ارتقائی نظریات کا پھر ہم سرسید کے اس نادر فلسفہ کو کیونکر صحیح قرار دے سکتے ہیں؟

③ وحی کے متعلق یہ شعور کے وہ ایک نبی کے دل سے اٹھتی پھر اسی کے دل پر گرتی ہے۔ جب اٹھتی ہے تب تو اس منہ سے بے آواز نکلتی ہے البتہ جب گرتی ہے اس وقت منہ سے آواز نکلنے لگتی ہے اور وہ بھی اس حالت میں کہ وہ سمجھتا ہے کہ اس کے پاس کوئی موجود ہے جو اس سے ہم کلام ہو رہا ہے جیسے: ﴿ قُلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ﴾ یعنی وہ فرضی خارجی ہستی اس نبی کو کچھ بتلا رہی ہے۔ اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ نبی پر وحی کے نزول کے وقت اس کے ہوش وحواس قائم نہیں ہوتے۔ (نعوذ باللہ من ذلک) یہ سوقیانہ تخیل سید صاحب کو شائد ان کے ابلیس ہی نے سمجھایا ہے۔ کسی نبی کے متعلق اس کے متبعین ایسا تصور کبھی برداشت نہیں کر سکتے اس طرح تو وحی ساری کی ساری مشکوک ہو کر رہ جاتی ہے۔

ہم حیران ہیں کہ آپ نے جبرئیل علیہ السلام کے وجود کی نفی میں جو مجنوں کی مثال کا سہارا لیا ہے تو یہ بات

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

بھی آپ کے نظریہ کے خلاف ہے مجنوں اسے کہتے ہیں جسے جن پڑ گئے ہوں' یا جو آسیب زدہ ہو اور سرسید جن کے وہ معنی نہیں لیتے جو عام فہم ہیں۔ بلکہ وہ جن سے دیہاتی لوگ مراد لیتے ہیں (تفصیل آگے آئے گی) اب یہ عقیدہ بھی سید صاحب ہی حل فرما سکتے ہیں کہ مجنوں کے سامنے جو چیز آکھڑی ہوتی ہے اور اس سے باتیں کرتا اور مجنوں سے سوال وجواب ہوتا ہے تو وہ ہستی کیا چیز ہوتی ہے؟

④ پیغامبر کی یہ شرح بھی عجیب ہے کہ وہ خدا تک پیغام لے بھی جاتا ہے اور پھر وہ پیغام واپس بھی لاتا ہے تو پھر اس معاملہ میں خدا کی ضرورت بھی کیا ہے؟ کیا نبی اپنا پیغام خدا کے پاس Aprove کرانے کے لیے جاتا ہے۔ آخر اس ڈبل ڈیوٹی کا فائدہ کیا ہے۔ جو آپ نے پیغمبر کے سر پر ڈال دی ہے؟ فرماتے ہیں کہ وہ آواز بھی ہوتا ہے اور کان بھی۔ خود ہی کہتا ہے خود ہی سنتا ہے۔ اب اس میں خدا کا کیا واسطہ رہا؟ آواز تو اس کی اپنی ہی ہوتی ہے پھر وہ اندر کی بے صوت و بے حرف کلام کب سنتا ہے؟ اور اسے کیسے سمجھتا ہے؟ عجیب قسم کے گورکھ دھندا میں آپ مسلمانوں کو گھسیٹنا چاہتے ہیں۔

⑤ یہ بے صوت و بے حرف کلام کا نظریہ خالصتاً معتزلین کا مردود نظریہ ہے۔ وہ خدا کو صفت کلام سے عاری قرار دیتے تھے۔ جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

نبوت اور قرآن کریم:

⑥ اب دیکھئے قرآن کریم جبریل اور نزول وحی کے متعلق کیا تصور پیش کرتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ ٱلْهَوَىٰٓ ۝٣ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْىٌ يُوحَىٰ ۝٤ عَلَّمَهُۥ شَدِيدُ ٱلْقُوَىٰ ۝٥ ذُو مِرَّةٍ فَٱسْتَوَىٰ ۝٦ وَهُوَ بِٱلْأُفُقِ ٱلْأَعْلَىٰ ۝٧ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ۝٨ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۝٩ فَأَوْحَىٰٓ إِلَىٰ عَبْدِهِۦ مَآ أَوْحَىٰ ۝١٠﴾ (النجم ۵۳/ ۳-۱۰)

"اور (محمد ﷺ) اپنی نفسانی خواہش سے نہیں بولتا وہ خدا کی طرف سے وحی ہے جو اس کی طرف بھیجی جاتی ہے۔ اسے بڑی زبردست قوت والے نے سکھایا۔ طاقت ور (جبریل) نے پھر وہ سیدھا اور قائم ہو گیا اور وہ آسمان کے اونچے کنارے پر تھا پھر قریب ہوا اور جھک گیا پھر وہ کمان کے دو گوشوں کے برابر یا اس کے بھی قریب ہو گیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی طرف وحی کی جو کچھ کرنا مقصود تھی۔

دیکھ لیجیے ان آیات میں وحی ڈالنے والی کسی خارجی ہستی کا ثبوت ملتا ہے یا نہیں؟ سورہ جن میں فرمایا کہ جب وحی اتاری جاتی ہے تو اس بناء پر فرشتے کے اردگرد پہرہ بھی لگایا جاتا ہے تاکہ پوری حفاظت سے یہ وحی نبی تک پہنچ جائے اور اس میں کسی قسم کی آمیزش نہ ہو۔ ایک دوسرے مقام پر پیغامبر فرشتے یعنی جبریل کو روح الامین کے لقب سے پکارا گیا ہے۔ یعنی وہ پیغام رسانی میں پوری امانت ودیانت سے کام لیتا ہے۔ یہ ہے اہتمام وحی کو نبی کے دل تک پہنچانے کا۔ اب بتائیے اس اہتمام وحفاظت وحی کو مجنونانہ تخیلات یا ماہرانہ کمالات سے کچھ نسبت ہو سکتی ہے؟

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

قرآن کریم میں ایک مقام پر دو فرشتوں کے نام بھی آئے ہیں۔ نام اسی چیز کا ہوتا ہے جس کا کوئی الگ تشخص ہو' اب دیکھئے ان کے متعلق سید صاحب کیا کہتے ہیں۔

جبرئیل اور میکائیل :

"اس سبب سے یہود جبرئیل کو اپنا دشمن سمجھتے تھے اور اس سے عداوت رکھتے تھے۔ اسی کی نسبت خدا نے فرمایا ہے کہ جو کوئی جبرئیل کا یا میکائیل کا دشمن ہے' بے شک خدا اس کا دشمن ہے۔ مگر جبرئیل ومیکائیل کا اس آیت میں حکایتاً نام آنے سے ان کے ایسے وجود پر جیسا کہ یہودیوں نے اور ان کی پیروی میں مسلمانوں نے تصور کیا ہے' استدلال نہیں ہو سکتا۔" (ایضاً۔ ص:۱۰۶)

"یہود یہ سمجھتے تھے کہ جبرئیل جو ہمارا دشمن ہے۔ وہ آنحضرت ﷺ کو یہ بات سکھاتا ہے خدا نے پیغمبر سے کہا کہ "تو کہہ دے کہ ہاں جبرئیل ہی اللہ کے حکم سے میرے دل میں باتیں ڈالتا ہے۔ مگر جو کوئی ان باتوں کا اور فرشتوں کا اور جبرئیل ومیکائیل کا اور رسولوں کا دشمن ہے۔ خدا اس کا دشمن ہے۔ فرشتوں کی دشمنی بیان کرنے کے بعد جبرئیل ومیکائیل کا بالتخصیص نام لینا گویا یہود کے خیالات کا اعادہ ہے اور وہ نام مقصود بالذات نہیں ہیں۔ کیونکہ اگر یہودیوں کا یہ خیال نہ ہوتا تو غالباً وہ نام نہ لیے جاتے۔ پس ان دونوں کے نام قرآن میں آنے سے یہ ثابت نہیں ہو جاتا کہ درحقیقت اس نام کے دو فرشتے اپنے الگ الگ وجود کے ساتھ ایسی ہی مخلوق ہیں جیسے زید وعمر۔" (ایضاً۔ ص:۱۳۰)

اب دیکھئے کہ بحث اس میں نہیں' جبرئیل ومیکائیل کے نام یہودیوں نے رکھے تھے یا خدا نے؟ اگر بالفرض یہودیوں نے ہی رکھے ہوں اور خدا نے ان ناموں کا اعادہ کر دیا ہو تو بھی یہ خدا ہی کی طرف سے ہوئے بحث اس میں ہے کہ آیا فرشتے اپنا الگ وجود رکھتے ہیں یا نہیں؟ اس کے لیے سید صاحب نے کیا دلیل دی ہے؟ محض ان کے خیالات تو قابل تسلیم نہیں بن سکتے۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ایک بات یہودیوں میں مشہور ہو گئی خواہ وہ کیسے ہوئی پھر مسلمانوں میں آگئی۔ اگر وہ غلط تھی یعنی فرشتوں کے الگ وجود کے تصورات ٹھیک نہ تھے تو اللہ تعالیٰ کو ان کی تردید کرنا چاہیئے تھی۔ نہ کہ ان کا اعادہ کر کے ان غلط تصورات کو مزید تائید بخشنا چاہیئے تھی۔

② ابلیس یا شیطان

سید صاحب ابلیس یا شیطان کو خارجی وجود نہ ہونے کے اعتبار سے فرشتوں کی صف میں لے آئے ہیں اور ابلیس یا شیطان سے مراد لیتے ہیں انسان کی سرکش قوت یا عقل بے باک قرآن کریم سے شیطان کے متعلق دو باتوں کا پتہ چلتا ہے۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

① شیطان کی نوع' نوع انسانی سے الگ ہے۔ شیطان کا نوع انسانی سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ وہ خود خدا کے حضور اپنی برتری کے ثبوت میں کہتا ہے:

﴿ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ ﴿١٢﴾ ﴾ (الأعراف۷/ ۱۲)

"(اے پروردگار!) تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے۔"

① اس کی نسل بھی ہے اور اولاد کا سلسلہ چلتا ہے:

﴿ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ ۗ أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِي وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ﴾ (الکہف۱۸/ ۵۰)

"ابلیس جنوں سے تھا۔ اس نے اپنے پروردگار کے حکم سے سرتابی کی۔ کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔"

اب فرمایئے کہ نفس سرکش پر الگ نوع کا اطلاق ہو سکتا ہے' یا اس کی اولاد کا تصور ہو سکتا ہے؟ ہو سکتا ہے کہ بعض نکتہ سنج قسم کے لوگ شیطان کی اولاد سے مراد "اس نفس سرکش کے اجزاء" مراد لے لیں جیسا کہ وہ دو دو' تین تین اور چار چار پروں والے فرشتوں سے مراد قوت کی کمی بیشی بھی لے لیتے ہیں تو ہم عرض کریں گے کہ ایسی دور از کار تاویلات انہی لوگوں کو مبارک۔ قرآن پہیلیوں کی زبان میں نہیں اترا اور نہ ہی ہم یہ تسلیم کرنے کو تیار ہیں کہ اس دور سے پہلے کسی نے قرآن کے حقیقی مفہوم کو سمجھا ہی نہ تھا۔

۳۔ جنّ

فرشتوں پر ایمان کے سلسلہ میں جن کا ذکر بھی از خود آجاتا ہے۔ فرشتوں اور ابلیس و آدم علیہ السلام اور خدا کا مکالمہ قرآن میں کئی بار آیا ہے۔ ابلیس گو فرشتوں میں رہتا تھا تاہم وہ جنوں سے تھا۔ جو فرشتوں سے الگ مخلوق تھی۔ اور انسانوں سے بھی کیونکہ انسان مٹی سے پیدا ہوا ہے اور جن آگ سے۔ اب جن بھی چونکہ غیر مرئی مخلوق ہے۔ لہٰذا اس سے بھی سید صاحب نے انکار کر دیا۔ دلیل یہ ہے کہ جن کے معنی پوشیدہ اور اس کا تصور ذہن کو بڑی قد آور' دیو ہیکل صفت کی طرف منتقل کرنا ہے لہٰذا لفظ جن کا اطلاق ان انسانوں پر ہوتا ہے جو آبادیوں سے دور صحراؤں اور جنگلوں میں رہتے تھے اور شہری لوگوں سے زیادہ طاقتور اور ڈیل ڈول میں زیادہ قوی اور مضبوط تھے۔ چنانچہ سید صاحب ان جنوں سے جو سلیمان علیہ السلام کے لیے قلعے' مجسّمے' لگن اور تالاب وغیرہ بناتے تھے' دیہاتی سہٹے کٹے قسم کے صناع مراد لیتے ہیں۔

اب دیکھئے قرآن کریم میں دیہاتیوں کے لیے الاعراب اور دیہاتی آبادیوں کے لیے بدو کا لفظ آیا ہے۔ امام راغب صاحب مفردات القرآن میں کہتے ہیں کہ ﴿ جَاءَ بِكُم مِّنَ الْبَدْوِ ﴾ (۱۲:۱۰۰) "آپ کو گاؤں سے

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

یہاں لایا۔" میں بدو بمعنی بادیہ (صحراء) ہے اور ہر وہ مقام جہاں بلند عمارات وغیرہ نہ ہوں اور تمام چیزیں نظر آتی ہوں اسے بدو (بادیہ) کہا جاتا ہے اور البادی کے معنی صحرا نشین کے ہیں۔

گویا سرسید تو دیہاتیوں کو نظروں سے اوجھل کر کے انہیں جن کہتے ہیں۔ جب کہ امام راغب انہیں خوب نمایاں کر کے انہیں دیہاتی کہتے ہیں اور قرآن امام راغب کے قول کی تائید کرتا ہے۔ جنوں کی آگ سے تخلیق کے بارے میں سید صاحب فرماتے ہیں:

"قوائے بہیمیہ کو جن کا مبداء حرارت غریزی وحرارت خارجی ہے آگ سے مخلوق ہونا ٹھیک ٹھیک ان کی فطرت بتلاتا ہے" (ایضاً۔ ص:۵۸)

اب دیکھئے حرارتِ غریزی انسان میں اس وقت سب سے زیادہ ہوتی ہے جب وہ پیدا ہوتا ہے اور جوں جوں وہ بڑا اور پھر بوڑھا ہوتا جاتا ہے۔ یہ حرارت کم ہوتی جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب انسان پیدا ہوتا ہے اس وقت وہ پورا شیطان یا ابلیس یا جن ہوتا ہے اور جوں جوں وہ ارذل العمر کو پہنچتا جاتا ہے وہ انس یا انسان بنتا جاتا ہے۔ یا بالفاظ دیگر بچپن میں ہر انسان کا جن خوب ہٹا کٹا اور طاقتور ہوتا ہے اور جوانی میں اسے بہرحال کمزور ہو جانا چاہیئے یہ بات بھی مشاہدہ کے خلاف ہے۔

اب دیکھئے درج ذیل آیات ابلیس اور جنوں کے خارجی وجود کے متعلق کتنی صاف ہیں:

ابلیس کے خارجی وجود کا ثبوت:

﴿ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿٣٤﴾ ﴾ (الحجر ۱۵/ ۳٤) (اللہ نے ابلیس سے) فرمایا: "جنت سے نکل جاتو مردود ہے۔"

ذرا سوچئے کیا اللہ تعالیٰ نے یہ حکم آدم علیہ السلام کے سرکش جذبات کو دیا تھا؟ اور دوسرے مقام پر ہے:

﴿ فَكُبْكِبُوا فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُونَ ﴿٩٤﴾ وَجُنُودُ إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ ﴿٩٥﴾ ﴾ (الشعراء ۲٦/ ۹٤۔۹۵) "تو وہ بھی اور گمراہ لوگ بھی دوزخ میں ڈالے جائیں گے اور ابلیس کے سارے لشکر بھی۔"

جنوں کے خارجی وجود کا ثبوت:

﴿ وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ﴿١٥٨﴾ ﴾ (الصافات ۳۷/ ۱۵۸) "اور انہوں نے خدا اور جنوں میں رشتہ مقرر کر لیا حالانکہ جنات جانتے ہیں کہ وہ خدا کے سامنے حاضر کئے جائیں گے۔"

اب ظاہر ہے آج تک کسی جاہل سے جاہل قوم نے دیہاتی لوگوں یا سرکش جذبات کو خدا کا رشتہ دار نہیں بنایا۔ بقول پرویز صاحب اب یہ بھوت پریت یا دیوی دیوتا ہی ہو سکتے ہیں لیکن اس آیت میں وہمی اشیاء بھی مراد نہیں لی جا سکتیں کیونکہ وہمی اشیاء کا علم وشعور سے کیا تعلق؟ لہٰذا واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ جن کوئی الگ مخلوق ہے جو آج بھی موجود ہے۔ اپنا ذاتی تشخص بھی رکھتی ہے اور علم وشعور بھی۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

④ قصہ آدم علیہ السلام وابلیس

فرشتوں' ابلیس' شیطانوں اور جنوں کے خارجی وجود سے انکار کے بعد اب سید صاحب آدم علیہ السلام کی طرف توجہ فرماتے اور آدم کی تشریح ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"آدم کے لفظ سے وہ ذات خاص مراد نہیں ہے جس کو عوام الناس اور مسجد کے ملا باوا آدم کہتے ہیں۔ بلکہ اس سے نوع انسانی مراد ہے جیسا کہ تفسیر کشف الاسرار وہتک الاستار میں لکھا ہے: ھو باالمقصود بادم آدم وحدہ ...... اور خود خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوْا لِآدَمَ ﴾ پس "کُمْ" کا خطاب کل انسانوں کی طرف ہے اور آدم سے بنی آدم یعنی نوع انسانی مراد ہیں۔ (ایضاً۔ ص:۴۸)

اقتباس بالا میں لفظ آدم کی یہ تشریح پیش کر کے سید صاحب نے مکمل طور پر ڈارون کے نظریہ ارتقاء کے لئے راستہ ہموار کر لیا ہے۔ آدم علیہ السلام کی اس نئی تشریح میں آپ نے مشہور و معتبر تفاسیر کو نظرانداز کر کے کسی مجہول تفسیر کشف الاسرار وہتک الاستار کا سہارا لیا ہے۔ صاحب تفسیر کا نام آپ نے درج نہیں فرمایا۔ کہ اس پر کچھ تبصرہ کیا جائے البتہ تفسیر کے نام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صاحب تفسیر نے قرآن کو اسرار و رموز کا مجموعہ سمجھ رکھا ہے اور مصنف صاحب ان سربستہ رازوں کو کھولنے اور پردوں کو ہٹانے کی کوشش فرما رہے ہیں۔ اور جو اسرار انہوں نے بیان فرمائے وہ سید صاحب کے مطلب کی چیز تھی۔ باطنی فرقہ کے لوگوں نے بھی قرآن کے ساتھ یہی کچھ کیا تھا۔ اب اگر صاحب تفسیر اور ان کے تتبع میں سید صاحب بھی یہی کچھ کر لیں تو کیا مضائقہ ہے۔

رہی یہ بات کہ لَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ سے یہ سمجھنا کہ آدم علیہ السلام سے پہلے بنی نوع انسان یا بنی آدم علیہ السلام بکثرت موجود تھے تو یہ کئی لحاظ سے غلط ہے۔

① جہاں بنی آدم کے تذکرہ کی ضرورت تھی وہاں اللہ تعالیٰ نے بنی آدم علیہ السلام کا لفظ ہی استعمال کیا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ ﴾ آدم علیہ السلام کا قصہ قرآن میں بیسیوں مقامات پر مذکور ہے لیکن کسی جگہ بھی آدم علیہ السلام کے بدل بنی آدم کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ اس سے صاف واضح ہے کہ آدم علیہ السلام سے مراد بنی نوع انسان یا بنی آدم کا نمائندہ نہیں بلکہ مخصوص فرد واحد ہے۔

② یہ آدم علیہ السلام ایک برگزیدہ انسان تھے اور ان کا ذکر چونکہ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ہوا ہے لہٰذا ظن غالب یہی ہے کہ وہ نبی تھے۔ ارشاد باری ہے:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ ٱصْطَفَىٰٓ ءَادَمَ وَنُوحًا وَءَالَ إِبْرَٰهِيمَ وَءَالَ عِمْرَٰنَ عَلَى ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٣٣﴾ ﴾

"بے شک خدا نے آدم اور نوح علیہما السلام اور آل ابراہیم اور آل عمران علیہم السلام کو تمام جہان کے لوگوں

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

(آل عمران ۳/ ۳۳) میں منتخب فرمایا تھا۔"

③ درج ذیل آیت حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت پر واضح دلیل ہے:

﴿ فَتَلَقَّىٰ ءَادَمُ مِن رَّبِّهِۦ كَلِمَٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلتَّوَّابُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٣٧﴾ ﴾ (البقرۃ ۲/ ۳۷) "پھر آدم علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات سیکھے تو اللہ نے اس کی توبہ قبول فرمائی۔"

مندرجہ بالا آیات میں ﴿ فتاب علیه ﴾ کے الفاظ اس بات پر شاہد ہیں کہ یہاں کوئی اصول نہیں بیان کیا جا رہا بلکہ کسی فرد واحد کی توبہ کی قبولیت کی اطلاع دی جا رہی ہے جو بغیر وحی کے ممکن نہیں' لہٰذا حضرت آدم علیہ السلام فرد واحد اور برگزیدہ انسان اور نبی تھے۔

ان تصریحات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آدم علیہ السلام سے پہلے بنی آدم علیہ السلام موجود نہیں ہو سکتے۔ اب ہم سید صاحب کی اس دلیل کا جائزہ لیتے ہیں جو اس طرح شروع ہوتی ہے:

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَٰٓئِكَةِ ٱسْجُدُوا۟ لِءَادَمَ ﴾ (الأعراف ۷/ ۱۱) "اور بے شک ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر صورت بنائی پھر فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔"

اس آیت میں ﴿ ثُمَّ قُلْنَا ﴾ کے لفظ سے آپ نے یہ استدلال کیا ہے کہ اس قصہ آدم سے پیشتر بنی نوع انسان موجود تھے جن کے لئے جمع کی ضمیر کم استعمال ہوئی ہے۔ یہ آیت سورہ اعراف کی نمبر ۱۱ ہے۔ درمیان میں سے کسی آیت کا ٹکڑا پیش کر کے مقصد برآری کوئی مستحسن فعل نہیں ہوتا۔ اس آیت کے مخاطب دور نبوی کے لوگ ہیں اگر سورہ کو شروع سے پڑھ لیا جائے تو ذہن خود بخود صاف ہو جاتا ہے۔ آیت نمبر ۳ سے مستقل مضمون چلا آرہا ہے اور وہ یوں شروع ہوتی ہے:

﴿ ٱتَّبِعُوا۟ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ ﴾ (الأعراف ۷/ ۳) "لوگو! جو کتاب تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوئی ہے اس کی پیروی کرو۔"

تو یہاں لفظ خلقناکم سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ لیکن مخاطب چونکہ عوام الناس ہیں جو کہ بنی آدم علیہ السلام ہی ہیں۔ اس لئے جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ جب فاعل یا مفعول ایک یا ایک سے زیادہ ہوں تو ضمیر واحد بھی استعمال ہو سکتی ہے اور جمع کی بھی جیسا کہ قرآن میں قصہ موسیٰ وخضر میں استعمال ہوئی ہیں۔ حضرت خضر موسیٰ علیہ السلام کو تینوں واقعات کی تاویل بتلاتے ہیں تو پہلے واقعہ کے لئے اَرَدْتُّ جمع متکلم کا حالانکہ کشتی توڑنے میں خدا اور اس کی مشیت کو بھی ایسا ہی دخل تھا جیسے لڑکے کو مار دینے میں۔

قصہ آدم میں گفتگو کے فریق: پھر سید صاحب فرماتے ہیں:

"اس قصہ میں چار فریق بیان ہوئے ہیں ایک خدا' دوسرے فرشتے (یعنی قوائے ملکوتی)۔ تیسرے ابلیس یا شیطان (یعنی قوائے بہیمی) چوتھے آدم (یعنی انسان جو مجموعہ ان قوی کا ہے اور جس میں مرد وعورت دونوں شامل ہیں) مقصود قصہ کا انسانی فطرت کی زبان حال سے انسان کی فطرت بیان کرنا ہے۔ خدا جو سب کا پیدا کرنے والا ہے۔ گویا قوائے ملکوتی کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ میں ایک

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

مخلوق یعنی انسان کثیف مادہ سے پیدا کرنے والا ہوں۔ مگر وہی میرا نائب ہونے کے لائق ہے۔ جب میں اس کو پیدا کر چکوں تو تم سب اس کو سجدہ کرنا۔ اس مقام پر مخاطبین کو (یعنی قوائے ملکوتی کو: مولف) اس بات کا کہ اس مخلوق (یعنی انسان) میں قوائے بہیمیہ (یعنی ابلیس یا شیطان) بھی موجود ہوں گے۔ عالم قرار دیا گیا ہے اور بمقتضائے فطرت ان قوی کے انہوں نے کہا کہ کیا تو ایسے کو خلیفہ کرے گا جو زمین پر فساد مچا دے اور خون بہا دے اور قوائے ملکوتی نے اپنی فطرت اسی طرح بیان کی کہ ہم تو تیری ہی تعریف کرتے ہیں اور تجھ پاک کو یاد کرتے ہیں۔" (ایضاً۔ ص:۴۹)

اب دیکھئے کہ جو منظر کشی سید صاحب نے پیش فرمائی ہے۔ اس میں نہ وہ فرشتوں کا خارجی وجود تسلیم کرتے ہیں نہ ابلیس یا شیطان کا باقی رہ گئے۔ دو یعنی خدا اور انسان' خدا بھی غیر مرئی ہستی ہے۔ اب میدان میں صرف ایک فریق یعنی انسان رہ گیا۔ وہ بھی کوئی متعین ہستی نہیں پھر اس کا زمانہ بھی انسانی گرفت سے ماوراء ہے تو یہ بات کیا ہوئی؟ قرآن نے جو اس واقعہ کو بیسیوں مقامات پر دہرا دیا ہے تو کیا یہ محض ایک ڈرامہ ہی تھا؟ چلئے ہم اسے سید صاحب کے بقول تمثیل یا ڈرامہ ہی سمجھ لیتے ہیں تو کیا کبھی ایسا ڈرامہ بھی منظر عام پر آیا ہے جس کا کوئی معین کردار بھی میدان میں موجود نہ ہو۔

جنت' شجرِ ممنوعہ اور ہبوطِ آدم کی تاویلات: جنت کے متعلق' جس میں آدم اور اس کی بیوی کو رہنے کو کہا گیا تھا۔ یہ اختلاف تو رہا ہے کہ آیا وہ جنت آسمانوں پر تھی یا زمین پر؟ کیونکہ ہبوط کے معنی گرنا اور گرانا کے بھی آتے ہیں' تو بے آبرو ہو کر نکلے اور نکالنے کے بھی' معتزلہ یا کچھ دوسرے لوگ اس بات کے قائل تھے کہ یہ جنت زمین پر تھی حتیٰ کہ معتزلہ نے اس کی جگہ بھی بتلا دی کہ وہ فلسطین میں یا فارس وکرمان کے درمیان تھی۔ لیکن سید صاحب نے اس واقعہ کی جو تاویل فرمائی ہے' وہ بس اپنا جواب آپ ہی ہے۔ فرماتے ہیں:

"اس کے بعد خدا نے انسان کی زندگی کے دونوں حصوں کو بتایا ہے۔ پہلے حصہ کو یعنی جب کہ انسان غیر مکلف اور تمام قیود سے مبرا ہوتا ہے بہشت میں رہنے اور چین کرنے اور میوؤں کے کھاتے رہنے سے تعبیر کیا ہے اور جب دوسرا حصہ اس کی زندگی کا شروع ہونے والا ہے' تو اس کے قدیم دشمن (شیطان) کو پھر بلایا ہے جس نے اس کو بہکا کر درخت ممنوعہ کھلایا ہے۔"

"یہ انسان کی زندگی کا وہ حصہ ہے جب کہ اس کو رشد ہوتا ہے اور عقل وتمیز کے درخت کا پھل کھا کر مکلف اور اپنے تمام اقوال وافعال وحرکات کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ زندگی کے ضروری سامان کے لئے خود محنت کرتا ہے اور نیک وبد کو خود سمجھتا ہے۔ اپنی بدی سے واقف ہوتا ہے اور اس کو چھپاتا ہے۔ یہ فطرت انسانی خدا تعالیٰ نے باغ کے استعارہ میں بیان کی ہے۔ سن رشد وتمیز کو پہنچنے کو درخت' معرفت خیر وشر کو پھل کھانے سے اور انسان کا اپنی بدیوں کے چھپانے کو درخت (جنت یا

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

بچپن کی عمر کے درختوں) کے پتوں کے ڈھانکنے سے تعبیر کیا ہے۔ مگر شجرۃ الخلد تک اس کو نہیں پہنچایا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ فانی وجود ہے اور اس کو دائمی بقا نہیں! اخیر کو نہایت عمدگی سے اس کا خاتمہ بیان کیا ہے کہ تم سب نکل جاؤ اور جا کر زمین پر رہو۔ وہی تمہارے ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ اس میں تم رہو گے' اس میں مرو گے' اس میں سے اٹھو گے" (ایضاً۔ ص:۵۹)

اقتباس بالا سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

① جنت سے مراد سن بلوغت سے پہلے کی عمر ہے' جسے بادشاہی عمر بھی کہتے ہیں۔

② شجر ممنوعہ سن بلوغت کو پہنچ جانے کا نام ہے۔

③ جب کوئی انسانی بچہ اس سن بلوغت کو پہنچ جاتا ہے تو شیطان آموجود ہوتا ہے اور اسی وقت یہ مکالماتی ڈرامہ جو چار کرداروں پر مشتمل ہے' پیش آتا ہے۔

④ سن بلوغت سے بعد کی عمر ہی ہبوط آدم ہے۔ پھر جو کوئی شجر ممنوعہ کو چکھ لیتا ہے تو اسے اپنی بدی کو سن بلوغت سے پہلے کی عمر کے پتوں سے چھپانا پڑتا ہے۔

⑤ اور اگر نہایت عمدگی سے بیان کیا جائے تو ہبوط آدم سے مراد زمین پر رہنا ہے۔

تاویلات کا جائزہ: اب دیکھئے ان تاویلات پر مندرجہ ذیل اعتراضات وارد ہوتے ہیں:

① سن بلوغت سے پہلے ہر انسان اکیلا ہوتا ہے۔ اس بادشاہی یا جنت کی زندگی میں اس کے زوج کا تصور ناممکن ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے آدم اور اس کی بیوی دونوں کو جنت میں رہنے کو کہا تھا۔ اس لئے یہ تاویل غلط ہے۔

② شجر ممنوعہ کو کھانے یا نہ کھانے کا آدم علیہ السلام کو اختیار دیا گیا تھا مگر سید صاحب کے شجر ممنوعہ (سن رشد وتمیز) کو کھانے پر ہر انسان اپنے طبعی تقاضوں کے تحت مجبور ہوتا ہے۔ ورنہ ان میں اکثر اس ذمہ داری کی زندگی کو قبول ہی نہ کرتے اور ہمیشہ بادشاہی عمر یا جنت میں ہی رہنا پسند کرتے۔

③ شجر ممنوعہ کو آدم اور اس کی بیوی نے شیطان کے بہکانے پر چکھا تھا۔ مگر اس تاویل کے تحت ہر کوئی مرد ہو یا عورت (بلا شرط زوجین) از خود چکھتا ہے کیونکہ وہ اس پر مجبور ہوتا ہے۔

④ مکلفانہ زندگی میں قدم رکھنا انسان کا طبعی تقاضا ہے اور طبعی تقاضوں پر ہبوط یا بے آبروئی کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

⑤ نہایت عمدگی سے بیان کے مطابق ہبوط آدم سے مراد انسان کا زمین پر رہنا ہے تو کیا ہبوط سے پہلے کی زندگی (یعنی جنت یا بچپن کی زندگی) میں انسان زمین پر نہیں رہتا تھا؟ پھر یہ ہبوط کیا ہوا؟

سو یہ ہیں سرسید مرحوم کی تاویلات کے نمونے پھر آپ نے ان تاویلات میں جو ذہنی کاوش فرمائی اس کی ہم داد ہی دیں گے کیونکہ ان تاویلات سے آپ نے ہر بات کو مطابق فطرت بھی کر دکھلایا ہے اور ڈارون کے نظریہ ارتقاء کے مطابق بھی قرآن کریم میں ایسے اسرار رموز کی حکمت آپ یہ بیان فرماتے

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

ہیں:

"اصل یہ ہے کہ ان آیتوں میں خدا تعالیٰ انسان کی فطرت کو اور اس کے جذبات کو بتاتا ہے اور جو قوائے بہیمیہ اس میں ہیں۔ ان کی برائی یا ان کی دشمنی سے اس کو آگاہ کرتا ہے مگر یہ ایک نہایت دقیق راز تھا جو عام لوگوں کے اور اونٹ چرانے والوں (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم) کے فہم سے بہت دور تھا۔ اس لئے خدا نے انسانی فطرت کی زبان حال سے آدم وشیطان کے قصے خدا اور فرشتوں کے مباحثہ کے طور پر اس فطرت کو بیان کیا ہے تاکہ ہر کوئی خواہ اس کو فطرت کا راز سمجھے' خواہ فرشتوں اور خدا کا مباحثہ' خواہ شیطان وخدا کا جھگڑا' اصلی عقیدہ حاصل کرنے سے محروم نہ رہے۔ اس پر عام وخواص' سمجھ دار اور ناسمجھ' جاہل وعالم کا یکساں قرآن مجید سے مقصد پانا درحقیقت بہت بڑا معجزہ قران کا ہے۔" (ایضاً۔ ص:۴۶)

سمجھے آپ کہ سید صاحب اس معجزہ قرآن کی آڑ میں کیا فرما رہے ہیں؟ وہ کہتے ہیں:

1. قرآن میں جو بیسیوں مقامات پر قصہ آدم وابلیس اور فرشتوں کا بیان ہوا ہے تو اس سے مراد صرف فطرت انسانی کا سمجھانا مقصود تھا۔
2. فطرت انسانی کا سمجھانا بہت دقیق راز ہے جو دوسرے آسان الفاظ میں ادا نہ ہو سکتا تھا لہٰذا بار بار یہ قصہ دہرا کر اہل دانش کو سمجھانا ضروری تھا۔
3. یہ راز اتنا دقیق ہے جو عام لوگوں اور اونٹ چرانے والے (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کی سمجھ سے بالا تر تھا۔
4. اور جن لوگوں نے اس راز کو دریافت کر لیا ہے۔ وہی عالم' دانشمند اور خاص لوگ ہوتے ہیں۔ جیسے سرسید اور ان کے ہمنوا لوگ۔ (نعوذ باللہ من شرور انفسنا)

سرسید پر کفر کا فتویٰ: اس بات میں کوئی شک نہیں کہ آپ کے دل میں مسلمانوں کے لئے درد بھی تھا اور خلوص بھی یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلمان قوم ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد حکمران انگریز طبقہ کی نظروں میں مجرم اور مقہور تھی اور شاہ اسماعیل شہید کی تحریک نے انگریزوں کو اور بھی غضبناک بنا دیا تھا۔ ان حالات میں سید صاحب نے ان دونوں حلقوں کو قریب تر کیا اور ان میں مفاہمت کی فضاء ہموار کی اور ان کوششوں میں اپنی جان اور مال تک کھپا دیا لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلّم ہے کہ اس کشمکش میں خود آپ نے اور مسلمانوں نے جہاں کچھ مادی فوائد حاصل کیے وہاں ایک بہت بڑا نقصان یہ بھی پہنچا کہ آپ نے نہ صرف خود کو مغربی تہذیب وافکار کی جھولی میں ڈال دیا بلکہ مسلمانوں کو بھی اس راہ پر گامزن کر کے اسلام کے بنیادی تصورات اور ایمان بالغیب کی بیشتر کڑیوں کی جڑیں تک ہلا دیں اور ہر ایسے واقعہ یا تصور پر دھاوا بول دیا' جو مغربی افکار ونظریات کی میزان پر پورا نہیں اترتا تھا۔ معجزات سے انکار یا ملائکہ وحی' نبوت اور دوسرے کئی مسلمات سے متعلق ایک نئے تصور کی تخلیق اسی ذہنی شکست خوردگی کے نتائج وآثار ہیں۔ نتیجتاً مسلمانوں کے تمام فرقوں نے آپ کی اسی نیچریت کی بناء پر متفقہ طور پر ان پر کفر کا فتویٰ

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

لگا دیا چنانچہ ادارہ "طلوع اسلام" اس فتویٰ پر یوں تبصرہ لکھتا ہے:

"طرفہ تماشا یہ ہے کہ مختلف مذہبی فرقوں کے وہ اجارہ دار جو دین خدا کے کسی اصول پر کبھی متفق نہ ہو سکے اور ہمیشہ دوسرے فرقہ کو کافر سمجھا کیے۔ ان کا اجماع ہوتا ہے تو اس دیوانہ ملت کی تکفیر پر جس نے کڑے اور نازک مرحلے پر پوری ملت کو موت سے بچا کر نئی زندگی عطا کی۔" (پاکستان کا معمار اول۔ ص:۸۳)

اس تبصرہ میں کئی باتیں حقیقت کے خلاف ہیں۔ مثلاً:

① مسلمانوں کی اکثریت نے اصولوں میں آج تک اختلاف نہیں کیا بلکہ اگر کوئی شخص اصولوں میں اختلاف کرے تو اکثر فرقے اپنے فروعی اختلاف کے باوجود اس کی تکفیر پر متحد ہو جاتے ہیں۔ مثلاً: حسین بن منصور حلاج' یا مرزا غلام احمد قادیانی یا سرسید کی تکفیر پر پھر یہ اتحاد صرف مسئلہ تکفیر پر ہی نہیں اور بھی بیشتر اجتماعی امور پر ہو جاتا ہے۔ مثلاً: پاکستان کی تشکیل یا قرارداد مقاصد یا تحریک ختم نبوت یا نظام مصطفیٰ کے نفاذ پر مسلمانوں کے اکثر فرقوں میں فروعی اختلافات کے باوجود اصولوں پر بالعموم اتفاق ہو جاتا رہا ہے۔

② مسلمانوں کے فرقوں نے فروعی اختلافات کی بنا پر کبھی ایک دوسرے کی تکفیر نہیں کی۔ حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی سب فروعی اختلافات کے آئینہ دار فرقے ہیں' لیکن سب ایک دوسرے کو مسلمان ہی سمجھتے ہیں۔

③ فتویٰ تکفیر کی بھی دو قسمیں ہیں:

- ایک یہ ہے کہ مسلمانوں کے جملہ فرقے کسی ایک شخص یا فرقہ کو گمراہ بدعتی یا کافر قرار دیں۔ ایسا فتویٰ یقیناً اپنے اندر پورا وزن رکھتا ہے۔
- دوسری یہ کہ ایک فرد واحد یا کوئی ایک فرقہ دوسرے تمام فرقوں کو گمراہ اور کافر قرار دے دے۔ جیسے مرزا قادیانی یا ان کا فرقہ دوسرے تمام مسلمانوں کے متعلق ایسا عقیدہ رکھتا اور فتویٰ لگاتا ہے تو ایسا فتویٰ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ بلکہ کافر یا گمراہ کہنے والا فرقہ خود ہی کافر یا گمراہ ہوتا ہے۔

امت کے اکثر فرقوں کا فیصلہ بالعموم صحت پر مبنی ہوتا ہے اور ہونا بھی چاہیئے لہٰذا سرسید کے خلاف امت کا اکثریتی فتویٰ ہی اس بات کی دلیل ہے کہ صاحب موصوف اسلام کے اصولی عقائد و نظریات پر حملہ آور ہوئے تھے اور اس بات کی بھی کہ اس گئے گزرے دورِ انحطاط میں بھی مسلمانوں کی اکثریت کو مادی ترقی کے بجائے اصول دین کی حفاظت عزیز تر ہے۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

سرسید کے افکار و نظریات پر ایک نظر

پیشتر اس کے کہ ہم سید صاحب کے اپنے مخصوص نظریات کا جائزہ لیں' ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ دیکھ لیا جائے کہ وہ معتزلہ کے مخصوص عقائد و نظریات سے کسی حد تک متاثر تھے؟ ہم بتا چکے ہیں کہ معتزلہ کے مخصوص نظریات مندرجہ ذیل امور تھے:

① عقل کا تفوق اور برتری۔ اسی بناء پر وہ احادیث اور اجماع کا انکار کرتے تھے اور اسی عقلی تفوق کی بناء پر وہ قرآنی آیات کی دور از کار تاویلات پر مجبور ہو جاتے تھے۔

② ذات وصفات باری تعالیٰ میں امت مسلمہ کے مسلمہ عقائد سے اختلاف رکھتے تھے۔ وہ خدا کے لئے سمت مقرر کرنے یا اس کی طرف ہاتھ یا پاؤں کی نسبت کرنے کو کفر سمجھتے تھے اور صفات باری تعالیٰ کو حادث سمجھتے تھے اور جو صفات کو بھی قدیم تصور کرتا اسے مشرک قرار دیتے تھے۔

③ جبر و قدر کے معاملہ میں وہ قدریہ عقائد کے قائل تھے۔ وہ کہتے تھے کہ خدا کائنات اور قوانین قدرت بنانے کی حد تک مختار تھا۔ اب جب کہ اس نے قوانین قدرت بنا دیئے ہیں تو اب وہ خود بھی "اپنے وعدہ کے مطابق" ان کا خلاف نہیں کر سکتا لہٰذا انہی قوانین قدرت' جن میں سے ایک مکافات عمل بھی ہے۔ انسان اپنے اچھے و برے کی سزا و جزاء پانے پر مجبور ہے لہٰذا وہ اللہ کی صفت مغفرت کی تاویل کر لیتے تھے اور شفاعت سے یکسر انکار کر دیتے تھے۔

سید صاحب کی "تفسیر القرآن" کے مطالعہ سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آپ بھی بعینہ ان نظریات میں معتزلہ کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ آپ کے درج ذیل اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

❁ پہلا نظریہ' عقل کا تفوق: آپ قرآن کے الفاظ کا صحیح مفہوم متعین کرنے کے متعلق فرما رہے ہیں کہ:

"ان سب باتوں کے ہونے کے بعد (وہ کیا باتیں ہیں آگے چل کر ہم بیان کریں گے۔ (مولف) اس بات کا جاننا بھی ضروری ہے کہ جس بات پر متعلق دلیل دلالت کرتی ہے۔ اس پر کوئی عقلی معارضہ تو نہیں ہے کیونکہ اگر کوئی عقلی معارضہ پایا جائے گا تو ضرور نقلی دلیل پر اس کو ترجیح ہوگی اور اس نقلی دلیل کو ضرور دوسرے معنوں میں تاویل کرنا پڑے گا۔" (۱۱۹/۱)

اقتباس بالا میں آپ نے کس قدر وضاحت سے اعتراف فرما لیا ہے کہ اگر قرآن کی کوئی بات عقل کے خلاف معلوم ہو تو لامحالہ اس کی تاویل کرنا چاہیئے۔

❁ دوسرا نظریہ' ذات وصفات باری تعالیٰ کی تنزیہہ: اس سلسلہ میں سرسید صاحب کی اقتباس بالا کے ساتھ ہی ملحقہ عبارت ملاحظہ فرمایئے جو عقل کے خلاف انہیں معلوم ہوئی:

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

"مثلاً یہ جو خدا کا قول ہے: ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴾ یہ صاف دلالت کرتا ہے کہ خدا تخت پر بیٹھا ہوا ہے مگر دلیل عقلی اس کی معارض ہے..... اور خدا کا تخت پر بیٹھا ہوا ہونا عقلی دلیل سے محال ہے۔ اس لئے اس نقلی دلیل کی غلبہ یا بادشاہت سے تاویل کی گئی' اور اگر یوں نہ کیا جائے تو اجتماع نقیضین یا ارتفاع نقیضین لازم آتا ہے اور اگر دلیل نقلی کو عقل پر ترجیح دیں تو فرع سے اصل کا ابطال لازم آتا ہے کیونکہ جو چیزیں نقلی ہیں ان کا اثبات بھی بجز عقل کے اور کسی طرح ممکن نہیں۔ پس نقل کے لئے بھی عقل ہی اصل ہے۔" (ایضاً۔ ص:۱۱۹)

❁ **تیسرا نظریہ' جبرو قدر:** اس مسئلہ میں سید صاحب صاحب نہ جبریہ سے اتفاق کرتے ہیں نہ قدریہ سے اور نہ ہی عام مسلمانوں سے جو بین الجبر والاختیار کے قائل ہیں۔ آپ نے اس مسئلہ کو چھیڑ کر لاینحل ہی چھوڑ دیا ہے۔ تینوں سابقہ نظریات کا تذکرہ ضرور کیا ہے۔ لیکن کسی ایک کی بھی تائید نہیں کی اور نہ ہی اپنا کوئی واضح نظریہ پیش کیا ہے تاہم اس طویل بحث سے جو (تفسیر القرآن:۱/ ۱۴ سے ۱۹) تک پھیلی ہوئی ہے۔ یہ ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ جبر کی طرف مائل ہیں اور آپ نے جمہور ائمہ' اسلام سے اختلاف کے حق کو ضائع نہیں کیا۔

❁ **چوتھا نظریہ' خوارق عادت اور معجزات سے انکار:** معجزات سے انکار کے متعلق بھی آپ کا نقطہ نظر ملاحظہ فرمالیجیے:

"قرآن مجید کے معانی بیان کرنے میں سب سے زیادہ دھوکا انسان کو ان مقامات پر پڑتا ہے جہاں قرآن میں قصص انبیائے سابقین بیان ہوئے ہیں۔ انبیائے سابقین کے قصے عہد عتیق کی کتابوں (تورات) میں بھی آئے ہیں اور علمائے یہود نے بھی قصص انبیاء مستقل کتابوں میں لکھے ہیں جن میں بہت کچھ باتیں دور از عقل وخلاف قانون قدرت درج ہیں۔ وہ قصے مشہور تھے اور ہمارے علماء بھی ان سے مانوس تھے اور ان کے عجائبات کو جو قانون قدرت کے خلاف تھے معجزات قرار دے دیتے تھے۔ وہ قصے قرآن میں بھی بیان ہوئے ہیں اور وہ بیان بہت کچھ اس کے مشابہ اور مماثل ہے جو ان معنوں کی نسبت بیان ہوا ہے۔ مگر قرآن مجید کے الفاظ ان قصوں میں اس طرح آئے ہیں کہ ان سے وہ باتیں جو دوران عقل اور خلاف قانون قدرت ان قصوں میں مشہور تھیں۔ ان کا ثبوت نہیں ہوتا۔ ہمارے علمائے متقدمین نے اس بات پر خیال نہیں کیا بلکہ ان سے جہاں تک ہو سکا قرآن مجید کے الفاظ کو ان پر بعینہٖ عمل کرنے کی کوشش کی اور اس کے کئی سبب تھے۔

اول یہ کہ ان قصوں کی نسبت کیفیت مشہورہ ان کے دل میں بسی ہوئی تھی۔ اس لئے قرآن مجید کے الفاظ پر انہوں نے توجہ نہیں کی۔

دوسرے یہ کہ ان کے پاس ہر ایک چیز گو کہ وہ کیسی ہی قانون فطرت کے خلاف کیوں نہ ہو خدا کی

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

قدرت عام (یعنی ﴿ ان اللہ علیٰ کل شی قدیر ﴾ (للمولف) کے تحت میں داخل کر دینے کا نہایت سہل طریقہ تھا اور اس سبب سے ان الفاظ کی حیثیت پر غور کرنے کو توجہ مائل نہ ہوتی تھی۔

تیسرے یہ کہ ان کے زمانہ میں نیچرل سائنسز نے ترقی نہیں کی تھی اور کوئی چیز ان کو قانون فطرت کی رجوع کرنے والی اور ان کی غلطیوں سے متنبہ کرنے والی نہ تھی۔ پس یہ اسباب اور مثل ان کے اور بہت سے اسباب ایسے تھے کہ ان (صحابہ رضی اللہ عنہم) کی کافی توجہ قرآن مجید کے ان الفاظ کی طرف نہیں ہوئی۔" (ایضاً۔ ص:۱۷)

اس اقتباس سے درج ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے:

① انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات تورات میں بھی مذکور ہیں۔

② علمائے یہود انہیں معروف معنوں میں معجزات ہی تسلیم کرتے ہیں۔

③ علمائے یہود میں ان معجزات کی مشہوری کی وجہ سے مسلمانوں نے بھی ان خوارق عادت واقعات کو تسلیم کر لیا۔

④ قرآن مجید کا بیان بھی توریت کے بہت کچھ مشابہ اور مماثل ہے۔ لیکن قرآن میں الفاظ کچھ اس طرح آئے ہیں کہ ان سے دوسرے معنی بھی لئے جا سکتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر خوارق عادت واقعات کو من وعن تسلیم کر لینا غلط تھا تو قرآن نے ایسے گول مول' الفاظ کیوں استعمال کیے کہ یہ غلطی بدستور مسلمانوں میں بھی منتقل ہوتی چلی گئی۔ افکار فاسدہ کی درستی ہی کتاب اللہ کا کام ہے پھر سید صاحب کو علمائے کرام اور صحابہ رضی اللہ عنہم پر بھی افسوس ہے کہ انہوں نے نہ قانون فطرت کا خیال کیا نہ نیچرل سائنسز کا' بلکہ خدا کی قدرت کاملہ کا عقیدہ رکھ کر ان کو فی الواقع معجزات ہی تسلیم کر لیا حالانکہ انہیں چاہیئے تھا کہ وہ قرآن کے الفاظ کے دوسرے معنی تلاش کر کے ان واقعات کو مطابق قانونِ فطرت بنا دیتے جیسا کہ آپ نے یہ کوشش فرمائی ہے اور مثال کے طور پر چند معجزات کو مطابق قانونِ فطرت کر کے دکھلا بھی دیا ہے فرماتے ہیں:

"مثلاً: ان کے زمانہ میں یہ مسئلہ ثابت نہیں ہوا تھا کہ طوفان نوح کا تمام دنیا میں عام ہونا اور پانی کا اونچے سے اونچے پہاڑوں کی چوٹیوں سے بلند ہو جانا محالات سے ہے اور خلاف واقع ہے اور اس لئے ان کے خیال میں یہ بات نہ آئی کہ قرآن میں جو الارض کا لفظ ہے۔ اس میں الف لام استغراق کا نہیں ہے بلکہ عہد کا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے میں کوئی نص صریح اس بات پر نہیں کہ انہیں درحقیقت آگ میں ڈالا گیا تھا۔ اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت میں کوئی نص صریح قرآن میں نہیں ہے کہ وہ فی الحقیقت بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ نہ ہی حضرت یونس علیہ السلام کے قصہ میں ایسی کوئی نص ہے کہ فی الواقعہ ان کو مچھلی نگل گئی اور وہ مچھلی کے پیٹ میں رہے تھے؟

(تفسیر القرآن۔ دیباچہ: ص۱۷)

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

اس اقتباس سے درج ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے:

- معجزات کے بارے میں جو نصوص صریحہ قرآن میں موجود ہیں وہ قطعاً نصوص صریحہ نہیں بلکہ محتاج تاویل ہیں۔
- ان کی جو تاویل پیش کی جائے گی وہ بھی قابل اعتماد نہیں ہو سکتی جیسا کہ آپ خود ہی لکھتے ہیں:

اپنے دور کی علمی سطح کی قباحت :

"اور کیا عجب کہ آئندہ زمانہ میں ان علوم کو اور زیادہ ترقی ہو اور جو امور اس وقت تحقیق شدہ معلوم ہوتے ہیں وہ غلط ثابت ہوتے ہوں۔ اس وقت قرآن کریم کے الفاظ کے دوسرے معنی قرار دینے کی ضرورت ہوگی۔ وھَلُمَّ جرًّا پس قرآن لوگوں کے ہاتھ میں ایک کھلونا ہو جائے گا" (ایضاً۔ ص:۱۹)

پھر اس کا جواب یوں بیان فرماتے ہیں:

"پس اگر ہمارے علوم کو آئندہ زمانہ میں ایسی ترقی ہو جائے کہ اس وقت کے امور محققہ کی غلطی ثابت ہو تو ہم پھر قرآن مجید پر رجوع کریں گے اور اس کو ضرور حقیقت کے مطابق پائیں گے اور ہم کو معلوم ہوگا کہ جو معنی ہم نے پہلے قرار دیئے تھے تو وہ ہمارے علم کا نقصان تھا۔ قرآن مجید ہر ایک نقصان سے بری تھا۔" (ایضاً۔ ص:۲۰)

اس جواب سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

- جو غلطی سابقہ مفسرین سے ہوئی کہ موجودہ علوم کا لحاظ رکھے بغیر قرآن کی تفسیر کی وہی غلطی آپ بھی کر رہے ہیں کیونکہ آئندہ علوم آپ کی تاویل کو غلط ثابت کر سکتے ہیں۔
- سابقہ مفسرین کی تفسیر کی تائید تورات' علمائے یہود کی تصانیف اور قرآن کے ظاہری مفہوم سے ہوتی ہے لہٰذا وہ سرسید کی تاویل سے بدرجہا زیادہ قابل اعتماد ہے کیونکہ سید صاحب کی تاویل کو کسی چیز کی بھی تائید حاصل نہیں۔ مزید یہ کہ اس تاویل کو وہ خود بھی ناقابل اعتماد سمجھتے ہیں کیونکہ ان کی تاویل کے ماخذ دور جاہلیت کی لغت کے متروک اور غیر مشہور معانی اور پھر ان سے حسب خواہش استنباط ہے۔

پھر معجزات کی ایسی تاویل کے جواز میں آپ ایک مثال بیان کرتے ہیں:

"مثلاً: فرض کرو کہ قرآن مجید سے ہم نے یہ سمجھا تھا کہ سورج زمین کے گرد پھرتا ہے جس سے طلوع وغروب ہوتا ہے۔ اب معلوم ہوا کہ سورج ساکن ہے اور زمین سورج کے گرد پھرتی ہے۔ اب ہم قرآن پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سورج کا پھرنا قرآن میں بطور حقیقت کے واقع نہیں ہوا بلکہ ((عَلٰی مَا یَشْهَدُه الناس)) بیان ہوا ہے اور وہ سچ ہے پس ہم نے جو اس کو بطور حقیقت واقع کے سمجھا تھا وہ ہماری غلطی تھی نہ کہ قرآن مجید کی" (ایضاً۔ ص:۲۰)

اس مثال میں بھی کئی ایک مغالطے اور الجھاؤ ہیں مثلاً:

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

① بات انبیاء علیہم السلام کے معجزات کی چل رہی ہے اور مثال آپ اجرام فلکی سے پیش فرما رہے ہیں۔

② قرآن کریم کے الفاظ سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سورج زمین کے گرد گھوم رہا ہے۔ قرآن کے الفاظ یہ ہیں:

﴿ وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ﴾ "سورج اپنی قرار گاہ پر چل رہا ہے" (ص: ۳۷/۳۸)

اور اس سے مراد اس کی محوری گردش بھی ہو سکتی ہے اور اپنے خاندان سمیت کسی بڑے سیارہ کے گرد گردش بھی جیسا کہ موجودہ نظریات اس کی تائید کر رہے ہیں۔

③ اجرام فلکی کی رفتار کی تحقیق انسان کی عقل کا میدان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائے آفرینش سے آج تک ان کے متعلق چار نظریات پیش کئے جا چکے ہیں۔ جن کی تفصیل ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ مزید یہ کہ آئندہ بھی اس میں تبدیلی کا امکان ہے۔ اس کے برعکس انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور گزشتہ دور کے واقعات انسان کے دائرہ تحقیق سے خارج ہیں۔ ان کے متعلق دو ہی نظریے ہو سکتے ہیں۔ اقرار یا انکار چنانچہ تمام مذہبی طبقے ان معجزات کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ جب کہ نیچر پرست یا مادہ پرست لوگ ان معجزات سے انکار کر دیتے ہیں۔

● پانچواں نظریہ' نظریہ ارتقاء: قرآن کی رو سے آدم علیہ السلام کو ایک فرد واحد' ابو البشر اور نبی تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح فرشتوں اور ابلیس کے الگ اور خارجی وجود کو بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ لیکن نظریہ ارتقاء کی رو سے آدم نہ تو فرد واحد قرار دیا جا سکتا ہے۔ نہ ہی یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ بندر کی نسل جو چلی آرہی تھی اور مابعد انسانوں میں تبدیل ہوئی تو نفخ روح خداوندی کا واقعہ زندگی کے کس موڑ پر پیش آیا اور کس معین ہستی میں یہ روح خداوندی پھونکی گئی؟ دوران ارتقائے نسل' انسانی فرشتے کہاں سے ٹپک پڑے تھے۔ ابلیس کہاں سے وارد ہو گیا اور یہ باتیں ایسی تھیں جو قرآن میں مذکور تھیں۔ احادیث میں بھی موجود اور بائبل سے بھی ان کی تائید ہوتی تھی ایسی صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے سید صاحب کی تکنیک یہ تھی:

① اس سارے واقعہ کے فی الحقیقت کوئی واقعہ ہونے سے ہی انکار کر دیا اور اسے ایک تمثیلی داستان یا ڈرامہ قرار دیا۔

② آدم علیہ السلام کو فرد واحد یا نبی قرار دینے کے بجائے اس سے مراد "آدم کے بجائے آدمی" لیا اور کہا کہ وہ کوئی مخصوص فرد نہ تھا۔ بلکہ بنی نوع انسان کا کوئی نمائندہ (Representative of Man) تھا۔

③ فرشتوں سے مراد کائناتی قوتیں لیا اور ان کے سجدہ کرنے سے مراد یہ لی گئی کہ یہ قوتیں انسان کے سامنے سجدہ ریز ہوئیں۔ گویا انسان اپنے علم و تجربہ سے ان پر حکمرانی کر سکتا ہے۔ دلیل یہ دی گئی کہ ﴿ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ﴾ حالانکہ لفظ جمیعًا سے مراد کائناتی قوتیں ہی نہیں بلکہ ہر طرح کے مادی اجسام بھی ہیں۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

④ آدم علیہ السلام اور اس کی بیوی کے لئے شجر ممنوعہ دراصل جنسی ترغیبات تھے یہی شجرہ الخلد تھا۔ یعنی انسان اپنی اولاد کے ذریعہ بقائے دوام چاہتا تھا۔

نگہ بازگشت: پچھلے ابواب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ:

① اسلامی تاریخ میں جن لوگوں نے سب سے پہلے اصول دین میں اختلاف کیا وہ جہمیہ اور معتزلہ تھے۔ یہ دونوں فرقے دوسری صدی کی پیداوار ہیں اور ان دونوں فرقوں کا یہ اختلاف یونانی فلسفہ سے ذہنی شکست خوردگی کی بنا پر تھا۔

② ان دونوں فرقوں کا اختلاف تین اصولی مسائل میں تھا۔

- دونوں فرقے ذات وصفات باری تعالیٰ میں ارسطو کے ہم نوا تھے جو خدا کو محض ایک تجریدی تصور کے طور پر پیش کرتا ہے۔
- دونوں فرقے وحی کے مقابلہ میں عقل کے تفوق اور برتری کے قائل تھے۔ انہوں نے عقل کی برتری ثابت کرنے کے لئے قرآن سے ایسی جملہ آیات کو یکجا کر کے پیش کر دیا جن میں انسانی عقل کو مخاطب کیا گیا ہے اور اس کا دائرہ کار ہے لیکن وحی کی برتری' حکمت اور اتباع کی آیات کو نظر انداز کر دیا۔
- دونوں فرقوں نے تقدیر کے مسئلہ میں مسلمانوں کے مسلمہ عقیدہ سے اختلاف کیا' جو یہ ہے کہ ایمان جبر و اختیار کے بین بین ہے۔ لیکن اس مسئلہ میں ان دونوں فرقوں کے درمیان بھی اختلاف ہوا جہمیہ انسان کو مجبور محض تصور کرتے تھے اور معتزلہ انسان کو مختار مطلق۔

③ اپنے عقائد و نظریات کو درست ثابت کرنے کے لئے ان کا طریقہ کار یکساں تھا یعنی۔

- پہلے متعلقہ احادیث و آثار کو ظنی اور ناقابل اعتماد قرار دے کر ان سے انکار کر دیا جائے۔
- دوسرا اقدام یہ تھا کہ ثابت شدہ سنت کو بھی سند اور صحت کے مقام سے گرا دیا جائے اور اس کے لئے عقلی دلائل دیئے جائیں۔
- تیسرا اقدام یہ تھا کہ احادیث و آثار کو پرے ہٹا دینے کے بعد قرآنی آیات کی من مانی تاویل پیش کر دی جائے۔

گویا عجمی تصورات سے مرعوبیت' انکار حدیث اور تحریف قرآن تینوں باتیں آپس میں لازم وملزوم ہیں۔

④ جو احادیث جہمیہ نے مسئلہ قدر کے معاملہ میں رد کیں۔ وہی احادیث معتزلہ کے نزدیک صحیح ترین تھیں۔ اسی طرح جو احادیث معتزلہ کے نزدیک مردود تھیں وہی احادیث جہمیہ کے نزدیک مقبول ترین تھیں۔ یہی حال ان دونوں فرقوں کی تاویلات قرآنی کا ہے۔ ان حقائق سے یہ نتیجہ لازمی طور پر سامنے آتا ہے کہ جب کوئی انسان یا فرقہ کسی عجمی تصور کا غلام بن جاتا ہے تو قرآن وسنت دونوں کو بازیچہ

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

اطفال بنا دیتا ہے اور بزعم خویش ایسی قرآنی تاویلات کو قرآنی فکر کا نام دیتا ہے۔

⑤ ہندوستان میں اس "عقلیت پرستی" (Rationalism) کی نشاۃ ثانیہ سرسید مرحوم سے شروع ہوتی ہے۔ آپ نے اپنے نظریات کے لئے بھی وہی تکنیک استعمال کی جو جہمیہ اور معتزلہ نے کی تھی۔ یعنی۔

- احادیث کو ناقابل اعتماد قرار دینے کے بعد قرآن کی ان تمام آیات کی تاویلات پیش کر دیں جن میں انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات کا ذکر تھا۔
- نظریہ ارتقاء پر "ایمان" نے آپ کو نبوت' وحی' ملائکہ' آدم' ابلیس یا شیطان کے متعلق نئی تاویل و تعبیر پر آمادہ کیا اور ان کے متعلق آپ نے امت مسلمہ کے مسلمہ تصورات و عقائد کو یکسر بدل ڈالا جس کی بناء پر امت مسلمہ نے بالاتفاق آپ پر کفر کا فتویٰ صادر کیا۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

باب: پنجم

عجمی تصورات کا تیسرا دور

① عبوری دور کے منکرینِ حدیث:

سرسید مرحوم کے بعد کچھ ایسے افراد بھی منظرِ عام پر آتے ہیں جنہوں نے مندرجہ بالا افکار و نظریات کی آبیاری کی۔ مولوی چراغ علی مکمل طور پر سرسید کے ہمنوا تھے پھر کچھ حضرات ایسے بھی منظرِ عام پر آئے جن کے سامنے کوئی نیا نظریہ یا ذاتی فکر موجود نہیں تھی۔ انہوں نے اپنا سارا زور احادیث کو ظنی' ناقابل اعتماد اور ناقابل صحت قرار دینے پر صرف کر دیا۔ ان میں سے چند قابلِ ذکر ہستیوں کے نام یہ ہیں:

عبداللہ چکڑالوی' نیاز فتح پوری' ڈاکٹر غلام جیلانی برق' علامہ مشرقی' حشمت علی لاہوری' مستری محمد رمضان گوجرانوالہ' محبوب شاہ گوجرانوالہ' خدا بخش' خواجہ احمد دین امرتسری' سید عمر شاہ گجراتی اور سید رفیع الدین ملتانی وغیرہ۔ ان لوگوں نے احادیث کا کلیتاً انکار کر دیا اور "حسبنا کتاب اللہ" کہہ کر اس پر انحصار کیا لیکن اب مشکل یہ پیش آئی کہ قرآن کریم ارکان اسلام کی جزئیات تک بیان کرنے میں ساکت تھا۔ اب احادیث کے بجائے انہیں محض اپنے غور و فکر کا سہارا لینا پڑا پھر ان میں سے بعض نے متواتر اعمال کا سہارا لیا۔ لیکن پھر بھی بات بنائے نہ بن سکی۔ آخر ان سب دوستوں میں شدید اختلافات رونما ہوئے اور جوت و پیزار بھی ہوئی۔ نتیجتاً ان کے بھی کئی فرقے بن گئے جو صرف ایک نماز کے معاملہ میں ہی کئی طرح کے اختلافات رکھتے تھے اور وہ اختلافات بھی اصولی قسم کے تھے۔ مثلاً کچھ فرقے صرف دو نمازیں پڑھتے تھے کچھ کہتے تھے کہ قرآن سے تین نمازوں کا ثبوت ملتا ہے لہٰذا وہ تین نمازیں پڑھتے ہیں۔ کچھ لوگ ہر رکعت میں دو سجدے کرتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو ایک ہی سجدہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ نماز میں یہ لوگ صرف قرآنی آیات ہی پڑھتے ہیں۔ خواہ قیام یا رکوع' سجدہ ہو یا جلسہ' پھر کچھ ایسے ہیں جو سلام پھیرنا بھی ضروری نہیں سمجھتے' اتنے اختلافات تو صرف نماز میں ہوئے' باقی احکام میں جس قدر اختلافات ہو سکتے ہیں اس کا آپ خود اندازہ فرما لیجیے۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

چند مشہور منکرینِ حدیث کا مختصر تعارف

① عبداللہ چکڑالوی : آپ ضلع گورداسپور کے موضع چکڑالہ میں پیدا ہوئے اور اس نسبت سے چکڑالوی کہلاتے ہیں۔ آپ ایک الگ فرقہ مسمی "اہل القرآن" کے بانی ہیں۔ آپ کا تبلیغی مرکز لاہور تھا آپ پہلے اہلحدیث اور متبع سنت تھے۔ بعد میں حجیت حدیث سے صرف انکار ہی نہیں کیا بلکہ اسے شرک فی الکتاب قرار دینے لگے وہ کہتے ہیں:

"پس کتاب اللہ کے ساتھ شرک کرنے سے یہ مراد ہے کہ جس طرح کتاب اللہ کے احکام کو مانا جاتا ہے اسی طرح کسی اور کتاب یا شخص کے قول یا فعل کو دین اسلام میں مانا جائے خواہ فرضاً جملہ رسل وانبیاء کا قول یا فعل ہی کیوں نہ ہو۔ جس طرح شرک موجب عذاب ہے اسی طرح مطابق ﴿ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ﴾ اور ﴿ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ﴾ اور ﴿ لَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴾ کے شرک فی الحکم یعنی دین میں اللہ کے حکم کے سوا اور کسی کا حکم ماننا بھی اعمال کا باطل کرنے والا باعث ابدی ودائمی عذاب ہے۔ افسوس شرک فی الحکم میں آج کل اکثر لوگ مبتلا ہیں" (ترجمۃ القرآن ۔ ص:۹۸)

اب دیکھئے کسی انسان کے ذہن میں جب ٹیڑھ پیدا ہو جاتی ہے تو وہ کسی معاملہ کے صرف ایک پہلو پر ہی دلائل تلاش کرنے لگتا ہے اور باقی پہلوؤں کو یکسر نظرانداز کر دیتا ہے پھر اسے ایسی آیات بھی نظر نہیں آتیں جن میں دوسرے پہلوؤں کے متعلق احکامات دیئے گئے ہوتے ہیں۔ چکڑالوی صاحب کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا۔ آپ نے جو تین آیات کا حوالہ دیا ہے ان سب کا مفہوم یہ ہے کہ حکم صرف اللہ کے لئے ہے' اب اگر اللہ ہی بیسیوں مرتبہ اپنی کتاب میں اپنے رسول کی اطاعت واتباع کا حکم دے تو یہ شرک فی الحکم یا شرک فی الکتاب کیسے بن گیا؟

انکار حدیث کی بنا پر آپ دوسرے منکرین حدیث کی طرح معجزات' شفاعت' عذاب قبر' ایصال ثواب اور تعدد ازواج وغیرہ کے بھی قائل نہ تھے۔ تعدد ازواج کے سلسلہ میں وہ فرماتے ہیں:

"تعدد ازواج بحوالہ قرآن زنا میں داخل ہے۔ جس سے انبیاء ورسل علیہم السلام اور ان کی امت پاک ہے اور ان پر سراسر افتراء اور بہتان ہے۔" (اشاعۃ القرآن ۔ مئی ۱۹۲۲ء ص:۱۸)

یہ ہے موصوف کی دماغی ٹیڑھ اور قرآن دانی کا نمونہ۔ قرآن میں بار بار یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ اور یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ کے الفاظ جمع کے صیغہ کے ساتھ آئے ہیں جو ان کو نظر نہیں آتے اور بڑی دیدہ دلیری سے "بحوالہ قرآن" یہ بھی ارشاد فرما دیا۔ پھر سراسر افتراء وبہتان کے مرتکب آپ ہیں یا دوسرے مسلمان؟ پھر چکڑالوی صاحب کی یہ جسارت بھی قابل داد ہے کہ اکیلے رسول اللہ کو ہی نہیں بلکہ ایسے تمام انبیاء ورسل اور امت کے افراد کو زنا کا مرتکب قرار دے دیا۔ جن کے ہاں ایک سے زیادہ بیویاں تھیں۔ ﴿ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴾

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

البتہ ایک بات ایسی ہے جس میں چکڑالوی صاحب دوسرے منکرین حدیث سے ممتاز نظر آتے ہیں اور وہ یہ کہ آپ رسول اللہ کے سید الانبیاء ہونے کے بھی قائل نہ تھے۔ آپ ایک سائل کو جواب یا فتویٰ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آپ نے اپنے مسلمہ قرآن' بخاری اور صحاح ستہ کے خلاف رسول اللہ کو نبیوں کا سردار لکھا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں متبع اور مقتدی کل انبیاء کا عموماً اور ابراہیم کا خصوصاً لقب مرحمت فرمایا ہے"..... اور پھر آپ نے ان کو نبیوں کا سردار بنا کر دوسرے انبیاء ورسل کی تحقیر وتذلیل کر کے ﴿ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ﴾ کا کفر کیا یا نہیں؟" (حوالہ رسالہ۔ ایضاً۔ ص:۱۲۔۱۴)

اب دیکھئے:

① چکڑالوی صاحب کو ﴿ لَا نُفَرِّقُ ﴾ والی آیت تو قرآن میں نظر آگئی مگر ﴿ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ﴾ کہیں نظر نہیں آیا' پہلی آیت میں مقام رسالت کا ذکر ہے جو سب کا برابر ہے۔ دوسری آیت میں ان کے درجات کا بیان ہے جن میں تفاوت ہے۔

② اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سابقہ انبیاء کی اتباع کا حکم نہیں دیا بلکہ ان کی ہدایت کی اقتداء کا حکم دیا ہے اور یہ ہدایت منزل من اللہ اور سب انبیاء پر ایک جیسی ہی نازل ہوتی ہے اور ابراہیم کی ملت کی اتباع کا ذکر فرمایا ہے اور ملت سے مراد وہ نظام دین ہے جو ابراہیم علیہ السلام نے قائم فرمایا تھا۔ نظام دین کے قیام میں پیش آمدہ مشکلات میں اگر سابقہ انبیاء کی ایسی ہی مشکلات اور صبر وثبات کا حوالہ دے کر آپ کو بھی ان کے طریق کار کی اتباع کی ہدایت کی گئی ہے تو اس سے آپ کا درجہ کم کیسے ہوگیا؟ درجہ کی فضیلت تو یوں معلوم ہوتی ہے کہ اس نظام دین کو قائم کرنے میں کون سا رسول سب سے زیادہ کامیاب رہا ہے؟ اور قرآن حدیث اور تاریخ شاہد ہے کہ اس پہلو سے آپ سب سے بلند درجہ پر ہیں۔

③ پھر آپ کو بخاری اور صحاح ستہ میں یہ حدیث ((اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ)) بھی کہیں نظر نہ آئی۔ اس حدیث کی رو سے آپ تمام بنی نوع انسان کے سردار ہیں۔ جن میں تمام انبیاء ورسل بھی شامل ہیں نہ ہی آپ کو کہیں یہ حدیث نظر آئی کہ اگر آج موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کے بغیر کوئی چارہ کار نہ تھا۔" اگر آپ اس حدیث کے قائل نہیں تو حوالہ دینے کی کیا ضرورت تھی؟

کتاب وسنت لازم وملزوم ہیں' اب اگر کوئی شخص سنت سے انکار کرتا ہے تو اس کی یہ فکر لازمی طور پر انکار قرآن پر منتج ہوتی ہے۔ وہ بعض آیات تو پیش کرتے ہیں مگر بعض کو سرے سے نظرانداز ہی کر جاتے ہیں اور یہی انکار قرآن ہے۔

انکار حدیث کے بعد چکڑالوی صاحب قرآن کی جزئیات کی تعیین میں نہایت بے بس ثابت ہوئے۔ نماز کی ادائیگی سے متعلق آپ کا طریق کار یہ تھا کہ صرف قیام ہی فرمایا کرتے تھے اور چند قرآنی آیات پڑھ کر ختم کر دیتے تھے۔ جیسا کہ نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ نماز سے متعلق رکوع اور سجدہ والی آیت یا تو آپ کو

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

نظر نہیں آئی تھیں یا ان پر عمل کی ضرورت ہی نہ سمجھتے تھے۔

② نیاز فتح پوری: (۱۸۷۷ء-۱۹۶۶ء) فتح پور (بھارت) میں پیدا ہوئے تعلیم کے بعد مختلف رسائل میں بطور ایڈیٹر کام کیا پھر لکھنؤ سے اپنا رسالہ نگار نکالا۔ آپ نے ٹیگور کی کتاب گیتا نجلی کا اردو ترجمہ کیا۔ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ آپ پر فلسفہ کا رنگ بہت زیادہ غالب آگیا تھا' جس کی وجہ سے آپ منکر حدیث ہی نہیں بلکہ منکر قرآن اور منکر اسلام بھی ہو گئے تھے۔ آپ کی کتاب "من ویزدان" آپ کے عقائد ونظریات کی صحیح ترجمانی کرتی ہے۔

تمام منکرین حدیث میں آپ کی امتیازی شان یہ ہے کہ آپ قرآن کو نہ خدا کا کلام سمجھتے ہیں اور نہ منزل من اللہ بلکہ اسے ایک انسان کا کلام سمجھتے ہیں۔ اب "من ویزدان" کے درج ذیل اقتباسات ملاحظہ فرمایئے:

"عام مسلمانوں اور مولویوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن اپنے الفاظ اور اپنی ترتیب کے لحاظ سے مکمل طور پر پہلے لوح محفوظ میں منقوش وموجود تھا اور فرشتہ (جبرئیل) ہی محفوظ ومنقوش کلام رسول اللہ کو آکر سناتا تھا اور رسول اللہ انہی آسمانی الفاظ کو دہرا دیتے تھے' حد درجہ مضحکہ خیز ہے اگر قرآن کی زبان عربی نہ ہوتی بلکہ کوئی نئی زبان ہوتی تو بھی خیر کچھ کہا جا سکتا تھا لیکن جب کہ وہ اسی زبان میں نازل ہوئی جو عام طور پر عرب میں رائج تھی تو اس کے الفاظ کو کیونکر خدائی الفاظ کہا جا سکتا ہے۔ بہرحال قرآن کو خدا کا کلام اس حیثیت سے تسلیم کرنا کہ اس کا ایک ایک لفظ خدا کا بتایا ہوا ہے اور خود رسول کے عقل ودماغ کو اس سے کوئی تعلق نہ تھا' خدا کو اس کے منصب سے گرا کر انسان کی حد تک کھینچ لاتا ہے اور رسول کو سطح انسانیت سے بھی نیچے گرا دیتا ہے۔"

(من یزدان - حصہ اول - ص:۵۵۲)

اب سوال یہ ہے کہ اگر قران عربی کی علاوہ کسی دوسری زبان میں ایک عربی رسول ﷺ اور عربی امت پر نازل ہوتا تو ایسے قرآن کا فائدہ کیا تھا جسے نہ نبی سمجھتا' نہ کوئی دوسرا اسے سمجھ سکتا؟ اور یہ کتاب کتاب ہدایت کیسے قرار دی جا سکتی تھی؟ لیکن یہی وجہ نیاز صاحب کے نزدیک خدا کو انسان کے مقام پر اور رسول کو انسان سے بھی کسی کم تر مقام پر لانے کے مترادف ہے چنانچہ وہ کھل کر اپنے فکر کا اظہار یوں فرماتے ہیں:

"کلام مجید کو نہ میں کلام خداوندی سمجھتا ہوں اور نہ الہام ربانی بلکہ ایک انسان کا کلام جانتا ہوں اور اس مسئلہ پر میں اس سے قبل کئی بار مفصل گفتگو کر چکا ہوں۔" (حوالہ۔ ایضاً۔ ص:۴۵)

گویا قرآن کو انسان کا کلام سمجھنا ہی دراصل رسول اللہ کو انسانیت کے مقام پر اور خدا کو خدائی کے مقام پر سمجھنے کے مترادف ہے۔

یہ تو تھی آپ کے ایمان باللہ' ایمان بالرسول اور ایمان بالکتاب کی مثال اب باقی اسلامی عقائد پر بھی آپ کا تبصرہ ملاحظہ فرمایئے:

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

"ہر چند خدا کے اس جدید تصور (جو نیاز صاحب کی اختراع ہے۔ مولف) سے انبیاء و رسل، مصحف مقدسہ، حیات بعد الموت، دوزخ و جنت، ملائکہ و شیاطین، حشر و نشر عذاب و ثواب ختم ہو جائیں گے۔ یا ان کی کوئی توجیہ کرنا ہوگی۔ لیکن اس کا کوئی علاج نہیں ہم کو ان مروجہ عقائد اور خدا دونوں میں سے ایک کو لینا ہے اور غالباً یہ زیادہ آسان ہوگا کہ خدا کے مقابلہ میں معتقدات کو پس پشت ڈال دیا جائے۔" (حوالہ۔ ایضاً۔ ص:۴۹۴)

یہ تو تھا اسلامی عقائد سے آپ کی بیزاری کا اعلان، اب خدا کے متعلق آپ کے ارشادات ملاحظہ فرمایئے:

"خدا کو آگ برساتے ہوئے، خون اور پیپ پلاتے ہوئے، آتشیں کوڑوں سے سزا دیتے ہوئے بہت زمانہ ہو چکا ہے، اب ضروری ہے کہ وہ صرف زخموں پر مرہم رکھے اور بجائے کسی خاص قوم پر لطف کرنے کے وہ تمام بنی نوع انسان کو اپنا ہی بندہ سمجھے اور نجات کا دروازہ سب کے لئے بغیر کسی شرط کے کھول دے لیکن مشکل یہ ہے کہ جب تک مذاہب کا عقائدی اختلاف دور نہ ہو۔ خدا کا کوئی ایسا کائناتی تصور قائم ہی نہیں ہو سکتا اور اگر کوئی شخص اختلاف عقائد کو مہمل قرار دیتا ہے تو اسے ملحد و کافر قرار دیا جاتا ہے۔ اس لئے میری رائے میں خدا کی خدائی اگر صحیح معنی میں قائم ہو سکتی ہے تو اس کی توقع ہم کو صرف کافروں اور ملحدوں ہی سے کرنا چاہیئے۔" (حوالہ۔ ایضاً۔ ص:۵۳۸)

سو یہ ہیں نیا زفتح پوری صاحب، جو خدا کو بھی ہدایات جاری فرما سکتے ہیں۔ علمائے وقت نے جب آپ کی یہ اسلام بیزاری اور کافروں اور ملحدوں میں شامل ہونے کی آرزو دیکھی تو آپ پر کفر والحاد کا فتویٰ لگا دیا اور آپ کو موقع دے دیا۔ کہ آپ اپنے اختراعی خدا کی خدائی قائم کرنے میں ممد ثابت ہوں۔ جب آپ پر کفر والحاد کا فتویٰ لگایا گیا تو آپ نے فرمایا:

"یہ تھا وہ سب سے پہلا فتویٰ کفر والحاد جس نے مجھے یہ کہنے پر مجبور کیا کہ اگر مولویوں کی جماعت واقعی مسلمان ہے تو میں یقیناً کافر ہوں اور اگر میں مسلمان ہوں تو یہ سب نامسلمان ہیں کیونکہ ان کے نزدیک اسلام نام ہے صرف کورانہ تقلید کا اور تقلید بھی اصول و احکام کی نہیں بلکہ بخاری و مسلم و مالک وغیرہ کی اور میں سمجھتا ہوں کہ حقیقی کیفیت اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہو سکتی جب تک ہر شخص اپنی جگہ غور کر کے کسی نتیجہ پر نہ پہنچے۔" (ایضاً۔ ص:۵۴۷)

نیاز صاحب کے درج بالا بیان سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوئیں:

① انکار حدیث کے ساتھ ہی انکار قرآن کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے پھر پورے طور پر انکار قرآن اور اس کے بعد انسان گمراہی کی انتہائی گہرائیوں تک پہنچ جاتا ہے۔

② کوئی مسلمان کتنا ہی ملحد زندیق ہو جائے وہ خود کو ہی صحیح مسلمان اور دوسرے تمام مسلمانوں کو غلط یا نامسلمان سمجھتا ہے۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

③ اسلام کے نام میں کچھ ایسی کشش ہے کہ ملحد اور دہریہ ہونے کے باوجود کوئی مسلمان دائرہ اسلام سے خارج ہونا پسند نہیں کرتا۔ اس کے تمام عقائد و نظریات کو پامال کرنے کے بعد بھی اسلام سے وابستہ رہنا پسند کرتا ہے۔

③ علامہ عنایت اللہ مشرقی : (۱۸۸۸۔ ۱۹۶۴ء) آپ تعلیم سے فراغت کے بعد اسلامیہ کالج پشاور کے پرنسپل بنے۔ انشاء پرداز فلسفی اور مورخ تھے۔ تذکرہ قول فیصل' مولوی کا غلط مذہب اور اشارات آپ کی تصانیف ہیں۔ آپ نے ۱۹۳۱ء میں خاکسار تحریک کی بنا ڈالی اور ایک ہفتہ وار پرچہ الاصلاح جاری کیا۔ ۱۹۴۰ء میں یہ تحریک خلاف قانون قرار دی گئی اور دم توڑ گئی۔ آپ اچھرہ میں مدفون ہوئے۔

آپ نیاز فتح پوری کے ہم پلہ فلسفی تو نہ تھے تاہم ان سے آدھے ضرور تھے۔ حدیث اور فقہ سے انکار کے بعد عقل نے آپ کو جس مقام پر پہنچایا۔ اس کا نقشہ کچھ اس طرح پیش فرماتے ہیں:

"تعجب ہے کہ مذہب کی طرف اس عام میلان کے باوجود ابتدائے آفرینش سے آج تک یہ قطعی فیصلہ نہ ہو سکا کہ کونسا مذہب سچا ہے؟ کونسا شارع کائنات اللہ تعالیٰ کے منشاء کے عین مطابق ہے؟ مذہب کی سچائی کا معیار کیا ہے؟ نہیں بلکہ خود مذہب کیا شئے ہے؟ اور اس کا مقصود بالذات بعینہ کیا ہے؟ خود خدا کی ہستی اور اس کے صحیح منشا کے متعلق آج تک کوئی حتمی اور متفق علیہ دلیل نہیں مل سکی" (دیباچہ تذکرہ - قول فیصل - ص:۶)

اب دیکھئے علامہ صاحب خدا کی ہستی کے متعلق کوئی ایسی حتمی اور متفق علیہ دلیل چاہتے ہیں' جیسے دو اور دو چار ہوتے ہیں۔ ہم عرض کریں گے کہ ایسی حتمی اور قطعی دلیل موجود ہوتی تو کسی بھی شخص کا کافر یا دہریہ ہونا ناممکن ہوتا پھر خدا کی اطاعت' اضطراری ہوتی اختیاری نہ ہوتی۔ جیسے کہ دوسری تمام اشیائے کائنات (سوائے جن وانسان) اللہ کی عبادت میں مصروف ہیں لیکن انسان کو اختیار اور عقل ممیزہ بھی عطا کی گئی ہے اور یہ بات انسان کی اپنی صوابدید پر چھوڑ دی گئی ہے کہ وہ خدا کو تسلیم کرے یا نہ کرے۔ بذریعہ وحی اس کی عقل کی رہنمائی اس انداز میں ضرور کی گئی ہے کہ وہ اشیائے کائنات میں غور وتدبر کے بعد خدا کی ذات پر یقین کرے اور اگر وہ انسان اتنا عقلمند نہیں تو پھر بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان بالغیب رکھے۔

اب اگر علامہ صاحب خدا کی ہستی کے متعلق ہی متردد ہوں تو انہیں کسی بھی رسول یا مذہب یا کسی مذہب کی سچائی ڈھونڈنے کی ضرورت بھی کیا ہے؟ آپ کی اس فلسفیانہ فکر نے آپ کو صرف حدیث سے ہی نہیں بلکہ مذہب اور خدا سے بے نیاز کر دیا۔ لیکن وہی اسلام سے وابستگی آڑے آتی رہی اور قرآن سامنے رہا۔ قرآن میں آپ کو مغربی اقوام ہی صحیح مومن نظر آنے لگیں۔ انگریز قوم اور انگریزی تہذیب کی جو عقیدت آپ کے دل میں تھی اس کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے بخوبی واضح ہوتا ہے:

"یہی انگریز تو وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں فرشتوں نے اپنے پروردگار سے جب وہ زمین پر اپنا خلیفہ بنانے کا ارادہ رکھتا تھا' یہ کہا تھا کہ "کیا تو ایسے شخص کو خلیفہ بناتا ہے جو اس زمین میں فساد اور

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

خونریزی کرے گا' اور ہماری تو یہ حالت ہے کہ ہم تیری حمد وثناء کرتے ہیں اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں،" تو اللہ تعالیٰ نے ان انگریزوں کے آئندہ اعمال پر غور کرتے ہوئے فرشتوں کو جواب دیا تھا کہ "میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے" پھر اللہ تعالیٰ نے ان انگریزوں کو بہت سی چیزوں کے نام اور بہت سی چیزوں کی حقیقتیں دکھا دیں اور پھر ان چیزوں کے استعمال پر قدرت دی اور اللہ کے فرشتے "سلام علیکم خوش رہو اس زمین پر اور اچھی زندگی بسر کرو تم" [1] کہتے ہوئے ہر دروازے سے داخل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تم انگریزوں کو راحت و آرام دے۔ آباد رہو تم قیامت تک۔" (تذکرہ۔ ص:۴۷۔ عربی ایڈیشن)

تاہم آپ نے بعد میں یہ اقرار کر لیا تھا کہ میں پیٹ کی خاطر قرآن کی تکذیب کرتا رہا ہوں وہ تذکرہ میں لکھتے ہیں:

"میں نے اپنے نفس کے لئے شب و روز ظلم کرتا رہتا ہوں اور صبح و شام اپنی تنخواہ کے لئے انگریز کی پرستش کرتا رہا ہوں اور اپنے رب کی عبادت نہیں کرتا تاکہ وہ مجھے اپنی طرف سے روزی عطا فرمائے اور میں دن بدن قرآن کی تکذیب کرتا رہتا ہوں اور میں توحید پر مداومت کی طاقت نہیں رکھتا' بلکہ اپنے نفس کے لئے مکر پر مکر کیے جاتا ہوں اور بڑی سرعت سے بار شرک میں مبتلا ہو رہا ہوں' سو تم مجھے نہ دیکھو' بلکہ جو کچھ میں کہتا ہوں اسے دیکھو۔" (تذکرہ۔ ص:۱۴۱۔ عربی ایڈیشن)

④ ڈاکٹر غلام جیلانی برق: بسال ضلع کیمبل پور میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کے بعد محکمہ تعلیم پنجاب سے منسلک رہے اور کیمبل پور کے کالج کے پرنسپل بھی رہے۔ آپ کی تصانیف' ایک اسلام دو اسلام' دو قرآن' حرف محرمانہ اور تاریخ حدیث ہیں۔ آپ بھی علامہ مشرقی کی طرح اقوام مغرب اور مغربی تہذیب کے دلدادہ تھے حدیث کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

"ملا سے میرا نزاع اس بات پر ہے کہ وہ حدیث کو آگے لا کر بے شمار خواہر کو جزو اسلام بنانا چاہتا ہے اور میں قرآن کو پیش کر کے ملت کو ان ملائی قیود سے آزاد کرانا چاہتا ہوں" (دو اسلام۔ ص:۱۱۴)

انکار حدیث کے بعد فکر قرآنی نے آپ کو جس مقام پر پہنچایا اس کا ماحصل یہ ہے:

① رسولوں پر ایمان لانا ضروری نہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے ﴿ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ کو قبول اعمال کی بنیادی شرط قرار دیا ہے' اس میں ایمان بالرسول شامل نہیں۔" (ایک اسلام۔ ص:۴۸)

---

[1] یہ سورہ زمر (۳۹-۷۳) کی ایک آیت کا ترجمہ ہے کہ جب قیامت کو لوگوں کا حساب کتاب ہو چکے گا تو متقین کو قافلہ کی صورت میں جنت کی طرف لے جایا جائے گا تو فرشتے ان سے کہیں گے کہ "تم پر سلامتی ہو اور تم خوش رہو۔ جنت کے دروازوں سے ہمیشہ کے لئے اس میں داخل ہو جاؤ۔"

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

② حتی کہ رسول اکرم پر بھی ایمان لانا ضروری نہیں۔ لکھتے ہیں:

"ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ اللہ تعالیٰ آیت ﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا ﴾ میں نیک یہود و نصاریٰ کو مژدہ رحمت سنا رہا ہے۔ یہ لوگ خدا و آخرت پر تو یقین رکھتے تھے مگر ہمارے رسول کی رسالت کے قائل نہ تھے۔ ممکن ہے ملا میری اس تحریر سے بھڑک اٹھے کہ لو جی یہ زندیق و ملحد نجات کے لئے ایمان بر محمد ﷺ کو بھی ضروری نہیں سمجھتا۔" (ایک اسلام۔ ص:۴۶)

③ اب اس فکرِ برق کا دوسرا پہلو یہ ہے:

"دوسری اقوام کے انبیاء سب رسول اللہ ﷺ کے ہم مرتبہ ہیں۔ مثلاً: موسیٰ و عیسیٰ، ابراہیم و محمد، رام و کرشن، کنفیوشس و زرتشت و بدھ علیہم السلام" (ایک اسلام۔ ص:۲۵)

④ آپ نے پہلے تو ایمان بر محمد ﷺ کو بھی غیر ضروری قرار دیا تھا۔ اب تمام انبیاء کو ضروری قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"دوسری اقوام کے انبیاء پر ایمان لانا ان کے اسوہ ہائے حسنہ پر چلنا۔ ان کے مناقب بیان کرنا۔ انہیں ہر لحاظ سے محمد ﷺ کا ہم مرتبہ ثابت کرنا اور ان کی تعلیمات کو تعلیمات قرآن کہنا ہمارا کام تھا لیکن اسے کر رہے ہیں بعض غیر مسلم۔" (ایک اسلام۔ ص:۲۴)

کچھ پتہ ہے یہ بعض غیر مسلم جو ہمارے کرنے کے کام کر رہے ہیں۔ وہ کون ہیں؟ وہ ہیں اقوام مغرب، آپ بھی علامہ مشرقی کی طرح اقوام مغرب پر اور ان کی تہذیب پر بہ دل و جان نثار تھے۔ انگریز قوم کے فضائل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہاں آپ کی آنکھوں کے سامنے اللہ کے تمام انعامات سے (انگریز) لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ سلطنت اسکی علم اسکا، فضائیں اسکی، ہوائیں اسکی، باغ اس کے نہریں اسکی، دانش اسکی حکمت اسکی، اگر کل کو اللہ اسکی آخرت بھی سنوار دے تو آپ اسکا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔" (ایک اسلام۔ ص:۴۶)

⑤ آپ اسی قوم انگریز کو ہی متقین قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"متقین کا مصدر ہے تقویٰ جس کے معنی ہیں حفاظت بچاؤ، ڈیفینس، یعنی متقی لوگ وہ ہیں جن کا ڈیفینس مضبوط ہو، جن کی سرحدیں مستحکم ہوں، جو مہیب عسکری طاقت کے مالک ہوں اور جن کا کردار اتنا بلند ہو کہ ان پر کسی قسم کا حملہ نہ کیا جا سکے۔" (دو اسلام۔ ص:۲۶۲)

برق صاحب نے بھی (پرویز صاحب کی طرح) چند درچند کتب لکھ کر یہ نظریہ پیش کیا کہ مسلمانوں کی موجودہ پستی کی وجہ یہی حدیثی اسلام ہے اور جب تک مسلمان اس سے پیچھا نہیں چھڑائیں گے، ان کی اصلاح ناممکن ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ بتدریج آپ اس حدیثی اسلام کی طرف خود بھی مائل ہونے لگے چنانچہ دو اسلام میں ایک باب "صحیح احادیث کو ماننا پڑے گا" بھی لکھا بعد میں انکار حدیث کے نظریہ سے توبہ کر لی اور علامہ مشرقی کی طرح اپنی غلطی کا صرف برملا اعتراف ہی نہیں کیا بلکہ "تاریخ حدیث" لکھ کر تلافی مافات بھی کر دی۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

⑤ **اسلم صاحب جے راج پوری:** ۱۲۹۹ھ میں جیراج پور ضلع اعظم گڑھ (یو۔پی بھارت) میں پیدا ہوئے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد سن ۱۹۰۶ء میں علی گڑھ یونیورسٹی میں لیکچرار لگ گئے۔ بعد میں جامعہ ملیہ دہلی میں تاریخ اسلام کے استاد مقرر ہوئے۔ آپ کی قابل ذکر تصانیف' تاریخ القرآن' تاریخ امت (آٹھ جلدوں میں) اور الوراثۃ فی الاسلام ہیں۔ منکرین حدیث میں بعض وجوہ سے آپ کا مقام بلند ہے۔ پرویز صاحب نے انہیں کے فکر قرآنی سے فیض حاصل کیا ہے۔ آپ کی نظر میں حدیث کی اہمیت تاریخ سے کچھ زیادہ نہیں۔ بالفاظ دیگر کوئی شخص بھی موجودہ مجموعہ احادیث میں سے اگر کوئی حدیث قبول کرنا چاہے تو وہ محض اس کی پسند اور مرضی پر منحصر ہے اور اگر رد کر دیتا ہے تو بھی چنداں مضائقہ نہیں۔ چنانچہ حافظ اسلم صاحب ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ﴾ کی تفسیر لکھتے ہوئے احادیث پر ان الفاظ میں تبصرہ فرماتے ہیں:

حافظ اسلم صاحب کا نظریہ حدیث:

اس تکمیل کے بعد اب دین میں کمی کیا رہ گئی جو روایتوں سے پوری کی جائے؟ اس لئے روایتوں کی جگہ اپنی تاریخ کی الماری ہے' ان سے تاریخی اور علمی فائدے حاصل کیے جا سکتے ہیں اور فقہ اسلامی یعنی قوانین وضوابط کے استنباط میں کام لیا جا سکتا ہے۔ حدیثوں میں آنحضرت ﷺ کے اقوال' اعمال اور احوال بیان کیے گئے ہیں اور اسی کا نام تاریخ ہے۔ بے شک قرآن کے احکام مثلاً نماز روزہ' حج اور زکوۃ وغیرہ پر رسول اللہ ﷺ نے جو عمل کر کے دکھایا اور امت کو سکھایا اور جو سلسلہ بہ سلسلہ متواتر چلا آرہا ہے وہ یقینی اور دینی ہے کیونکہ تواتر یقینیات کے اقسام میں داخل ہے اور اسی کے متعلق قرآن نے کہا ہے: ﴿ وَلَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ (طلوع اسلام۔ ستمبر ۱۹۵۵ء)

اس تبصرہ پر جناب غلام احمد پرویز صاحب فٹ نوٹ میں لکھتے ہیں کہ:

"تواتر بھی وہی یقینی ہے جو قرآن کے مطابق [1] ہو"

انکار حدیث کے بعد علامہ مشرقی اور ڈاکٹر غلام جیلانی برق تو انگریز قوم کے دلدادہ بن گئے تھے مگر آپ ان کے برعکس روس نوازی اختیار فرماتے ہیں لکھتے ہیں:

"اس میں شک نہیں کہ اس زمانہ میں سوویت روس میں اہل مذاہب اور مسلمانوں پر مظالم ہوتے ہیں لیکن جو لوگ قرآنی زاویہ نگاہ رکھتے ہیں وہ دیکھ رہے ہیں کہ عالم میں جو کچھ حرب وضرب' شورش وانقلاب' تغیر وتبدل ہو رہا ہے۔ وہ سب تکمیل دین اور اتمام نور کے لئے ہو رہا ہے اور اسلام کے واسطے زمین تیار کی جا رہی ہے کیونکہ انسانیت کو ایک نہ ایک دن ان حقائق ثابتہ پر پہنچنا لازمی ہے۔" (نوادرات - ص:۱۱۴)

---

[1] اور قرآن وہ ہے جو پرویز صاحب نے سمجھا۔ یعنی تواتر بھی وہی یقینی ہے جو آنجناب کی قرآنی بصیرت کے مطابق ہو۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

پھر فرمایا:

"جملہ مذاہب (نہ کہ دین) اشخاص پرستی سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان کی تاریخ میں سوائے تفرقہ اندازی' سفک دم اور عداوت پیدا کرنے کے اور کچھ نہیں۔ اس کا مٹانا اسلام کا فریضہ ہے اور یہی روسیوں نے کیا ہے۔ یہی نفی لا ہے" (ایضاً: ص:۱۱۵۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ حقائق ثابتہ جو قرآن میں مذکور ہیں' رسول اللہ ﷺ کو معلوم تھے۔ یا نہیں؟ اگر معلوم تھے تو کیا انہوں نے اسی طرح دوسرے مذاہب پر مظالم ڈھا کر اسلام کے لئے زمین ہموار کی جس طرح موجودہ دور میں روس میں ہو رہا ہے؟ اور نفی لا کا آپ ﷺ نے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہی مطلب سمجھا تھا جو آپ سمجھ رہے ہیں۔

آپ کے روس نوازی کے قرآنی فکر کی بنیاد پر آگے چل کر پرویز صاحب نے "قرآنی نظام ربوبیت" ایجاد فرمایا اور تمام منکرین حدیث پر آپ کا احسان یہ ہے کہ آپ نے "مرکز ملت کا تصور" اختراع کر کے ان حضرات کو ایک بہت بڑی پریشانی سے نجات دلائی۔ آپ کے مزید عقاید و نظریات کی تفصیل اس کتاب میں مل جائے گی۔ بالخصوص اس کتاب کا حصہ "دوام حدیث" میں آپ ہی کے ارشادات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے پھر آپ نے بعض ایسے مسائل کا بھی انکار کیا۔ جن کے اشارات قرآن کریم میں ملتے تھے۔ مگر ان کی وضاحت احادیث میں مذکور تھی اور وہ متفقہ طور پر مسلمانوں میں تسلیم کیے جاتے تھے۔ ان میں کچھ مسائل ایسے بھی تھے جن کی داغ بیل سرسید احمد خاں ڈال چکے تھے۔ مثلاً حج کے موقع پر کھانے پینے کی ضرورت سے زیادہ قربانی آپ کے خیال میں ایک لغو فعل تھا۔ سید صاحب تعدد ازواج کے بھی قائل نہیں تھے۔ وہ قرآن کریم میں کسی طرح کے نسخ کے بھی قائل نہ تھے۔ وہ بینکوں کے سود اور تجارتی سود کو جائز قرار دیتے تھے۔ (اس مسئلہ میں ادارہ طلوع اسلام سید صاحب سے اختلاف رکھتا ہے) نیز وہ وصیت کے لئے کسی شرط کے بھی قائل نہ تھے۔ حافظ اسلم صاحب نے ان مسائل کو شرح وبسط سے پیش کیا اور کچھ مزید مسائل کا اضافہ بھی کیا مثلاً عذاب قبر سے انکار اور اطاعت والدین کی نفی وغیرہ وغیرہ۔

تیسرے دور کا آغاز

گو سرسید احمد خاں سے لے کر آج تک کی قرآنی فکر کی تحریک میں ایک تاریخی تسلسل موجود ہے۔ تاہم اس دور کا آغاز ہم قیام پاکستان سے کرتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اس دور میں چند نئے نظریات بھی فکر قرآنی میں شامل ہو گئے۔ جن کی تفصیل آگے آئے گی۔

غلام احمد پرویز: آپ حافظ اسلم صاحب جیراجپوری کے فیض یافتہ ہیں عمر کا بیشتر حصہ سرکاری ملازمت میں گزارا۔ آپ ہوم ڈیپارٹمنٹ میں سیکشن آفیسر کے طور پر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ آپ علامہ اقبال

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

کے شیدائیوں میں سے تھے۔ ۱۹۳۸ء میں علامہ موصوف نے وفات پائی تو ان کی یادگار کے طور پر سید نذیر نیازی صاحب نے ایک ماہنامہ بنام "طلوع اسلام" جاری کیا تھوڑی ہی مدت بعد پرویز صاحب نے اس ماہنامے کی سرپرستی سنبھال لی۔ اور تعلیمات اقبال کے علاوہ آہستہ آہستہ اس پرچہ کو اپنے افکار و نظریات کی نشر و اشاعت کا ذریعہ [1] بنایا۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان بنا تو آپ دہلی سے کراچی منتقل ہوئے۔ کراچی آکر آپ نے اس ماہنامہ کو اب محض اپنے افکار کی اشاعت کے لیے مختص کر لیا۔ اس ماہنامہ کا جلد نمبر بھی ۱۹۴۷ء سے ہی شروع کیا گیا۔ اب یہ پرچہ پرویز صاحب' ان کی پارٹی اور دوسرے منکرینِ حدیث کا ترجمان بن کر سامنے آیا۔ ۱۹۵۵ء میں قبل از وقت پنشن ملی۔ بعدہ اس پرچہ سمیت لاہور گلبرگ کوٹھی نمبر 25/B میں منتقل ہو گئے اور اسی مقام پر فروری ۱۹۸۵ء میں ۸۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔

آپ مغربی مفکرین کے افکار و نظریات سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ اور اپنے مافی الضمیر کی تشریح کے لیے بکثرت ان کے اقتباس پیش کرتے جاتے ہیں۔ بعد میں قرآنی آیات لکھ کر ان افکار پر فٹ کر دیتے ہیں۔ آپ نے اپنے افکار و نظریات کی مکمل وضاحت کے لیے طلوع اسلام کو ادارہ کی شکل دی جس کے مدیر آپ خود ہیں۔ اس ادارہ نے آپ کی بہت سی تصانیف کو شائع کیا ہے۔ جن میں سے اکثر کا ذکر آپ کو اس کتاب میں مل جائے گا۔

طلوع اسلام کا اپنے پیشروؤں کو خراجِ عقیدت

ادارہ طلوع اسلام کے پیشرو یا سلف صالحین میں سے اکثر کا ذکر اس سلسلہ میں کیا جا چکا ہے۔ جناب چوہدری غلام احمد صاحب پرویز مدیر ادارہ مذکور ان حضرات کے افکار و نظریات سے ماسوائے چند فروعی اختلافات کے پوری طرح متفق ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے کہ وہ کن الفاظ میں ان حضرات کو خراجِ عقیدت پیش فرما رہے ہیں:

معتزلین اور طلوع اسلام:

"اگر مسلکِ اعتزال باقی رہتا تو یہ جمود و تعطل جو آج مسلمانوں میں نظر آرہا ہے۔ وجود میں نہ آتا اور علم و فکر کی دنیا میں مسلمان آج ایسے مقام پر کھڑے ہوتے جہاں ان کا کوئی مقابل نہ ہوتا" (طلوع اسلام۔ ص:۳۰' جولائی ۱۹۵۵ء)

گویا مسلمانوں کا سب سے بڑا قصور یہ ہے کہ انہوں نے مسلک اعتزال کو ترک کر دیا ہے۔

---

[1] دوران ملازمت آپ کے مضامین "رازی" اور ایک مسلمان کے نام سے چھپتے رہے۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

سرسید احمد خاں اور طلوع اسلام: اور سرسید کے کارناموں سے ادارہ طلوع اسلام اتنا متاثر ہے کہ اس کی مدح وتحسین میں "پاکستان کے معمار اول" کے نام سے کتاب بھی شائع کی ہے۔ اسی کتاب کے مولف ص ۷۷ پر یوں رقمطراز ہیں:

"سرسید نے صدیوں کے جمود کی سلوں کو توڑا اور آنے والوں کے لیے فکرو تدبر کا راستہ صاف کیا۔ اس کا یہ کارنامہ اتنا بڑا ہے کہ اس کے بعد آنے والے قرآنی فکر میں کتنا ہی کیوں نہ آگے بڑھ جائیں۔ اس سابق اول کے احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔"

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"ہم سرسید کے اس احسان عظیم سے سبکدوش نہیں ہو سکتے کہ انہوں نے انتہائی تاریکیوں میں اس مبارک ومسعود کام کا آغاز کیا ہے۔ سرسید کی روح آج مفکرین اسلام کی تازہ بہ تازہ کاوشوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وجد ومسرت سے جھوم جھوم کر کہہ رہی ہے دیدہ آغازم' انجام نگر..... ہمارا دور سرسید کے دور سے علمی اور فکری لحاظ سے بہت آگے ہے اور اسی لیے جن مفکرین نے اس زمانے میں اپنے تدبر فی القرآن کے نتائج پیش کیے ہیں وہ سرسید کے فکری نتائج کے مقابلے میں کہیں بلند اور محکم دکھائی دیتے ہیں لیکن اس سے سرسید کی فکری عظمت کم نہیں ہو پاتی' بہرحال سابق اول' اول ہی رہتا ہے" (پاکستان کا معمار اول۔ ص:۷۵۔۷۶)

علامہ مشرقی اور ادارہ طلوع اسلام:

"علامہ صاحب مرحوم ومغفور کی عالمی شہرت کا آغاز ایک رینگلر کی حیثیت سے ہوا تھا۔ اس کے بعد وہ ایک عظیم فوجی تحریک کے بانی اور قائد کی حیثیت سے منظر عام پر آئے۔ یہ سب کچھ ان کی عظمت کی شہادت دے رہا ہے لیکن "تذکرہ" کے مصنف کی حیثیت سے وہ جس اعزاز کے مستحق تھے وہ اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھا۔ عصر حاضر کے علوم کی روشنی میں قرآنی حقائق کو پیش کرنے کی یہ بڑی کامیاب کوشش تھی" (طلوع اسلام۔ اکتوبر ۱۹۶۳ء)

حافظ اسلم صاحب اور ادارہ طلوع اسلام:

"آج اسی سرزمین میں علامہ اسلم جے راجپوری مدظلہ العالی کی قرآنی فکر برگ وبار لا رہی ہے جنہوں نے اپنی عمر عزیز اسی جہاد کیلئے وقف کر رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں تادیر سلامت رکھے تاکہ ہم انکے تدبر فی القرآن کے نتائج سے مستفیض ہو سکیں۔ میرے کاشانہ فکر میں سلیم! اگر کوئی چمکتی ہوئی کرن دکھائی دیتی ہے تو وہ انہیں کے جلائے ہوئے دیپوں کا فروغ ہے۔" (سلیم کے نام سترہواں خط' ص:۳۶)

طلوع اسلام اور حافظ عنایت اللہ اثری (۱۴۰۰ھ۔۱۹۸۰ء): ممتاز عالم دین اور طلوع اسلام کی طرح سرسید احمد کے افکار سے بہت متاثر ہیں۔ جیسا کہ اثری کے لاحقہ سے بھی معلوم ہوتا ہے آپ خود کو

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

اہلحدیث کہلوانا پسند فرماتے ہیں۔ جب کہ جماعت اہل حدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی (گوجرانوالہ کے دور نظامت میں) نے ایک دفعہ آپ کو جماعت سے خارج کرنے کی قرارداد بھی پیش کر دی تھی۔ جس پر بوجوہ عملدرآمد نہ ہو سکا۔

آپ بھی سرسید اور دوسرے تمام منکرین حدیث کی طرح معجزات انبیاء کے منکر ہیں۔ آپ نے تمام امت مسلمہ کے مسلّمہ عقیدہ کے علی الرغم "عیونِ زمزم فی ولادت عیسیٰ ابن مریم" نامی کتاب لکھ کر حضرت عیسیٰ کے بن باپ پیدائش کی تردید فرمائی۔ علاوہ ازیں دو کتابیں بیان المختار اور قول المختار لکھ کر تمام انبیاء کے معجزات سے انکار فرمایا ہے۔ حافظ صاحب اور دوسرے منکرین حدیث میں مابہ الامتیاز فرق یہ ہے کہ تمام منکرین حدیث کا طریق کار یہ ہوتا ہے کہ پہلے احادیث کا انکار کرتے ہیں پھر بعد میں قرآن کی من مانی تاویلات کر کے قرآن پر ہاتھ صاف کرتے ہیں۔ جب کہ حافظ صاحب تاویلات کے ذریعہ پہلے قرآن پر ہاتھ صاف کرتے ہیں۔ بعدہ حدیث پر۔ گویا آپ کا کام عام منکرینِ حدیث سے دوگنا بڑھ گیا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تاویل قرآنی کے دھندے میں حافظ صاحب موصوف نے منکرینِ حدیث کے کان کتر ڈالے ہیں۔ راقم الحروف نے مندرجہ بالا تینوں کتب کے جواب میں ایک مفصل کتاب عقل پرستی اور انکار معجزات لکھی ہے۔ جس میں حافظ صاحب کی تاویلات وافکار کا مدلل طور پر محاسبہ پیش کیا گیا ہے۔

حافظ صاحب نے جب واقعہ اسراء کی تاویل پیش فرماتے ہوئے مسجد اقصیٰ سے مراد دور کی مسجد اور مدینہ منورہ نیز واقعہ اسرا سے مراد ہجرت نبوی کا تصور پیش کیا تو پرویز صاحب نے انہیں درج ذیل الفاظ میں ہدیہ تبریک پیش فرمایا تھا:

"اگلے دنوں ایک صاحب کی وساطت سے مجھے عنایت اللہ اثری (وزیر آبادی ثم گجراتی) کی کتاب "حصول تیسیر البیان علی اصول تفسیر القرآن" دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت اور خوشی ہوئی کہ انہوں نے بھی مسجد اقصیٰ کا وہی مفہوم لیا ہے جسے میں نے مفہوم القرآن میں لکھا تھا' ایک اہل حدیث عالم کی طرف سے اس آیت کا وہ مفہوم جو روایاتی مفہوم سے ہٹا ہوا ہو۔ واقعی باعث تعجب (اور چونکہ وہ مفہوم میرے نزدیک قرآن کے منشاء کے مطابق ہے اس لیے وجہ حیرت) ہے مولانا صاحب اگر بقید حیات ہوں (خدا کرے کہ ایسا ہی ہو اور خدا ان کی عمر دراز کرے) تو وہ میری طرف سے اس تحقیق اور حق گوئی کی جرأت پر ہدیہ تبریک قبول فرمائیں۔" (طلوع اسلام۔ جنوری ۷۵ء ص:۴۱)

اور اب جب طلوعِ اسلام کا دور آیا تو زمانے کے تقاضے اور آگے بڑھ چکے تھے۔ تہذیب مغرب کی تقلید میں ہمارے ہاں بھی "مساوات مرد و زن" کے نعرے لگ رہے تھے۔ حقوق نسواں کمیٹیاں مقرر ہو چکی تھیں' ان کے عالمی سال منائے جا رہے تھے۔ عورتیں ہر طرح کے سیاسی اور معاشی حقوق مانگ رہی تھیں اور وہ عائلی نظام میں کسی طرح بھی ثانوی حیثیت سے رہنے کے لیے تیار نہ تھیں۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

تعدد ازواج کا مسئلہ پہلے ہی سرسید احمد خاں صاحب حل فرما چکے تھے۔ [1] پرویز صاحب نے اس نوعیت کے مسائل پر قلم اٹھایا اور اپنے قرآنی فکر کی رو سے طاہرہ کے نام خطوط لکھ کر عائلی نظام میں مرد کے تفوق یا سربراہِ خانہ کی حیثیت کو حتی الامکان ختم کر دیا۔

ادھر روس میں اشتراکیت قائم ہوئے تیس سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ پاکستان میں اسلامی سوشلزم کے نعرے لگ رہے تھے۔ اور بعض علماء اشتراکیت کے حق میں قرآن سے دلائل بھی پیش کر رہے تھے۔ آپ ذہنی طور پر اشتراکیت کے نظام کو پسند کرتے تھے۔ لہٰذا آپ نے انسان کے معاشی مسئلہ کا حل قرآنی نظام ربوبیت کی شکل میں پیش کیا جو اپنی ظاہری شکل وصورت میں اشتراکیت کا مکمل چربہ ہے۔ جس میں انفرادی ملکیت کو کلیتاً ختم کر دیا گیا ہے۔ مگر اس کا بنیادی فلسفہ صرف خدا سے انکار اور لادینیت پر مبنی نہیں۔ بلکہ نظریہ ارتقاء کے فلسفہ پر مبنی ہے جس کی رو سے انسان کا محض معاشی مسئلہ ہی حل نہیں ہوتا بلکہ اس کی ذات کی نشوونما بھی ہوتی جاتی ہے۔ جو آپ کے قرآنی فکر کی رو سے انسان کا منشائے مقصود یا مقصدِ حیات ہے۔

طلوعِ اسلام کے عجمی افکار

گویا ادارہ طلوع اسلام نے سابقہ قرآنی فکر کو صرف آگے ہی نہیں بڑھایا' بلکہ اس فکر کے لیے مزید میدان بھی پیدا کیے ہیں جن کو مختصراً درج ذیل نکات کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے:

① عقل کا تفوق اور برتری:

یہی چیز فکر قرآنی کی روح رواں ہے جو جہم واعتزال سے لے کر آج تک اس سلسلہ میں پائی جاتی ہے اور طلوع اسلام کی بیشتر کتابوں میں اس کی جھلک نمایاں دکھائی دیتی ہے' ہرچند یہ لوگ زبانی طور پر عقل کے مقابلہ میں وحی کی برتری کے قائل ہیں لیکن عملاً جب یہ لوگ اپنے کسی مخصوص نظریہ کو قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش میں تاویلات پیش کرتے ہیں تو ان کے زبانی اقرار کی نفی از خود ثابت ہو جاتی ہے۔

② خدا کی ذات کے متعلق ان لوگوں کا تصور تجریدی ہی رہا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے اللہ پر ایمان بالغیب حصہ ششم) تجریدی تصور کی یہ جھلک آپ کی بہت سی تصنیفات میں واضح طور پر نظر آتی ہے۔

---

[1] سرسید ایک سے زیادہ بیویوں سے نکاح کے جواز کے قائل نہیں' دلیل یہ دی کہ قرآن نے اس کے لیے عدل کی شرط عائد کی ہے اور ساتھ ہی قرآن نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اگر تم چاہو بھی تو ان کے درمیان عدل نہیں کر سکو گے لہٰذا قرآن ہی کی رو سے ایک سے زیادہ بیویوں سے نکاح جائز نہیں اب سوال یہ ہے کہ اگر بات یہی تھی جو سرسید سمجھے تو قرآن نے دو دو' تین تین اور چار چار بیویوں کی اجازت دے کر کیا محض شاعری ہی فرمائی ہے۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

③ مسئلہ تقدیر اور جزاء وسزا کے متعلق بھی آپ کا نظریہ معتزلین سے بہت حد تک ملتا جلتا ہے۔ آپ نے کتاب التقدیر لکھ کر اس مسئلہ کی یوں وضاحت فرمائی ہے:

"خدا نے کائنات کو پیدا کر کے ہر چیز کے پیمانے یا قوانین مقرر فرما دیے ہیں' اب وہ خود بھی ان قوانین کا پابند بن گیا ہے' ہر عمل کا ایک لازمی نتیجہ ہے جو ان قوانین کے تحت ظہور میں آتا ہے اور ان نتائج کو روکنا یا ختم کرنا اللہ کے قوانین کی خلاف ورزی ہے۔ اس عقیدہ کی رو سے جہاں انسان کو اپنے اعمال کا مختار کلی قرار دیا گیا ہے۔ وہاں خدا کی مغفرت اور انبیاء وصالحین کی شفاعت کا عقیدہ بھی باطل قرار پاتا ہے۔

④ معجزات کے انکار کے سلسلہ میں آپ سرسید کے ہمنوا ہیں اور کوئی بات خلاف فطرت تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ سرسید گو زبانی طور پر معجزہ کے امکان کے قائل ہیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے لیکن اس کے باوجود آپ نے قرآن میں مذکور تمام معجزات کی ایسی تاویل فرمائی ہے کہ ہر واقعہ کو مطابق فطرت بنا کے چھوڑا ہے۔ پرویز صاحب بھی ادبی زبان میں عصائے کلیمی کے اعجاز کے قائل ہیں' آپ فرماتے ہیں:

"وہ دَور ہی اعجوبہ پرستی کا تھا۔ نیز ذہن انسانی ابھی ناپختہ تھا۔ لہٰذا انہیں یہ معجزہ دیا گیا۔ حضور اکرم ﷺ کے دور میں انسانی عقل وفکر اپنی پختگی کو پہنچ چکی تھی۔ لہٰذا آپ کو کوئی حسی معجزہ نہیں دیا گیا۔ قرآن کریم سے حضور اکرم ﷺ کا کوئی حسی معجزہ [1] ثابت نہیں ہوتا۔" (معراج انسانیت۔ ص:۷۰۳)

عملاً وہی کچھ کرتے ہیں جو سرسید نے کیا۔

⑤ نظریہ ارتقاء کے مسئلہ میں آپ صرف سرسید کے ہمنوا ہی نہیں۔ بلکہ "ابلیس وآدم" نامی کتاب لکھ کر اس نظریہ کو قرآن سے ثابت کیا ہے۔ ملائکہ' آدم' ابلیس وغیرہ سب باتوں میں آپ سرسید کی توجیہات کو تسلیم کرتے ہیں۔ مزید برآں یہ کہ آپ نے انسان کے آئندہ ارتقاء کی بھی نشاندہی فرمائی ہے۔ یہ بحث آگے آئے گی۔

⑥ آپ نے حافظ اسلم کے پیش کردہ تصور مرکز ملت کی بھی قرآن کریم سے توضیح وتصریح فرمائی ہے جس کی رو سے آپ نے مرکز ملت کو اللہ اور رسول کے جملہ اختیارات تشریع تفویض فرما دیے ہیں۔

⑦ "طاہرہ کے نام خطوط" لکھ کر آپ نے عائلی نظام میں مرد کے تفوق کو یکسر ختم کر دیا ہے اور یہ سب کچھ قرآن کریم سے ہی ثابت کیا گیا ہے۔

⑧ آپ کی سب سے نمایاں کارکردگی یہ ہے کہ آپ نے انسان کے معاشی مسئلہ کا حل قرآنی نظام ربوبیت کی شکل میں قرآن ہی سے ثابت کر دکھایا ہے۔

---

[1] حالانکہ قرآن سے آپ کے کم از کم تین حسی معجزے ثابت ہیں جن کی تفصیل پہلے پیش کی جا چکی ہے۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

تاویلات کا دھندا: اب ظاہر ہے کہ اتنے کثیر عجمی نظریات کو قرآن سے ثابت کرنے کے لیے قرآن کی کس قدر آیات کو تاویلات کی سان پر چڑھانا ضروری تھا اور ساتھ ہی متعلقہ احادیث سے انکار بھی' لہٰذا آپ نے ان دو گونہ پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے۔

① تمام احادیث کو ناقابل اعتماد قرار دیا۔ آپ صرف وہ احادیث قابل قبول سمجھتے ہیں جو "آپ کی قرآنی فکر" کے مطابق ہوں۔"

② قرآن کی تمام مروجہ اصطلاحوں کو نئے معانی ومفاہیم کا جامہ پہنایا' مثلاً خدا' عبادت' سلام' ملائکہ' صلوٰۃ' زکوٰۃ' قیامت' جنت' دوزخ' ایمان بالغیب وغیرہ کا مروجہ مفہوم ہی یکسر بدل ڈالا گیا۔ پھر بھی بات نہ بنی تو کئی جلدوں میں لغات القرآن تصنیف کر ڈالی گئی اور دور جاہلیت سے عربی الفاظ کے ایسے معانی تلاش کیے گئے جو ان مخصوص نظریات کی تائید میں مد ثابت ہو سکیں۔

طلوع اسلام کا لٹریچر: پھر چونکہ آپ کا یہ انداز تفسیر بالکل نرالا تھا' لہٰذا آپ اسے عام لوگوں کو سمجھانے کے لیے لغات القرآن' مطالب الفرقان' معارف القرآن' مفہوم القرآن اور تبویب القرآن کی کئی کئی جلدیں مرتب کرنا پڑیں۔ اس سے بھی کام نہ چلا تو کثیر مقدار میں اردو لٹریچر کا بھی اہتمام کیا گیا تاکہ عوام الناس قرآن کے معنی ومطالب اسی طرح سمجھ سکیں جس طرح آپ خود اسی قرآنی بصیرت کے مطابق اسے سمجھے ہیں۔

ایک لطیفہ یاد آگیا' پرویز صاحب نے (قرآنی فیصلے۔ ص:۲۴۰) پر ایک ہندو کا خط نقل فرمایا ہے' جو لکھتا ہے کہ آپ نے جو میرے مطالعہ کے لیے قرآن مترجم بھیجا ہے۔ یہ بیشتر مقامات پر اپنے معانی میں صاف ہے اور اس سے روح کو تسکین ہوتی ہے' لیکن اس کی شرح وتفسیر میں پورا "صندوق کتب" موجود ہے' میں اس کے مطالعہ کا بار نہیں اٹھا سکتا۔ پرویز صاحب نے واقعی اس "صندوق کتب" کے بار سے ہری چند مہاشا کو نجات دے دی' لیکن قرآن کی تفہیم وتشریح کے لیے اس سے بڑا صندوق کتب خود تیار کر دیا ہے۔ گویا آپ کو اصل شکایت یہ ہے کہ مسلمان احادیث وتفاسیر کا بوجھ کیوں اٹھاتے ہیں۔ میری تصنیف شدہ کتب کا بوجھ کیوں نہیں اٹھاتے؟ رہا عوام کا مسئلہ تو انہیں تو بہرحال کوئی نہ کوئی بوجھ اٹھانا ہی پڑے گا۔

آپ کی اس تاویل وتفسیر پر کسی دل جلے نے یوں تبصرہ کیا:

"آپ کے مشورہ پر معارف القرآن کا مطالعہ کر رہا ہوں مگر اس کی تو پہلی ہی جلد نے میرا جی جلا دیا۔ غضب خدا کا تفسیر بالرائے کی ایسی بھونڈی مثالیں نہ کبھی دیکھیں نہ سنیں' چلتے چلتے ایک لفظ کی طرف اشارہ کرتا ہوں' سن لیجیے کہ آپ کے پرویز صاحب کیسے کیسے حیلوں سے تفسیر بالرائے کرتے ہیں۔ ایک لفظ ہے "آلاء" جو سورہ رحمٰن میں تکرار کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ سلف سے لے کر خلف تک سب مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ اس کے معنی نعمت ہیں' مگر وہ (پرویز صاحب) اس کے معنی "قدرت" کر دیتے ہیں۔ اب کہیے کہ ایسی تفسیر کو اگر جائز رکھا جائے تو قرآن بچوں کا کھیل

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

بن جاتا ہے یا نہیں کہ جو آئے اسے مروڑ دے۔ (جناب پرویز کے معتقد خاص سید نصیر شاہ کے نام ایک کرم فرما کا خط بحوالہ ماہنامہ طلوع اسلام۔ جون ۱۹۵۸ء)

مسلمانوں سے شکوہ؟ : آپ چونکہ مغربی افکار و نظریات سے شدید متاثر ہیں اور اپنی قرآنی تاویل و تعبیر کی تائید میں بسا اوقات مغربی مفکرین کے اقتباسات ہی پیش فرماتے ہیں۔ لہٰذا اس طرز عمل کے دو نتائج بدیہی طور پر سامنے آتے ہیں۔ ایک یہ کہ آپ کی یہ تاویل و تعبیر کم از کم مسلمانوں میں نہیں پنپ سکتی۔ اس بات کا شکوہ آپ خود بھی ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ ہم چونکہ قرآن کو ترجموں کے ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اس سے اسکی اصل سے ناواقف رہ جاتے ہیں۔ لہٰذا قرآن سمجھنے کیلئے عربی جاننا نہایت ضروری ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ قرآن عربی زبان میں ہے اور جب تک ہم عربی نہ جانیں قرآن کو کیسے سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن اس سے اس مشکل کا حل نہیں ہوتا جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے۔ پہلی چیز تو یہ ہے کہ جن حضرات نے عربی ترجمے کیے ہیں وہ تو عربی جانتے تھے۔ اگر عربی جاننے سے صحیح قرآن سمجھ میں آجاتا تو انکے ترجموں سے بھی قرآن سمجھ میں آجانا چاہیئے تھا۔ تمام تر نہیں تو قریب قریب۔ دوسری چیز یہ (اور یہ پہلی سے بھی زیادہ اہم ہے) کہ آج مسلمانان عالم کا بیشتر حصہ ایسا ہے جس کی مادری زبان عربی ہے۔ ان کیلئے صحیح قرآن سمجھنے میں تو کوئی دشواری نہیں ہونی چاہیئے۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ وہ بھی قریب قریب اسی قسم کا قرآن سمجھتے ہیں جس قسم کا قرآن ہمارے ہاں ترجموں سے سمجھا جاتا ہے۔ آپ عربی ممالک (یعنی عربی بولنے والے مصنفین) کی مذہبی کتابیں اٹھا کر دیکھیے' جہاں تک قرآن کا تعلق ہے ان میں اور اپنے ہاں کی مذہبی کتابوں میں کوئی فرق نظر نہیں آئے گا۔ مجھے ایک عرب ادیب کو دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ ادب کا امام' زبان پر اس قدر عبور کہ ایک ایک لفظ کی بیسیوں سندات مستحضر۔ ایسا نظر آتا تھا کہ اسے بڑے بڑے عربی لغت' شعراء کے دواوین اور کتب محاضرات حفظ ہیں۔ مرادفات کے معنی میں ایسا لطیف فرق بتاتا تھا کہ سن کر لطف آجاتا تھا۔ لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہتی' جب میں دیکھتا کہ جونہی قرآن کی کوئی آیت سامنے آتی وہ وہی مفہوم بیان کرتا جو ہمارے مکتبوں میں پڑھایا جاتا ہے اور جس میں قرآن (۱) نام کو نہیں ہوتا۔" (قرآنی فیصلے' ص:۲۶۰-۲۶۱)

اہل مغرب میں پرویز صاحب کی مقبولیت : اور دوسرا (نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی یہ تاویل و تعبیر اہل مغرب نے اسلام دشمنی کی بناء پر پسند فرمانا شروع کردی کیونکہ ان کا کام اگر کوئی "مسلمان" ہی سرانجام دینا شروع کردے تو ان کے لیے اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی تھی؟ چنانچہ درج ذیل اقتباسات میں آپ اس حقیقت کا اعتراف یوں فرما رہے ہیں:

---

(۱) یعنی پرویز صاحب کی قرآنی فکر کا نام و نشان تک نہیں پایا جاتا۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

① "میرا اندازہ ہے کہ قرآن کو (یعنی آپ کی قرآنی بصیرت کو) سمجھیں گے تو مغرب کے مفکرین سمجھیں گے۔" (سلیم کے نام سولھواں خط۔ ص:۲۷۷)

② "مجھے مغربی اقوام کی سرزمین قرآنی پیغام کے لیے زیادہ سازگار معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ وہاں "عقل" ہے۔ ملا ازم کی جہالت اور تنگ نظری نہیں ہے..... میرا اندازہ ہے کہ مسلمانوں کی نسبت مغربی اقوام کے غیر مسلم قرآن کی آواز کو زیادہ توجہ سے سننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس لیے کہ مسلمانوں کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ جو کچھ ہزار برس سے ہوتا چلا رہا ہے اسے کس طرح چھوڑ دیا جائے؟" (سلیم کے نام سترہواں خط ص۳۰۷)۔

گویا آپ کے خیال میں سارا قصور تنگ نظر ملا کا ہے۔ جو عقل سے عاری ہے۔ اور آپ کی تاویل وتعبیر کی ہمنوائی سے قاصر ہے۔ رہا آپ کا تفسیری کارنامہ تو اسے آپ قرآن کی طرح ہی شک وشبہ سے بالاتر سمجھتے ہیں۔

① ایک تیسرے مقام پر فرماتے ہیں:

"اس سے بھی بڑھ کر خوشی کا یہ مقام ہے کہ یہ آواز اب پاکستان کی حدود سے آگے نکل کر مغربی ممالک میں بھی پھیلتی جا رہی ہے۔ پچھلے سال میں نے آپ احباب سے ذکر کیا تھا کہ کس طرح ایک جرمن مصنف نے اپنی پاکستانی سیاحت کی روداد کے سلسلہ میں یہ لکھا تھا کہ یہاں ایک ہی تحریک قابل ذکر ہے اور وہ طلوع اسلام کی تحریک ہے۔ اب حال ہی میں ایک کتاب ہالینڈ سے شائع ہوئی ہے' کتاب کا نام (..... Modern Muslim) اور مصنف کا نام ہے (J.M.S.Balton) اس میں فاضل مصنف نے بتایا ہے کہ اس وقت دنیائے اسلام میں قرآن کی جدید تعبیرات کی کوششیں کہاں کہاں ہو رہی ہیں' اس سلسلہ میں اس نے پاکستان سے صرف دو مصنفوں کو منتخب کیا ہے۔ ایک علامہ مشرقی اور دوسرے آپ کا یہ رفیق (یعنی پرویز صاحب) اس نے سلسلہ معارف القرآن اور سلیم کے نام خطوط وغیرہ کا براہ راست اردو سے مطالعہ کیا ہے اور اپنی کتاب میں ان کے اقتباس پر اقتباس دیے چلا جاتا ہے" (پرویز صاحب کا خطاب۔ طلوع اسلام کنونشن۔ بحوالہ ماہنامہ طلوع اسلام۔ مئی جون ۱۹۶۳ء)

اور یہی بات ہم کہتے ہیں کہ پرویز صاحب قرآن کریم سے خود کچھ سمجھنے کی بجائے عجمی افکار ونظریات [1] کو قرآن کے منہ میں ڈالنا اور اہل مغرب کو خوش رکھنا چاہتے ہیں۔ گو صوفیہ کی طرح ان کا بھی زبانی دعویٰ یہی ہے کہ وہ وحی کے تابع ہو کر چلتے ہیں اور خالی الذہن ہو کر قرآن کریم میں غور و خوض فرماتے ہیں۔ حتی کہ اسے شرک کے مترادف سمجھتے ہیں۔

---

[1] مزید تفصیل کے لیے کتاب کا باب "فکرِ پرویز پر عجمی شیوخ کی اثر اندازی" حصہ ششم ملاحظہ فرمائیے۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

حصہ دوم

طلوعِ اسلام کے مخصوص نظریات

فہرست ابواب

(۱) حَسبُنا کتابُ اللہ

(۲) عجمی سازش (اسباب زوالِ اُمت کے جواب میں)

(۳) مساوات مرد و زن

(۴) نظریہ ارتقاء (ابلیس و آدم کے جواب میں)

(۵) معاملات مرد و زن (طاہرہ کے نام خطوط کے جواب میں)

(۶) مرکزِ ملت (حافظ اسلم صاحب کے "اسلامی نظام" کے جواب میں)

(۷) قرآنی نظامِ ربوبیت

(۸) نظامِ ربوبیت کا فلسفہ اور تشریف آوری (نظامِ ربوبیت کے جواب میں)

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

باب : اوّل

حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰه

مندرجہ بالا جملہ اس مشہور حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جو حدیث قرطاس کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ حدیث بخاری کتاب المغازی باب مرض النبی ﷺ کے علاوہ صحاح ستہ کی دوسری کتابوں میں بھی مذکور ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے نکلے ہوئے اس جملہ نے بعد کے پیدا ہونے والے امت کے دو فرقوں پر متضاد اثر ڈالا۔ اسی جملہ کے ادا کرنے سے شیعہ فرقہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سخت ناراض ہے اور دوسرا فرقہ جس میں مختلف طرح کے منکرین حدیث شامل ہیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اتنا خوش ہے کہ وہ اس حدیث کو احادیث کے ذخیرہ کو بے کار سمجھنے کے باوجود صحیح ترین حدیثوں میں شمار کرتا ہے۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس مجلس میں سے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ جملہ زبان سے نکالا تھا۔ کوئی شخص بھی نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے خفا ہوا نہ ہی کسی نے فرط مسرت کا اظہار کیا۔

آج ہم دوسرے فرقہ کی ان چند باتوں کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ جنہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسی جملہ کو بنیاد قرار دے کر صرف قران کو ہی مکمل دین سمجھ لیا ہے اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ "اگر احادیث بھی دین کا حصہ ہوتیں تو جس طرح رسول اکرم ﷺ قرآن کو مکمل شکل میں امت کے حوالہ کر گئے تھے' اسی طرح حدیث کا بھی کوئی مجموعہ امت کے حوالے کر جاتے اور قرآن کریم کی مکمل شکل سے مراد یہ لی جاتی ہے کہ سورہ فاتحہ سے لے کر سورہ والناس تک اسی موجودہ ترتیب سے لکھا ہوا قرآن کریم رسول اللہ ﷺ نے امت کے حوالے کیا تھا۔ چنانچہ ادارہ طلوع اسلام کے مدیر جناب پرویز صاحب فرماتے ہیں:

لفظ کتاب کے پرویزی معنی:

"قرآن اپنے آپ کو بار بار کتاب کہتا ہے۔ پہلی آیت ہی: ﴿ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ﴾ سے شروع ہوتی ہے اور عرب اس لکھی ہوئی چیز کو کتاب کہتے تھے جو مدون شکل میں سلی ہوئی صورت میں موجود ہو۔" (قرآنی فیصلے ۔ ص:۲۶۸)

لیکن آپ دیکھئے کہ ﴿ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ﴾ سورہ بقرہ کی دوسری آیت کا ایک حصہ ہے اور

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

سورہ بقرہ کا بیشتر حصہ مدنی زندگی کے بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوا تھا۔ چنانچہ یہ حصہ جو زیر بحث ہے' بالخصوص اسی زمانہ سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ مدنی زندگی کے آغاز میں ہی مومنوں اور کافروں کے علاوہ ایک تیسرا فریق بھی معرض وجود میں آیا جو منافقین کے نام سے مشہور ہوا۔ اب سوال یہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس وقت قران مجید مکمل ہی کب ہوا تھا جو "کتاب" سے مراد' ایک مدون اور سلی ہوئی کتاب مراد لی جا سکے اور جس آیت میں دین کی تکمیل کا ذکر ہے یعنی ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ﴾ یہ آپ ﷺ کی زندگی کے آخری ایام میں نازل ہوئی اس میں دین کی تکمیل کا ذکر ہے کتاب کا ذکر نہیں' پھر رسول اللہ ﷺ نے مدوّن شکل میں اور سلی ہوئی صورت میں امت کو کیا چیز دی تھی؟ پرویز صاحب فرماتے ہیں کہ "عرب اس لکھی ہوئی چیز کو کتاب کہتے تھے جو مدون شکل میں سلی ہوئی صورت میں موجود ہو" لیکن اس معاملہ میں ہمیں عرب پر انحصار کرنے کی ضرورت تو تب ہو' جب کہ قرآن اس سلسلہ میں خاموش ہو لہٰذا کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم قرآن سے وہ مختلف معانی پوچھ لیں جن میں اس نے لفظ کتاب کو استعمال کیا ہے۔ قرآن میں یہ لفظ مندرجہ ذیل چار معنوں میں آیا ہے:

قرآن کی رو سے لفظ کتاب کے معنی:

① بمعنی چٹھی' خط' نامہ (Letter) حضرت سلیمان علیہ السلام پرندہ ہدہد سے کہتے ہیں۔

﴿ اَذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٢٨﴾ ﴾ (النمل ۲۷/ ۲۸)

"میرا یہ خط لے جا اور ان کے آگے ڈال دے' پھر ان سے پیچھے ہٹ جا اور دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں؟

چنانچہ ہدہد نے یہ چٹھی ملکہ سبا کے سامنے اس وقت پھینکی جب وہ اپنے ساتھیوں سمیت سورج دیوتا کی پرستش کرنے جا رہی تھی۔ اس خط (کتاب) میں صرف یہ مضمون درج تھا:

﴿ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿٣٠﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿٣١﴾ ﴾ (النمل ۲۷/ ۳۰۔۳۱)

"بے شک یہ (خط یا کتاب) سلیمان کی طرف سے ہے اور (مضمون یہ ہے کہ) شروع خدا کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ (بعد اس کے یہ) کہ مجھ سے سرکشی نہ کرو اور مطیع و منقاد ہو کر میرے پاس چلے آؤ۔"

اب سوال یہ ہے کہ اتنے مختصر سے مضمون کو "مدوّن اور سلی ہوئی کتاب" سے تعبیر کیا جا سکتا ہے؟

بمعنی نوشتہ تقدیر الٰہی:

② دیکھئے یہاں کسی ایسی تحریر کی بھی ضرورت نہیں جس کا ادراک مادی حواس سے کیا جا سکے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

﴿ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَن تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ ٱللَّهِ كِتَٰبًا مُّؤَجَّلًا ﴾ (آل عمران ۳/ ۱٤۵)

"اور کوئی بھی شخص خدا کے حکم کے بغیر مر نہیں سکتا، اس نے اس کا مقررہ وقت لکھ رکھا ہے۔"

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ لَّوْلَا كِتَٰبٌ مِّنَ ٱللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَآ أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٦٨﴾ ﴾ (الأنفال ۸/ ٦۸)

"اگر اللہ کا لکھا (حکم) پہلے نہ ہو چکا ہوتا تو جو (فدیہ) تم نے (اساریٔ بدر) سے لیا ہے اس کے بدلے تم پر بڑا عذاب (نازل) ہوتا۔"

اب دیکھیے ان ہر دو آیات میں "مدون اور سلی ہوئی صورت میں" کی کوئی قید لگانے کی گنجائش نظر آتی ہے؟

بمعنی فریضہ یا ڈیوٹی:

③ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ ٱلصَّلَوٰةَ كَانَتْ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ كِتَٰبًا مَّوْقُوتًا ﴿١٠٣﴾ ﴾ (النساء ٤/ ۱۰۳)

"بلاشبہ مومنوں پر نماز کا وقت پر ادا کرنا فرض قرار دیا گیا ہے"

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ ﴾ (البقرۃ ۲/ ۱۸۳)

"اے ایمان والو! روزے تم پر فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر بھی فرض کیے گئے تھے۔"

ان آیات میں بھی کتاب کے اس معنی "مدون شکل اور سلی ہوئی صورت" کی گنجائش نظر نہیں آتی۔

بمعنی صحیفہ:

④ ان معنوں میں اگر آپ چاہیں تو "مدون شکل اور سلی ہوئی صورت" کی گنجائش موجود ہے لیکن اگر سلی ہوئی یا جلد شدہ نہ ہو تو بھی وہ کتاب ہی ہوگی کیونکہ اس لحاظ سے کتاب کے معنی محض لکھی ہوئی چیز کے ہیں، سلا ہوا مجلد ہونا اضافی چیز ہے۔ ان معنوں میں بھی یہ لفظ قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَكِتَٰبٍ مَّسْطُورٍ ﴿٢﴾ فِى رَقٍّ مَّنشُورٍ ﴿٣﴾ ﴾ (الطور ۵۲/ ۲-۳)

"قسم اس کتاب کی جو لکھی ہوئی ہے، کھلے کاغذ میں۔"

بات دراصل یہ نہیں کہ عرب ہر اس چیز کو جو مدون شکل میں اور سلی ہوئی صورت میں ہو، کتاب کہتے تھے بلکہ کتاب کا یہ عام معنی ہمارے اردو محاورہ میں مستعمل ہے اور جدید دور میں جب کاغذ عام ہے اور جلد سازی کے لیے وسائل بھی مہیا ہیں، کتاب کو عموماً اس معنی میں ہم استعمال کرتے ہیں لیکن عربی محاورہ

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

کے لیے ہمارے اردو محاورہ کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ جناب پرویز صاحب نے لفظ کتاب کے عام اردو مفہوم سے دھوکا دینے کی کوشش کی ہے جس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ خود پرویز صاحب نے بھی لفظ کتاب کو "مدون شکل میں اور سلی ہوئی صورت میں" کے علاوہ محض پروگرام کے معنی میں بھی لیا ہے۔ چنانچہ اپنی کتاب (قرآنی نظام ربوبیت۔ ص:۲۴۰) پر ﴿ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ﴾ (۲:۲) کا ترجمہ یوں کیا ہے:

﴿ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲) "اس پروگرام کے صحیح اور یقینی ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔"

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ کتاب کے معنی ہی "قانون" ہیں (معراج انسانیت۔ ص:۲۰۶)

کتاب کا اصطلاحی مفہوم:

مندرجہ بالا مثالوں سے یہ واضح ہوا کہ لفظ کتاب اگرچہ لغوی اعتبار سے چٹھی نوشتہ تقدیر' فریضہ اور صحیفہ وغیرہ معنوں میں استعمال ہوا ہے' لیکن اس کا اصطلاحی مفہوم اللہ تعالیٰ کے وہ احکام وارشادات ہیں جو بذریعہ وحی نازل ہوئے۔

کتاب وسنت یا قرآن وحدیث: عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ کتاب اور قرآن مترادفات ہیں اور اسی طرح سنت اور حدیث بھی' لیکن یہ عوامی خیال ہے۔ علمی مفہوم کے اعتبار سے کتاب اور قران تھوڑا سا فرق ہے۔ قرآن سے مراد وہ الفاظ وحی ہیں جو جبریل کے واسطہ سے محمد ﷺ پر نازل کیے گئے اور ان کی تاویلات کی جاتی ہے جب کہ کتاب کے معنی اللہ کے احکام ہیں اور اس میں رسول اکرم ﷺ کی عملی زندگی کے وہ گوشے بھی شامل ہیں جو قرآن مجید میں بظاہر موجود نہیں لیکن شریعت کا حصہ ہیں جیسا کہ آئندہ واقعات سے معلوم ہوگا۔ اسی طرح سنت' رسول اللہ ﷺ کا طرزِ عمل اور اسوہ حسنہ ہے لیکن احادیث' روایات کا وہ مجموعہ ہیں جن میں یہ طرزِ عمل اور اسوہ حسنہ بیان ہوا ہے..... یہی وجہ ہے کہ جو لوگ الفاظ کے متناسب استعمال کا لحاظ رکھتے ہیں وہ یا تو کتاب وسنت کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور یا قرآن وحدیث کا پس قرآن وحدیث کو صحیفوں اور کتابوں کی صورت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ لیکن کتاب وسنت کا مفہوم شریعت کا فکری اور عملی بیان ہے۔ یعنی جدید انداز میں اگر ہم یوں کہیں کہ ایک کے اندر نظریاتی (The Oratical) پہلو زیادہ ہے تو دوسرے کے اندر عملی (Practical) تو بے جا نہ ہوگا۔

کتاب وسنت لازم وملزوم ہیں: درحقیقت کتاب وسنت ایک ہی چیز کے دو پہلو ہیں۔ ایک میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے شریعت نازل ہونے کے اعتبار سے ربوبیت اور حاکمیت کا پہلو اجاگر ہے تو دوسرے میں شریعت کی عملی تعبیر کے اعتبار سے اطاعت اور نمونہ کا پہلو۔ گویا کتاب میں الفاظ کا پہلو غالب ہے اور سنت میں معنی اور مفہوم کا پہلو۔

اب ہم چند مثالوں سے یہ واضح کریں گے کہ قرآن وحدیث کے مجموعے تو الگ ہیں لیکن قرآن میں بیشتر

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

مقامات پر سنت رسولؐ کا صریح ذکر ہے اسی طرح حدیث میں بھی بسا اوقات کتاب اللہ کا ذکر موجود ہے۔

قرآن میں سنت رسول ﷺ کا ذکر

① ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ﴾ (آل عمران ۳/ ۱۲۱)

"اور جب آپ ﷺ صبح کو اپنے گھر سے روانہ ہو کر ایمان والوں کو لڑائی کے لیے مورچوں پر متعین کر رہے تھے۔"

اس آیت میں اسوہ حسنہ کا ایک پہلو سامنے لایا جا رہا ہے جو آپ ﷺ کے عمل سے متعلق ہے' ایسے ہی عمل کو عام اصطلاح میں سنت فعلی کہتے ہیں۔

② اس کی دوسری مثال ملاحظہ ہو:

﴿ إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِن ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ ﴾ (المزمل ۷۳/ ۲۰)

"بلاشبہ آپ کا پروردگار جانتا ہے کہ آپ ﷺ رات کا دو تہائی یا نصف یا اس کے تیسرے حصہ کے لگ بھگ کھڑے ہوتے ہیں۔"

③ اور درج ذیل آیت میں آپ ﷺ کے قول کا ذکر ہے:

﴿ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ﴾ (التوبۃ ۹/ ۴۰)

"جب رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھی (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

اس آیت کا تعلق رسول اللہ ﷺ کے قول سے ہے' لہٰذا یہ سنت قولی ہوئی۔ غرضیکہ قرآن کریم میں جا بجا آپ ﷺ کے افعال واقوال کا ذکر ملتا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ اس کتاب میں سنت رسول ﷺ کا ذکر اکثر آیا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے سیرت واخلاق کو قرآن سے تعبیر کیا ہے۔ ((كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ))

احادیث میں کتاب اللہ کا ذکر

جس طرح قرآن مجید میں سنت رسول ﷺ کا اکثر ذکر آیا ہے حالانکہ سنت رسول ﷺ کا بڑا ماخذ احادیث ہیں۔ اسی طرح احادیث میں کتاب اللہ کا بھی ذکر موجود ہے حالانکہ اس کا اولین ماخذ قرآن مجید ہے۔ اب اس کی مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

1 **کتاب اللہ اور "واقعہ عسیف"** : دور نبوی ﷺ میں ایک واقعہ ہوا جو "واقعہ عسیف" (بمعنی مزدور) کے نام سے مشہور ہے۔ یہ واقعہ صحیح بخاری میں بہ تکرار اور صحاح کی دیگر کتابوں میں بھی موجود

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

ہے اور یہ واقعہ یوں ہوا:

ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا "یا رسول اللہ! میں آپ کو قسم دے کر کہتا ہوں کہ ہمارا فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق کر دیجیے۔ اب دوسرا فریق جو پہلے سے کچھ زیادہ سمجھدار تھا۔ کہنے لگا کہ ہاں یا رسول اللہ! ہمارا فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق فرمایئے اور بات کرنے کی مجھے اجازت دیجیے' آپ ﷺ نے فرمایا اچھا بیان کر' اس نے کہا: "میرا بیٹا اس شخص (فریق ثانی) کے پاس نوکر تھا اور اس نے اس شخص کی بیوی سے زنا کیا ہے۔ میں نے سو بکریاں اور ایک غلام دے کر اپنے بیٹے کو چھڑا لیا۔ اس کے بعد میں نے کئی عالموں سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ تیرے بیٹے کیلئے سزا سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے اور اس شخص کی بیوی کیلئے "رجم" ہے۔ نبی ﷺ نے یہ سن کر فرمایا:

«وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللهِ جَلَّ ذِكْرُهُ: اَلْمِائَةُ شَاةٍ وَالْخَادِمُ رَدٌّ عَلَيْكَ وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيْبُ عَامٍ، وَاغْدُ يَا أَنِيْسُ عَلَى امْرَأَةِ هٰذَا، فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا فَغَدَا عَلَيْهَا فَاعْتَرَفَتْ، فَرَجَمَهَا» (بخاري، كتاب المحاربين، باب الاعتراف بالزنا)

"اس پروردگار کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اور جس کا ذکر بلند ہے' میں تم دونوں کے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ سو بکریاں اور غلام (جو تو نے دیے) تجھے واپس ہوں گے اور تیرے بیٹے کی سزا سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے اور اے انیس رضی اللہ عنہ! کل صبح اس عورت کے پاس جاؤ اگر وہ زنا کا اعتراف کرے تو اسے رجم کردو۔" چنانچہ انیس رضی اللہ عنہ صبح اس عورت کے پاس گئے تو اس نے اعتراف کرلیا تو انیس رضی اللہ عنہ نے اسے رجم کردیا۔"

اس واقعہ سے درج ذیل امور سامنے آتے ہیں:

① کتاب اللہ کا ذکر صرف قرآن کریم میں نہیں بلکہ احادیث میں بھی موجود ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اللہ کی قسم اٹھا کر بیان کر رہے ہیں۔

② رجم کی سزا کتاب اللہ کے مطابق ہے' حالانکہ یہ قرآن میں مذکور نہیں۔

③ اس واقعہ سے پہلے بھی بعض عالم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ معلوم تھا کہ شادی شدہ کی سزا رجم ہے اور یہ سزا کتاب اللہ کے مطابق ہے' چنانچہ وہ یہی سزا مذکورہ شخص کو بتاتے رہے۔

2 کتاب اللہ اور حق تولیت: دوسرا واقعہ جو دورِ نبوی ﷺ میں ہوا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا (جو لونڈی تھیں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آکر کہنے لگیں کہ میں نے اپنے مالک سے نو اوقیہ سالانہ پر مکاتبت[1] کر

---

[1] مکاتبت مالک اور غلام کے اس معاہدہ کو کہتے ہیں جس کی بناء پر غلام معینہ رقم ایک مدت میں مالک کو ادا کر کے آزاد ہو جاتا ہے۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

لی ہے آپ اس سلسلہ میں میری کچھ مدد کریں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اگر تمہارے مالک اس بات پر آمادہ ہوں کہ تمہاری ولاء میرے لیے ہوگی تو میں تمہیں خرید کر آزاد کر دوں گی۔ بریرہ رضی اللہ عنہا ان کے پاس گئی اور واپس آکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جواب دیا کہ وہ آپ کی ولا والی شرط تسلیم نہیں کرتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات رسول اللہ ﷺ کو بتائی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "عائشہ رضی اللہ عنہا! بریرہ رضی اللہ عنہا کی قیمت ادا کر کے اسے لے لو اور ان کی ولاء والی شرط بھی بریرہ رضی اللہ عنہا سے کہو کہ تسلیم کر لے کیونکہ ولاء تو اس کی ہوتی ہے جو آزاد کرے۔" چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بریرہ رضی اللہ عنہا کی قیمت ادا کر کے اسے آزاد کر دیا۔ اس موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے یہ خطبہ دیا:

«ثُمَّ قَامَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فِي النَّاسِ فَحَمِدَ اللهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: مَا بَالُ رِجَالٍ يَشْتَرِطُوْنَ شُرُوْطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللهِ، مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللهِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَإِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ قَضَاءُ اللهِ أَحَقُّ وَشَرْطُ اللهِ أَوْثَقُ وَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ»

"پھر آپ ﷺ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے پھر اللہ کی حمد وثناء بیان کی' پھر فرمایا "ان لوگوں کا کیا حال ہے جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں جو شرط بھی کتاب اللہ میں نہیں وہ باطل ہے۔ اگرچہ سو شرطیں ہوں۔ اللہ کا فیصلہ سب سے صحیح اور اللہ کی شرط ہی سب سے مضبوط ہے۔ وَلاء اسی کی ہے جو غلام کو آزاد کرتا ہے۔"

اس حدیث سے مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

① اس بات کے باوجود کہ ((اَلْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ)) [1] کی شرط قرآن مجید میں کہیں مذکور نہیں' رسول اللہ ﷺ اسے بہ تاکید کتاب اللہ قرار دے رہے ہیں۔

② عرب محض اسی چیز کو جو مدون شکل میں اور سلی ہوئی صورت میں ہو' کتاب نہیں کہتے تھے اور کتاب اللہ سے مراد صرف قرآن ہی نہیں بلکہ وہ اس سے مراد پوری شریعت لیتے تھے' جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی۔

"حسبنا کتاب اللہ" سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد کیا تھی؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب "حسبنا کتاب اللہ" فرمایا تھا' آپ کے سامنے صرف قرآن مجید کی تکمیل ہی نہ تھی بلکہ جملہ شریعت کی تکمیل تھی چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ کے درج ذیل باب سے کتاب اللہ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ جس میں بالخصوص عمر رضی اللہ عنہ کا نام مذکور ہے' عنوان یہ ہے:

---

[1] وَلاء مالک کے غلام کو آزاد کرنے پر وہ حقوق ہیں جو اس سابقہ تعلق کی بناء پر آزاد کرنے والے کو حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً نسلی اور سسرالی ورثاء کی غیر موجودگی میں مالک وارث ہوتا ہے۔ (بخاری' کتاب الشروط)

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

بَابُ الْمُكَاتَبِ وَمَا لاَ يَحِلُّ مِنَ الشُّرُوْطِ الَّتِيْ تُخَالِفُ كِتَابَ اللهِ: وَقَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِاللهِ فِي الْمُكَاتَبِ شُرُوْطُهُمْ بَيْنَهُمْ وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ أَوْ عُمَرُ كُلُّ شَرْطٍ خَالَفَ كِتَابَ اللهِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَإِنِ اشْتُرِطَ مِائَةَ شَرْطٍ»

"مکاتب کا بیان اور ان شرطوں کا بیان جو جائز نہیں اور کتاب اللہ کے مخالف ہیں اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ایسی شرطوں کے بارے میں کہا اور ابن عمر رضی اللہ عنہ یا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی کہ ہر وہ شرط جو کتاب اللہ کے خلاف ہو وہ باطل ہے۔ اگرچہ ایسی سو شرطیں باندھی جائیں۔"

علاوہ ازیں' یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی تھے جنہوں نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں مسجد نبوی میں بے شمار صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجمع میں ایک طویل خطبہ دیا جس کے درج ذیل الفاظ قابل غور ہیں:

«اَلرَّجْمُ فِي كِتَابِ اللهِ حَقٌّ مَنْ زَنٰى إِذَا أُحْصِنَ»(بخاري، كتاب المحاربين، باب رجم الحبلٰى)

"رجم کا حکم کتاب اللہ میں حق و ثابت ہے جب کہ شادی شدہ زنا کرے۔"

اب بتایئے کہ رجم کا حکم قرآن کریم میں موجود ہے؟ جسے حضرت عمر کتاب اللہ کا حکم قرار دے رہے ہیں؟

ان تصریحات سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے "حسبنا کتاب اللہ" کہا تو اس کا وہ مفہوم قطعاً ان کے ذہن میں نہ تھا جو منکرین حدیث وسنت سمجھتے ہیں' منکرین حدیث' کتاب اللہ سے مراد صرف قرآن مجید لیتے ہیں جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر اہل عرب اور بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کتاب اللہ سے پوری شریعت مراد لیتے تھے۔

کتاب اللہ اور کلام اللہ کا فرق: قران مجید کلام اللہ بھی ہے اور کتاب اللہ بھی۔ کلام اللہ کا لفظ خاص ہے جب کہ کتاب اللہ عام ہے۔ ہر وہ چیز جس پر کتاب اللہ کا اطلاق ہو کلام اللہ نہیں۔ اس کے برعکس کلام اللہ کتاب اللہ ضرور ہے۔ کلام اللہ کے لیے ضروری ہے کہ اس کے الفاظ بھی منزل من اللہ ہوں جب کہ کتاب اللہ کے لیے یہ شرط ضروری نہیں بلکہ مفہوم کا الہامی ہونا کافی ہے۔ اس فرق کی مزید وضاحت کے لیے مسئلہ خلق قرآن کو سامنے لایئے جب حضرت امام احمد بن حنبل عباسی اور معتزلی خلفاء کے ہاتھوں قید وبند کی صعوبتیں جھیل رہے اور دروں سے پٹ رہے تھے تو آپ کی زبان پر یہ نعرہ ہوتا تھا "القرآن کلام اللہ غیر مخلوق" یعنی قرآن اللہ کا کلام ہے جو غیر مخلوق ہے۔ آپ نے کسی وقت بھی یہ نہ کہا کہ "القرآن کتاب اللہ غیر مخلوق۔"

کتاب کے پرویزی معانی کا تجزیہ

اب تک ہم نے جو بحث کی ہے اس میں صرف کتاب اور کتاب اللہ کی وہ معنی بیان کیے ہیں جو اہل عرب اور صحابہ رضی اللہ عنہم سمجھتے تھے۔ اب ہم پرویز صاحب کے اقتباس کے دوسرے پہلوؤں پر روشنی ڈالیں گے۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

مدون شکل میں : یہ تو شاید آپ کو معلوم ہوگا کہ:

① قرآن کریم کا بیشتر حصہ مدنی دور میں نازل ہوا ہے تاہم مکی سورتوں کی تعداد زیادہ ہے۔ کل ۱۱۴ سورتوں میں سے ۸۶ مکی ہیں باقی ۲۸ مدنی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مکی دور میں جو سورتیں نازل ہوئیں ان میں اکثر چھوٹی چھوٹی ہیں اور مدنی دور کی نازل شدہ سورتوں میں سے اکثر لمبی ہیں۔

② سب سے پہلی وحی میں سورہ علق کی پہلی پانچ آیات نازل ہوئیں' گویا ترتیب نزول کے لحاظ سے اس کا نمبر پہلا ہے مگر موجودہ تدوینِ قرآن کے لحاظ سے اس کا نمبر ۹۶ ہے۔

③ چھوٹی چھوٹی سورتیں تو یکبارگی نازل ہوتی رہیں لیکن لمبی سورتوں کے مضامین بالاقساط اور کافی وقفہ کے بعد حسبِ موقعہ نازل ہوتے رہے ہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ سورہ بقرہ کا اکثر حصہ مدنی دور کے آغاز ہی میں نازل ہوا تھا' لیکن اسی سورت میں سود کی حرمت کا تفصیلی بیان موجود ہے اور یہ آیتیں آپ ﷺ کی وفات سے صرف چار ماہ پیشتر نازل ہوئیں۔ اس سورت میں رسول اللہ ﷺ نے خود یہ رہنمائی فرمائی کہ فلاں مضمون کی آیات کو فلاں سورت میں فلاں مقام پر رکھا جائے۔ اس ترتیب کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کے ذریعہ وحی الٰہی کو مدنظر رکھ کر یہ فریضہ سرانجام دیا۔

④ نہ دور نبوی ﷺ میں یہ پابندی تھی اور نہ اب ہے کہ قرآن کو نماز میں یا نماز کے علاوہ ترتیب نزولی کے لحاظ سے پڑھا جائے۔ یہ فقط سنت رسول ﷺ کے اتباع کا تقاضا تھا کہ جس ترتیب سے رسول اللہ کسی سورت کو دوسری سورت کے بعد ملا کر پڑھتے' صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ایسے کیا کرتے تھے لیکن سارے قرآن کی سب سورتوں کی تدوین کی ضرورت نہ بلحاظ نزول ضروری سمجھی گئی نہ بلحاظ موجودہ ترتیب تلاوت البتہ کسی سورت کی آیات میں تقدیم تاخیر کر کے پڑھنا ناجائز تھا۔

⑤ ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ﴾ والی آیت حجۃ الوداع کے دوران نازل ہوئی اور اس کے بعد آپ ﷺ ۹۱ دن زندہ رہے۔

⑥ سب سے آخر میں سورہ النصر نازل ہوئی۔ نزولی ترتیب کے لحاظ سے اس کا نمبر ۱۱۴ ہے یہ سورت گویا حضور ﷺ کے مشن کی تکمیل اور آپ ﷺ کی وفات کا پیغام تھا' چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس سورت کا مطلب پوچھا تو انہوں نے کہا: "اس سے رسول اللہ ﷺ کی وفات مراد ہے۔" (بخاری کتاب التفسیر)

⑦ جوں جوں قرآن کی کوئی سورت یا کسی سورت کی آیات نازل ہوتیں تو ساتھ ہی ساتھ آپ ﷺ ان کو لکھواتے جاتے تھے۔

اب دیکھئے کہ جب تک قرآن مکمل طور پر نازل نہیں ہو چکتا اس سے پہلے موجودہ ترتیب سے قرآن کو مدون کرنا محال تھا اور جب آپ ﷺ پر آخری سورت نازل ہوتی تو ساتھ ہی پیغام اجل بھی آپہنچا تو کیا اس درمیانی وقفہ میں سارے قرآن کو از سرِ نو موجودہ ترتیب کے لحاظ سے لکھوا کر امت کے حوالہ کرنا ممکن

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

نظر آتا ہے؟

"طلوع اسلام" کا دعویٰ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے موجودہ شکل میں قرآن مجید کو مدون کر کے ایک کتاب کی صورت میں امت کے حوالہ کیا تھا۔ اس کی ممکن صورت یہی نظر آتی ہے کہ آپ ﷺ نے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے قرآن کریم کا یہ کتابی نسخہ کسی ایک شخص یا مجلس شوریٰ کے افراد' یا کسی ادارہ یا کمیٹی کے حوالہ کیا ہو اور باقی افراد کو اس پر شاہد بنایا ہو۔ اتنا بڑا اہم واقعہ ہو اور اس سلسلہ میں کتب احادیث وتواریخ کلیتاً خاموش ہوں' ناممکن نظر آتا ہے۔

سلی ہوئی شکل: یہ تو غالباً آپ جانتے ہی ہوں گے کہ:

1 کاغذ کی ایجاد ۱۳۴ھ (بمطابق ۷۵۱ء) میں ہوئی۔ اس کے موجد چینی ہیں۔ جنہوں نے کتان اور سن کی چیتھڑوں اور ریشوں سے کاغذ بنانے کی صنعت رائج کی۔ اس سے پیشتر اسلامی ثقافت کے ارتقاء کے زمانہ میں اہل مشرق کے پاس صرف قرطاس ہی ایسی چیز تھی جس پر لکھا جائے۔ یہ کاغذ کی ابتدائی اور رف سی شکل تھی جو قدیم مصر میں رائج تھی اور ایسا کاغذ نرسل کے گودہ سے تیار کیا جاتا تھا لیکن یہ کاغذ بھی اتنا عام نہ تھا کہ ہر جگہ حسب ضرورت میسر آسکے۔ دور نبوی ﷺ میں لکھنے کے لیے دو ہی چیزوں کا پتہ چلتا ہے:

① قرطاس جو بہت کم یاب تھا۔

② ((رَقّ)) جس کا ترجمہ "طلوع اسلام" کے مطابق ایسے ورق ہیں جو باریک کھال سے بنائے گئے ہوں۔ (طلوع اسلام فروری ۱۹۸۲ء ص ۱۰)

گویا ایسے ہی اوراق پر قرآن لکھا جاتا تھا۔ لیکن احادیث و تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ رق بھی اتنا عام نہ تھا۔ قرآن کی کتابت کے لیے ہر وہ چیز جو پتلی اور چوڑی ہو (حقیقتاً یہی اس لفظ کا لغوی معنی ہے) استعمال کی جاتی تھی۔ مثلاً پتلی اور چوڑی یا پھیلی ہوئی ہڈی۔ اسی قسم کے پتھر' چمڑا اور کھال اور کھجور کی چھال وغیرہ سب کاغذ کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔

2 کاتب وحی صرف ایک شخص ہی نہیں بلکہ بہت سے تھے' مکہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور مدینہ میں زید بن ثابت اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اس خدمت پر مامور تھے' اگر یہ حضرات بروقت موجود نہ ہوتے تو رسول اللہ ﷺ بعض دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وحی لکھنے کے لیے ارشاد فرما دیتے تھے' چنانچہ چاروں خلفاء اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی اس خدمت کی بجا آوری کا موقع میسر آتا رہا۔ مثلاً: خزیمہ بن ثابت انصاری اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما وغیرہ۔

3 رسول اللہ ﷺ کو خود قرآن نے نبی امی کہا ہے' یعنی جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو اور جس قوم کی طرف مبعوث ہوئے اسے بھی امیین کا لقب دیا ہے۔ گویا عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج بہت کم تھا۔ اس بات کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے کہ اسارئ بدر میں سے پڑھے لکھے قیدیوں کا فدیہ ہی یہ مقرر کیا گیا کہ وہ دس دس مسلمانوں کو پڑھنا لکھنا سکھادیں۔ ان تصریحات سے یہ واضح ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

پڑھے لکھے حضرات کی تعداد کم ہی تھی اور جو حضرات لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ وہ اپنے طور پر قرآن کریم کی کتابت بھی کرتے جاتے تھے۔ چنانچہ ان سب کے مصاحف الگ الگ تھے۔ جیسے مصحف علی رضی اللہ عنہ، مصحف عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، مصحف زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہ، مگر مصحف النبی ﷺ کا کوئی ثبوت نہیں جس میں آپ ﷺ نازل شدہ وحی کو بالترتیب لکھوا کر اپنے پاس محفوظ رکھتے جاتے۔

ان حالات میں آپ اندازہ فرمایئے کہ جب:

① اوراق یا کاغذ کے بجائے پتھر، ہڈیاں، ٹھیکرے، کھال، چمڑا استعمال ہو اور بقول پرویز صاحب صرف پتلی کھال ہی استعمال ہو۔

② دورانیہ کتابت ۲۳ سال کا عرصہ ہو۔

③ لکھنے والے الگ الگ حضرات ہوں، جن کے مصاحف بھی الگ الگ ہوں تو کیا ایک سلی ہوئی اور مدون کتاب کا تصور ذہن میں آسکتا ہے؟ اب یہ صورت حال بھی سامنے رکھیے اور "طلوعِ اسلام" کا درج ذیل اقتباس بھی ملاحظہ فرمایئے، لکھتے ہیں:

قرآن کی ماسٹر کاپی:

"اس طرح یہ کتاب (قرآن) ساتھ کے ساتھ محفوظ ہوتی چلی گئی اور جب نبی اکرم ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے ہیں تو یہ بعینہ اسی شکل اور اسی ترتیب میں جس میں یہ اس وقت ہمارے پاس ہے، لاکھوں مسلمانوں کے پاس موجود اور ہزاروں کے سینوں میں محفوظ تھی۔ اس کی ایک مستند کاپی (Master Copy) مسجد نبوی میں ایک ستون کے قریب، صندوق میں رکھی رہتی تھی۔ یہ وہ نسخہ تھا جس میں نبی اکرم ﷺ سب سے پہلے وحی لکھوایا کرتے تھے۔ اسے اُم یا امام کہتے تھے اور اس ستون کو جس کے قریب یہ نسخہ رہتا تھا، اسطوانہ مصحف کہا جاتا تھا اسی ستون کے پاس بیٹھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم ﷺ کی زیر نگرانی اس مصحف سے اپنے اپنے مصاحف نقل کیا کرتے تھے۔ اس کتاب کی اشاعت اس قدر عام ہو گئی تھی کہ جب نبی اکرم ﷺ نے اپنے آخری حج (حجۃ الوداع) کے خطبہ میں لاکھوں نفوس کو مخاطب کر کے پوچھا کیا میں نے تم تک خدا کا پیغام پہنچا دیا ہے؟ تو چاروں طرف سے یہ آواز گونج اٹھی کہ ہاں! آپ نے اسے پہنچا دیا ہے۔ یہی تھی وہ کتاب جس کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے آخری لمحات میں دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں فرمایا تھا کہ "حسبنا کتاب اللہ" ہمارے لیے خدا کی کتاب کافی ہے۔" (طلوع اسلام۔ ص:۱۱ ۔ فروری ۱۹۸۲ء)

یہ اقتباس کئی لحاظ سے محل نظر ہے۔ مثلاً:

① آپ ﷺ وحی کے ساتھ ساتھ کتابت کرواتے جاتے تھے اور جب آخری وحی (سورہ النصر) نازل ہوئی تو جلد ہی بعد آپ ﷺ کی وفات ہو گئی۔ اب یہ نزولی ترتیب موجودہ ترتیب تلاوت سے کیونکر بدل

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

گئی؟ اس مستند کاپی میں سورتوں کی تقدیم و تاخیر کیسے واقع ہوئی اور یہ کس نے کی تھی؟

② یہ لاکھوں افراد، جن کے پاس اس مستند کاپی کی مصدقہ نقول موجود تھیں ان میں سے صرف ایک سو ہی کے نام پیش فرما دیتے تو کیا حرج تھا؟

امام دراصل قرآن کی وہ مستند نقل ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تیار کرا کر اس کی سات نقول مختلف دیار و امصار میں بھیجی تھیں۔ آگے چل کر پرویز صاحب خود بھی اس حقیقت کا اعتراف کر لیں گے۔

یہ نسبت اگرچہ لاکھوں کے مقابلہ میں بہت کم ہے، تاہم بطور ثبوت اتنا ہی کافی سمجھ لیا جاتا۔

③ یہ صندوق اسطوانہ مصحف اور امام والا لطیفہ بھی خوب ہے۔ جس کے لیے غالباً نہ کسی حوالہ کی ضرورت ہے نہ سند کی۔ کیا یہ انصاف ہے کہ اگر ایک آدمی اسناد کے واسطہ سے اور حدود و قیود کا پابند رہ کر دو اڑھائی سو سال پہلے کی خبر دے تو اسے تو ظنی کہہ کر درخور اِعتنا نہ سمجھا جائے اور ایک آدمی اگر چودہ سو سال بعد بغیر کسی سلسلہ اسناد اور حدود کے بات کہے تو اسے من و عن تسلیم کر لیا جائے؟

④ ثبوت تو درکار تھا قرآن کریم کے مستند نسخہ کا جو مدون و مرتب تھا اور اس کی لاکھوں نقول کا جو ہو چکی تھیں۔ مگر آپ ثبوت پیش کر رہے ہیں، لاکھوں افراد تک رسالت کا پیغام پہنچانے کا اور وہ بھی روایات حدیث سے۔ کیا اس پیغام رسالت کے پہنچانے کے اقرار سے از خود یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ قرآن کریم کی ایک مستند کاپی بھی تھی جس کی لاکھوں نقول ان صحابہ کرام کے پاس موجود تھیں؟

⑤ رہا ''حسبنا کتاب اللہ'' کا معاملہ تو آپ کے خیال میں کتاب اللہ وہ مستند کاپی تھی جو صندوق میں پڑی رہتی تھی۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے وہ مستند کاپی کب تک اس صندوق میں پڑی رہی اور کس نے اس کو نکالا تھا؟

مدون اور سلی ہوئی کتاب کا ایک نقلی ثبوت : اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل حوالہ بھی پیش کیا جاتا ہے:

''خود بخاری شریف میں یہ حدیث موجود ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (امت کے لیے) کیا چھوڑا ہے؟ تو آپ نے کہا: ((مَا تَرَكَ اِلَّا مَا بَيْنَ الدَّفَّتَيْنِ)) ''یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کے علاوہ اور کچھ نہیں چھوڑا'' (بخاری۔ کتاب فضائل القرآن:۳/۱۷۳، مقام حدیث:۱/۱۱ دوسرا ایڈیشن)

اس حدیث سے بھی پرویز صاحب کے موقف کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا وجہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی عمر صرف ۱۳ یا چودہ سال تھی۔ آپ نے تمام خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا زمانہ دیکھا اور آپ رضی اللہ عنہ کی وفات سن ۶۵ھ میں ہوئی ہے۔ جب کہ قرآن دور عثمانی میں (۲۴ تا ۳۵ ہجری) میں مدون تو درکنار نشر بھی ہو چکا تھا لہٰذا اس روایت سے بس اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ سوال ہی اس وقت کیا گیا تھا جب کہ قرآن فی الواقع بین الدفتین آ چکا تھا۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

حفاظت قرآن کے پرچار میں غلو کا اصل مقصد : جہاں تک قرآن کریم کی حفاظت کے عقیدہ اور ایمان کا تعلق ہے۔ ہم طلوع اسلام سے بھی زیادہ اس کے معتقد ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب سب مسلمان اس عقیدہ پر متفق ہیں تو طلوع اسلام کو اس عقیدہ پر زور دینے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟ پھر اس قرآن کو غلط دلائل اور حوالوں کے ذریعہ رسول اکرم ﷺ ہی کی زندگی میں مدون اور سلا ہوا ثابت کرنے کی کیوں ضرورت محسوس ہوئی؟

ان سوالوں کا جواب صرف یہ ہے کہ یہ چالیں دراصل حدیث دشمنی کی ایک گہری سازش کی آئینہ دار ہیں اور قرآن اور حدیث کے مدون نسخوں کے درمیان زیادہ سے زیادہ مدت کی وسیع خلیج حائل کرنا بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ قرآن کریم کے متعلق تو یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ یہ حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں مدون و مرتب ہو چکا تھا اور حدیث کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کا پہلا مدون نسخہ (بخاری) اڑھائی سو سال بعد معرض وجود میں آیا حالانکہ یہ دونوں باتیں حقیقت سے کوسوں دور ہیں۔ پتہ نہیں ان لوگوں کو حقائق سے اتنی چڑ کیوں ہے؟ حدیث تاریخ کی کتابت وتدوین کے سلسلہ میں ہمیشہ یہ لوگ تاریک پہلو کو پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کتابت حدیث سے منع فرمایا تھا۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم حدیثوں کو جلاتے رہے۔ تابعین نے حدیث کے علم کو کبھی اچھا نہ سمجھا وغیرہ۔ (ایسی باتوں کا جواب ہم چوتھے حصہ "دوامِ حدیث" میں دیں گے)

اللہ کی ذِمہ داری پوری شریعت کی حفاظت ہے۔

قران کی حفاظت اور سنت کی غیر محفوظیت کے لیے جو دلائل دیئے جاتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿٩﴾ ﴾ (الحجر ۱۵/ ۹) "یقیناً ہم نے اس قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں" (ترجمہ از مقام حدیث۔ ص:۸)

اب دیکھئے ذکر کا معنی قرآن کیا گیا ہے حالانکہ قرآن بھی عربی لفظ ہے اور قرآن میں بارہا استعمال ہوا ہے مگر یہاں قرآن کے بجائے لفظ "ذکر" استعمال ہوا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ذکر اور قرآن میں کچھ فرق ضرور ہے۔ اس فرق کی وضاحت کے لیے درج ذیل آیت ملاحظہ فرمایئے:

﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿٢٢﴾ ﴾ (القمر ٥٤/ ٢٢) "اور ہم نے اس قرآن کو ذکر کے لیے آسان بنا دیا ہے تو کوئی ہے جو سوچے سمجھے؟"

اس آیت سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ذِکر کا معنی قرآن کرنا درست [1] نہیں۔ ذکر کا لغوی معنی یاد دہانی اور نصیحت ہے۔

---

[1] پرویز صاحب نے خود بھی ایک دوسرے مقام پر اسکے معنی نصیحت نامہ کیے ہیں: ﴿ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ﴾ (۸۱۔۲۷) "یہ قرآن تمام جہان کے لیے نصیحت نامہ ہے" (معراج انسانیت۔ ص:۶۴۸)

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

مندرجہ بالا آیات میں یہ لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ کوئی شخص نصیحت اسی صورت میں حاصل کر سکتا ہے جب کہ ارشادات کے ساتھ ان کی عملی تعبیر بھی موجود ہو اسی لیے ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَسْـَٔلُوٓا۟ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٤٣﴾ ﴾ (النحل ١٦/ ٤٣) "اگر تم کوئی بات نہ جانتے ہو تو اہل الذکر سے پوچھ لو"

اس آیت میں نہ تو یہ کہا گیا ہے کہ اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو قرآن سے پوچھ لو' نہ ہی یہ کہا گیا ہے کہ اہل القرآن سے پوچھ لو' بلکہ اہل الذکر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جسکا معنی یہ ہے کہ ایسے عالم باعمل سے پوچھو جو اللہ کے احکام وارشادات کو یاد رکھنے والا ہو۔

قرآن کا بیان

دوسری دلیل جو صرف قرآن کی حفاظت (اور حدیث کی غیر محفوظیت) کے لیے مقام حدیث میں پیش کی گئی ہے وہ یہ ہے:

﴿ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُۥ وَقُرْءَانَهُۥ ﴿١٧﴾ ﴾ (القیامة ٧٥/ ١٧) "یقیناً اس کتاب کا جمع کرنا اور اس کا پڑھانا ہمارے ذمہ ہے۔" (مقام حدیث۔ ص:٦)

اب مشکل یہ ہے کہ اس مقام پر بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن کے علاوہ بھی کسی اور چیز کا ذکر کیا اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی لی تھی۔ لیکن "مقام حدیث" کے مولف نے اسے درج کرنا اس لیے مناسب نہ سمجھا کہ اس کے موقف پر زد پڑتی تھی۔ اس آیت کے ساتھ والی آیات یوں ہیں:

﴿ لَا تُحَرِّكْ بِهِۦ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِۦٓ ﴿١٦﴾ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُۥ وَقُرْءَانَهُۥ ﴿١٧﴾ فَإِذَا قَرَأْنَٰهُ فَٱتَّبِعْ قُرْءَانَهُۥ ﴿١٨﴾ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُۥ ﴿١٩﴾ ﴾ (القیامة ٧٥/ ١٦-١٩)

"(اے محمد ﷺ) وحی کے پڑھنے کے لیے اپنی زبان نہ چلایا کیجیے کہ اس کو جلد یاد کر لیں' اس کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمہ ہے۔ جب ہم پڑھا کریں تو اس کے پیچھے پیچھے اسی طرح پڑھا کیجیے پھر اس (وحی) کا بیان بھی ہمارے ذمہ ہے۔"

مندرجہ بالا آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے ساتھ ساتھ اس کے بیان کی حفاظت کی ذمہ داری بھی لے رکھی ہے۔ مگر "ادارہ طلوع اسلام" بیان کے متعلق اللہ کی ذمہ داری کا نام لینے سے بھی بدکتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ سنت رسول ﷺ کو پس پشت ڈالنے کے بعد یہ حضرات قرآن کے ساتھ کس حد تک مخلص ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ بیان ہے کیا چیز؟ تو واضح رہے کہ بیان محض قرآن کے الفاظ کو دہرا دینے کا نام نہیں' بلکہ بیان میں ان قرآنی الفاظ کا صحیح مفہوم بتانا' اس کی شرح وتفسیر' اس کی حکمتِ عملی اور طریق بتانا

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

سب کچھ شامل ہے۔

قرآن کے "بیان" کو لغت سے متعین کرنے کے مفاسد

قرآن کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے نازل کرنے والے اور جس پر نازل کیا گیا ہے۔ دونوں کے نزدیک قرآن کے الفاظ کا مفہوم متعین ہو۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ زید (متکلم) بکر (مخاطب) سے کہتا ہے کہ "پانی لاؤ" تو بکر زید کے حکم کی تعمیل اسی صورت میں کر سکے گا کہ متکلم اور مخاطب دونوں کے ذہن میں "پانی" اور "لانا" دونوں الفاظ کا مفہوم متعین ہو اور وہ ایک ہی ہو۔

اب اگر زید کوئی ذو معنی لفظ بولے گا تو جب تک اس کی مزید وضاحت نہ کرے گا۔ بکر اس پر عمل نہ کر سکے گا۔ اسی طرح اگر زید کا مخاطب کوئی ایسا شخص ہو گا جو اردو کو سمجھتا ہی نہیں تو بھی اس کے حکم کی بجا آوری نہ کر سکے گا اور سوالیہ نشان بن کر رہ جائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے صرف الفاظ ہی نازل نہیں فرمائے بلکہ اس کا مفہوم بھی مخاطب (یعنی رسول اللہ ﷺ) کے ذہن میں القا کر دیا تاکہ امتثال امر میں کوئی دشواری پیش نہ آئے یعنی مفہوم کو مخاطب کے ذہن میں متعین کرنا اس کا بیان ہے اور اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بتا دیا ہے قرآن کے ساتھ اس کا بیان بھی ہمارے ذمہ ہے اور قرآن اور بیان دونوں کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے یہی بیان رسول اللہ ﷺ نے امت کو بتایا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ (النحل ١٦/ ٤٤)

اے محمد ﷺ! ہم نے آپ کی طرف ذکر نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو بوضاحت بتائیں جو کچھ ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔

اگر اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے فرمودہ بیان سے آزاد ہو کر لغت کی مدد سے اس بیان کو متعین کرنے کی کوشش کرے گا تو اس کو چار وجوہ سے ناکامی ہو گی جو یہ ہیں:

① کثیر المعانی الفاظ: بعض الفاظ کا مفہوم متعین کرنا اس لئے مشکل ہوتا ہے کہ لغت میں اس لفظ کے بہت سے معانی درج ہوتے ہیں۔ مثلاً لفظ صلوٰۃ ہی کو لیجیے۔ اس کے معنی دعا' رحمت' برکت اور نماز جنازہ تو ایسے ہیں۔ جن کی تصریف آیات سے بھی تائید ہوتی ہے مگر نماز کی ادائیگی کے لئے وضو' تیمم' مساجد' قبلہ رخ ہونا' رکوع سجود وغیرہ کا ذکر بھی آیا ہے لہٰذا مندرجہ بالا معانی میں سے کوئی بھی اس کا صحیح مفہوم ادا نہیں کرتا۔

پھر لغت میں مصلّی کے معنی "وہ گھوڑا بھی ہیں جو گھڑ دوڑ میں اول نمبر پر آنے والے گھوڑے کے پیچھے پیچھے دوسرے نمبر پر آیا ہو" پرویز صاحب اسی معنی کو پسند فرماتے ہوئے ادائیگی صلوٰۃ کا مفہوم بتلاتے ہیں۔ "قوانینِ خداوندی کے پیچھے پیچھے چلنا" یہ مفہوم کئی لحاظ سے غلط ہے:

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

1 گھوڑا اور قوانین خداوندی مترادف الفاظ نہیں ہیں۔

2 قوانین خداوندی کے پیچھے پیچھے چلنے کے لئے قبلہ رخ ہونے' وضو اور تیمم' مساجد اور جماعت رکوع وسجود کی ضرورت نہیں پھر صرف معینہ اوقات نماز کے وقت ہی قانون خداوندی کا اتباع چاہیئے؟

3 قوانین خداوندی لاتعداد ہیں اور بے شمار اقسام کے ہیں۔ جن کا احاطہ انسان کے بس سے باہر ہے پھر ان سب کے پیچھے چلنا ویسے ہی ناممکن ہے۔

پھر لغت میں صلوٰۃ کے معنی کولہے ہلانا بھی ہیں لہٰذا صلوٰۃ کی ادائیگی سے بعض منچلوں نے "پریڈ کرنا" مفہوم لیا اور بعض دوسروں نے رقص وسرود کی مجالس منعقد کرنا۔ ان مفاہیم میں بھی مندرجہ بالا اعتراض وارد ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ بھی غلط ہے۔

② اصطلاحات: ہر زبان میں بعض الفاظ بطور اصطلاح مروج ہوتے ہیں۔ جنہیں اہل زبان خوب جانتے ہیں۔ مثلاً لفظ "اخبار" کا لغوی معنی محض "خبریں" ہے۔ مگر اس کا اصطلاحی مفہوم وہ پرچہ (Newspaper) ہے۔ جن میں خبروں کے علاوہ اور بھی بہت کچھ درج ہوتا ہے۔

اسی طرح کچھ اصطلاحیں فنی اور تکنیکی ہوتی ہیں۔ جنہیں اہل علم وفن تو جانتے ہیں مگر عام اہل زبان نہیں جانتے۔ لغت چونکہ "زبان" کے الفاظ کے معنی بیان کرتی ہے لہٰذا ایسی اصطلاحات کا مفہوم بیان کرنا اس کے دائرہ سے خارج ہوتا ہے۔ ایسی اصطلاحات کے لئے الگ کتابیں لکھی جاتی ہیں۔ مثلاً "خبر واحد" طول بلد' سرایت حرارت' کشش ثقل وغیرہ وغیرہ۔ اصطلاحات کے مفہوم کو عام اہل زبان نہیں جانتے۔

قرآن علوم شرعیہ کا منبع ہے لہٰذا اس میں بے شمار اصطلاحات مثلاً دین' الٰہ' عبادت' صلوٰۃ' زکوٰۃ' معروف' منکر' صوم' حج' عمرہ' آخرت وغیرہ وغیرہ استعمال ہوئی ہیں۔ ایسی اصطلاحات کا مفہوم متعین کرنا بھی اللہ اور رسول کا کام ہے۔ شرعی اصطلاحات کا مفہوم جو اللہ اور رسول نے بیان کیا ہو وہی قرآن کا بیان کہلاتا ہے اور یہی بیان امت کے لئے قابل قبول ہو سکتا ہے۔ اب اگر ان شرعی اصطلاحات کا مفہوم کوئی شخص لغت کے ذریعہ متعین کرنے بیٹھ جائے یا کوئی اپنا پسندیدہ نظریہ لغت کے ذریعہ ثابت کرنے لگ جائے تو اس کے متعلق اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ ؎

إِذَا كَانَ الْغُرَابُ دَلِيْلَ قَوْمٍ

③ مقامی محاورات: لکھنؤ میں ایک ڈاکٹر صاحب کو اس کا دوست ملنے گیا جو اس صوبہ سے تعلق نہیں رکھتا تھا۔ ڈاکٹر کے مطب میں ایک مریض آیا اور کہنے لگا میں نے آج رات تین بار زمین دیکھی ہے۔ ڈاکٹر نے مریض کی شکایت سن کر دوا دے دی اور وہ چلا گیا۔ بعد میں وہ دوست ڈاکٹر سے کہنے لگے۔ "میں نہیں سمجھ سکا کہ مریض نے کیا تکلیف بیان کی تھی۔ جس کی آپ نے دوا دی۔" ڈاکٹر صاحب کہنے لگے کہ زمین دیکھنا سے یہاں "قے کرنا" مراد لیا جاتا ہے اور میں نے اسی شکایت کی دوا دی تھی۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

اب اگر کوئی صاحب اردو لغت کی کتاب سے زمین اور دیکھنا کے الگ الگ معنی دیکھ کر سمجھنا چاہیں گے تو کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔ الا یہ کہ وہ کوئی محاورات کی کتاب دیکھیں یا اہل زبان سے سمجھیں۔

اس طرح کی غلطی جناب پرویز صاحب اور ان کے استاد جناب حافظ اسلم صاحب نے محاورہ ﴿ لَم یَخِرُّوا عَلَیهَا صُمًّا وَّعُمیَانًا ﴾ کے ترجمہ میں کھائی اور اس سے وحی میں عقل کی مداخلت کو ثابت کر دکھایا ہے۔ جس کی تشریح کتاب کے آخری حصہ میں آئے گی۔

④ عرفی معانی : بعض دفعہ ایک لفظ کسی خاص معنی میں مشہور ہو جاتا ہے جب کہ لغوی لحاظ سے اس میں اختلاف کی گنجائش موجود ہوتی ہے اندریں صورت صرف عرف کا لحاظ رکھا جائے گا مثلاً ابن عباس سے مراد عبداللہ بن عباس ہی ہوں گے حالانکہ لغوی لحاظ سے آپ کے دوسرے بیٹے فضیل کو بھی ابن عباس کہنا درست ہے اسی طرح مسجد اقصیٰ سے مراد صرف بیت المقدس ہی لیا جائے گا نہ کہ کوئی بھی دور کی مسجد۔

پرویزی اصطلاحات:

پرویز صاحب نے اپنی تصنیف "نظام ربوبیت" میں قرآن کی بیشتر اصطلاحات کا مفہوم یکسر بدل ڈالا ہے۔ گویا جو کام اللہ اور اس کے رسول کا تھا وہ انہوں نے خود سنبھال لیا ہے۔ مثلاً آپ اسی اقام الصلوٰۃ کا مفہوم بتاتے ہیں:

"معاشرہ کو ان بنیادوں پر قائم کرنا جن پر ربوبیت نوعِ انسانی (رب العالمینی) کی عمارت استوار ہوتی جائے۔ قلب و نظر کا وہ انقلاب جو اس معاشرہ کی روح ہے" (نظام ربوبیت ۔ ص:۸۷)

اب دیکھئے اقام الصلوٰۃ کا جو مفہوم اللہ اور رسول ﷺ نے بتایا تھا وہ دن میں پانچ وقت مقررہ اوقات پر طہارت کے ساتھ' مساجد میں باجماعت نماز کا قیام ہے اور یہ مفہوم ایسا ہے جو ذہنی اور عملی دونوں پہلوؤں سے امت میں متواتر اور متوارث چلا آرہا ہے اور اس میں ایک دن کا بھی اِنقطاع نہیں ہوا تو پھر اس مفہوم کی نفی کر کے کوئی دوسرا ایسا مفہوم بیان کرنا جو ان کو اپنی پرویزی جماعت میں بھی متعین نہیں۔ دیوانگی نہیں تو اور کیا ہے؟ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اقام الصلوٰۃ کا صحیح مفہوم نہ رسول اللہ ﷺ نے سمجھا نہ صحابہ نے نہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے بلکہ آج تک کسی مسلمان نے بھی نہ سمجھا بلکہ وہ اس کا غلط مفہوم سمجھ کر ہی بزعم خویش قرآن کے حکم کی تعمیل کرتے رہے۔

لغت کی مدد سے قرآن کا "بیان" متعین کرنے کے لئے پرویز صاحب نے صلوٰۃ کا پہلا معنی تو دوسرے نمبر پر آنے والا گھوڑا بتایا تھا۔ اب دوسرا معنی یہ بتا دیا ہے لیکن صلوٰۃ کے اور بھی تین مفہوم آپ نے "لغت کے ذریعہ بتائے ہیں۔ جن کا ذکر" قرآنی نماز میں آئے گا۔ اب بتایئے کہ اگر ایک شخص بذریعہ لغت صلوٰۃ یا اقام الصلوٰۃ کے پانچ مفہوم بتا دے اور امت کے ہر فرد کو مفہوم متعین کرنے کا حق بھی ہو تو قرآن

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

کے اس "بیان" کا جو حشر ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے۔

نتائج

ان تصریحات سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

① قرآنی اصطلاحات کا مفہوم متعین کرنا لغت کے دائرہ سے باہر ہے۔

② ان اصطلاحات کا مفہوم اللہ نے خود متعین کیا اور اسے حکمت سے تعبیر کیا۔ یہی حکمت جب عملی صورت اختیار کرتی ہے تو اسے سنت کہا جاتا ہے۔

③ یہ حکمت بھی منزل من اللہ ہوتی ہے۔ رسول اللہ قرآن کے ساتھ یہی حکمت صحابہ کو سکھلانے پر مامور تھے یہ حکمت بھی منزل من اللہ ہونے کی بناء پر کتاب اللہ میں شامل ہوتی ہے۔

④ کتاب اور حکمت کے مجموعہ کا نام شریعت بھی ہے اور ذکر بھی کتاب و حکمت یا کتاب و سنت کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔

⑤ اگر حکمت یا سنت کو قرآن سے الگ کر لیا جائے تو قرآن کے الفاظ کی حفاظت بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے اور اس کا حشر وہی ہوگا جس کی طرف اوپر اشارہ کر دیا گیا ہے۔ کتاب اللہ کا یہی مفہوم اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیش نظر تھا جب انہوں نے وفات النبی ﷺ سے چند دن پیشتر صحابہ کے مجمع میں کہا تھا کہ۔ ((حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ)) جیسا کہ ہم صحیح بخاری کے ایک باب کے عنوان کے حوالہ سے پہلے یہ ثابت کر چکے ہیں تاہم ہمیں اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ لفظ کتاب اللہ کا اطلاق اپنے معنی کی عمومیت کے اعتبار سے قرآن مجید پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ ہم کلام اللہ اور کتاب اللہ کے فرق میں یہ وضاحت پیش کر چکے ہیں اور اس معنی پر موطا کی درج ذیل حدیث بھی شاہد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وقت رخصت اپنی امت کو مخاطب کر کے فرمایا:

«تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةُ رَسُولِهِ»

"میں تم میں دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں جب تک انہیں ہاتھ سے نہ جانے دو گے۔ کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ ایک کتاب اللہ (قرآن مجید) اور دوسرے اس کے رسول ﷺ کی سنت۔"

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

باب : دوم

عجمی سازش اور زوالِ اُمت

اسلام میں عجمی تصورات کی آمیزش

کسی بھی مذہب میں جب کبھی بگاڑ ہوا ہے تو اس طور پر ہوا ہے کہ انسان وحی الٰہی میں اپنی عقل یا وجدان کے ذریعہ مداخلت اور اس میں افراط و تفریط کی راہیں نکالنا شروع کر دیتا ہے۔ اسلام کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا۔ جب اسلام میں وجدان یا کشف کو داخل کیا گیا تو رہبانیت کی راہ کھلی اور تصوف معرض وجود میں آیا۔ رہبانیت چونکہ یہود ونصاریٰ اور دنیا کے دوسرے بھی بہت سے مذاہب میں پائی جاتی تھی۔ اس لئے ہمارے "اسلامی تصوف" پر عجمی تصورات کی گہری چھاپ ہے۔ یہ تصورات کب اور کس طرح اسلام میں داخل ہوئے۔ تاریخ اس مسئلہ میں پوری پوری رہنمائی کرتی ہے۔

اور جو عجمی تصورات عقل کے راستہ سے اسلام میں داخل ہوئے وہ حقیقتاً ارسطو کے فلسفہ الٰہیات اور خدا کے متعلق تجریدی تصور کے مرہون منت ہیں پھر اس بنیاد میں اضافے بھی ہوتے رہے۔ یہ تصورات کیا کچھ تھے؟ کون کون سے ادوار میں اور کیسے اسلام میں داخل ہوئے اس کی مختصر روئیداد ہم سابقہ صفحات میں پیش کر چکے ہیں اور اس سلسلہ میں بھی تاریخ خاموش نہیں بلکہ ہماری پوری پوری رہنمائی کرتی ہے۔ یہ تصورات بالآخر انکارِ حدیث اور رسول اللہ ﷺ کے منصبِ رسالت سے انکار پر منتج ہوتے ہیں۔

عجمی سازش کیا ہے؟

اب اس دوسرے گروہ یعنی منکرین حدیث کے موجودہ دور میں نمائندہ طلوع اسلام نے اسلام میں عجمی تصورات کی درآمد کی ایک تیسری قسم کا بھی انکشاف فرمایا ہے اور یہ تیسری قسم ہے۔ محدثین کے ذریعہ اسلام میں عجمی تصورات کی درآمد۔ اسے کبھی حدیثی اسلام کا نام دیا جاتا ہے اور کبھی عجمی اسلام کا۔ اس سازش کا تاریخ میں تو کہیں ڈھونڈے سے بھی سراغ نہیں ملتا۔ البتہ طلوع اسلام کی مطبوعات میں بہت سے مقامات پر اس سازش کا ذکر آپ ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

اب یہ تو ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ بمصداق الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے اور جوابی کارروائی کے طور پر کیا گیا

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

ہے لیکن چونکہ ادارہ مذکور نے اس سازش کا خوب خوب پرچار کیا ہے لہٰذا اس کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

عجمی سازش کے راوی

اس نظریہ کی بنیاد حافظ اسلم صاحب جے راج پوری نے رکھی اور اس کا تھوڑا بہت مواد انہیں مستشرقین سے بھی مل گیا۔ تمنا عمادی نے' جو ادارہ طلوع اسلام کے نزدیک فن اسماء الرجال کے ماہر اور علامہ ہیں' اس نظریہ کی فن رجال کے لحاظ سے تائید فرمائی اور غلام احمد پرویز صاحب نے اس نظریہ کو پروان چڑھایا اور ماہنامہ طلوع اسلام نے اسباب زوال امت مقام حدیث قرآنی فیصلے' اور دیگر کئی تحریروں میں جا بجا اس کا ذکر فرمایا ہے۔

سازش کی ابتدا

اس سازش کا آغاز یوں بیان کیا جاتا ہے۔ کہ اہل ایران جب سیاسی میدان میں مسلمانوں کے ہاتھوں مات کھا گئے تو انہوں نے مسلمانوں سے انتقام لینے کی ٹھانی۔ کھلے میدان میں تو وہ مسلمانوں کے مقابلہ کی تاب نہ رکھتے تھے لہٰذا زیر زمین سازشوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ شہادت حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہے۔ آپ کو فیروز ابو لؤلؤ ایرانی نے اسی جذبہ انتقام سے متاثر ہو کر شہید کیا تھا۔

سازش کی انتہا

بعد ازاں یہ سازش پورے دو سو سال تک بیدار نہ ہوئی۔ اب ان سازشیوں کے ہاں اس بات کے سوائے کوئی چارہ کار نہ رہا تھا۔ کہ مسلمانوں کے بنیادی عقائد و نظریات میں رخنہ اندازی کر کے ان کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا جائے۔ سازشی یہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کی قوت وطاقت کا اصل منبع قرآن ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو قرآن سے دور رکھنے کے لئے انہوں نے رسول اللہ کے اقوال یا احادیث کی اہمیت وحجیت اور ضرورت پر زور دینا شروع کیا۔ قرآن چونکہ بہت سے مسلمانوں کو زبانی یاد تھا اس لئے وہ اس میں تو کمی بیشی کر نہ سکتے تھے۔ البتہ احادیث کا میدان کھلا تھا لہٰذا انہوں نے ایک تو اس بات پر زور دیا کہ احادیث بھی دین کا حصہ ہیں اور جب مسلمانوں میں یہ بات پختہ ہو گئی تو دوسرا اقدام انہوں نے یہ کیا کہ بہت سی موضوعات کو صحیح احادیث مشہور کر کے اس حصہ کو دین میں شامل کر دیا۔ جب یہ دونوں کام سرانجام پا گئے تو اسلام "دین" نہ رہا بلکہ مذہب میں تبدیل ہو گیا۔ سازشی اپنے پروگرام میں کامیاب ہو گئے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ صحاح ستہ کے تمام محدثین ایرانی ہیں۔ اس طرح تمام دنیائے اسلام میں یہی حدیثی اسلام یا عجمی اسلام رائج ہو گیا۔ اب ہر سال سے ملت اسلامیہ اسی حدیثی اسلام کو جو تیسری صدی میں معرض وجود میں آیا تھا سینے سے لگائے پھرتی ہے اور یہی حدیثی یا عجمی اسلام امت کے زوال کا سب سے بڑا اور حقیقی سبب ہے۔ (ملخص

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

اسباب زوال امت و مقام حدیث)

حدیث کے جامعین کے اوصاف

مقامِ حدیث میں پرویز صاحب صحاح کے جامعین کا مختصر تعارف پیش فرمانے کے بعد لکھتے ہیں:

① یہ سب کے سب ایرانی تھے ان میں عرب کا رہنے والا کوئی نہیں تھا۔ مقام حیرت ہے کہ عربوں میں سے اس عظیم کام کا کسی نے بھی بیڑا نہ اٹھایا اور احادیث کی جمع و تدوین کا کام غیر عربوں (عجمیوں) کے ہاتھوں سرانجام پایا۔"

② یہ تمام حضرات تیسری صدی ہجری میں ہوئے۔

③ یہ تمام احادیث لوگوں نے انہیں زبانی سنائیں ان کا کوئی تحریری ریکارڈ اس سے پہلے موجود نہیں تھا۔" (مقام حدیث۔ ص:۳۲)

طلوع اسلام کے مکرو فریب: یہ ہے وہ سب سے بڑی عقلی دلیل جو عجمی سازش کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہے۔ اب دیکھئے اقتباس بالا کی تین شقوں میں پرویز صاحب نے دو جھوٹ بیان فرمائے اور ایک مغالطہ دیا' ان کے جھوٹ یہ ہیں:

① حدیث کے مدوّنین تیسری صدی میں پیدا ہوئے۔

② تیسری صدی سے پہلے کوئی سرمایہ حدیث بھی موجود نہ تھا۔

اور مغالطہ یہ ہے کہ چونکہ صحاح ستہ کے جامعین ہی حدیث کے مدونین ہیں اور وہ ایرانی تھے لہٰذا حدیث کے سب مدوّنین ایرانی تھے اور یہ سب احادیث عجمی سازش کا نتیجہ ہیں۔

اب ہم ان اکاذیب کی وضاحت اپنی طرف سے نہیں بلکہ اسی مقامِ حدیث سے اور حافظ اسلم صاحب کی زبان سے پیش کرتے ہیں:

"یہی وجہ تھی کہ تابعین کبار کے عہد تک حدیثیں غیر مدون تھیں اور سوائے قرآن مجید کے امت کے ہاتھوں میں کوئی دوسری کتاب نہ تھی۔ بعض چیزیں محض علمی لحاظ سے لکھ لی گئیں تھیں۔ مثلاً حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے عہد خلافت (۹۹ تا ۱۰۱ھ) میں سعید بن ابراہیم سے حدیثیں لکھوائیں اور مدینہ کے قاضی ابو بکر بن حزم کو فرمان بھیجا کہ عمرہ رضی اللہ عنہا کی روایتیں لکھ لی جائیں۔ مجھے ڈر ہے کہ ان کی وفات سے ان کا علم ضائع ہو جائے گا۔ یہ عمرہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین کی روایات کا علم رکھتی تھیں۔" (مقامِ حدیث۔ ص:۹۴)

اس اقتباس سے مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

① حکومتی سطح پر حدیث کی جمع تدوین کی طرف حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے توجہ مبذول فرمائی یہ کام پہلی صدی کے آخر میں شروع ہو گیا تھا نہ کہ تیسری صدی ہجری میں۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

② حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے پہلے یعنی پہلی صدی ہجری میں بھی احادیث کا تحریری سرمایہ موجود تھا جو کہ محض علمی لحاظ سے لکھ لیا گیا تھا۔ محض زبانی سننے سنانے کی بات نہ تھی۔

③ یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز' ابوبکر بن حزم' سعید بن ابراہیم' عمرہ' وغیرہم رحمہم اللہ سب کے سب جو احادیث لکھتے اور تدوین کرتے تھے عربی النسل تھے' ان میں عجمی ایک بھی نہیں تھا۔

پھر اس کے بعد حافظ اسلم صاحب لکھتے ہیں:

"حدیث کے مدوّن اول محدثین کے نزدیک امام ابن شہاب زہری (۵۰۔۱۲۴) تسلیم کیے گئے ہیں۔ یہ خلفائے بنو امیہ کے درباروں میں بہت معزز تھے اور ان ہی کے حکم سے (حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے حکم سے ۹۹ھ میں۔ مولف) انہوں نے حدیثیں لکھیں (یعنی جمع وتدوین کی کیونکہ وہ مدون اول ہیں۔ مولف) وہ خود کہتے ہیں کہ ہم کو حدیثوں کا لکھنا گوارا نہ تھا۔ ان خلفاء نے مجبور کر کے لکھوایا۔ امام زہری کے بعد جریج نے مکہ میں' محمد بن اسحاق اور مالک بن انس نے مدینہ میں ربیع بن صبیح اور حماد بن سلمہ نے بصرہ میں سفیان ثوری نے کوفہ میں اوزاعی نے شام میں معمر نے یمن میں' ھیثم نے واسط میں' جریر نے رے میں اور ابن مبارک نے خراسان میں جو سب کے سب ایک ہی زمانہ میں تھے۔ حدیث کی کتابیں مدون کیں۔ یہ جملہ حضرات دوسری صدی ہجری کے ہیں لیکن ان کی کتابوں سے جہاں تک علم ہے۔ سوائے امام مالک (م۔۱۷۹ھ) کے اور کوئی کتاب امت کے ہاتھوں میں نہیں ہے۔ (مقامِ حدیث۔ ص:۹۵)

اس اقتباس سے درج ذیل باتیں معلوم ہوئیں:

1. دوسری صدی کے مدون حدیث ابنِ شہاب زہری کے علاوہ دس اور بھی ہیں لہٰذا پرویز صاحب کا یہ بیان کہ احادیث کی تدوین تیسری صدی میں ہوئی سراسر جھوٹ ہے۔
2. ان مدوّنین سے بیشتر عربی النسل ہیں۔ ایرانی نہیں۔
3. حافظ صاحب کو دوسری صدی میں صرف ایک مجموعہ حدیث موطا امام مالک ہی نظر آیا حالانکہ اس دوسری صدی میں آٹھ ایسے مجموعہ ہائے حدیث تیار ہوئے جو آج کل بھی متداول ہیں اور ان کی تفصیل ہم نے تدوینِ حدیث میں پیش کر دی ہے۔

حدیث کے عرب جامعین

اب رہی یہ بات کہ چونکہ صحاح ستہ کے جامعین ایرانی تھے لہٰذا یہ مجموعہ ہائے حدیث سب ایرانی سازش کا نتیجہ ہیں تو یہ دعویٰ کئی لحاظ سے غلط ہے مثلاً:

① بیشتر محدثین ابن ماجہ کو صحاح ستہ میں شمار ہی نہیں کرتے اور اس کے بجائے موطا امام مالک کو صحاح میں شمار کرتے ہیں۔ یعنی صحاحِ ستہ میں سے بھی بخاری مسلم اور موطا اول درجہ کی صحیح کتب ہیں اور ترمذی نسائی اور ابوداؤد دوسرے درجہ کی اور موطا کے جامع مالک بن انس خالص عربی النسل تھے اور ان

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

کی کتاب موطا ۱۷۹ھ سے پہلے پہلے منظر عام پر آچکی تھی اور اس کی بہت سی احادیث بخاری مسلم میں بھی موجود ہیں۔

② پھر ان جامعین حدیث میں ایک امام احمد بن حنبل بھی ہیں جو خالص عربی النسل ہیں۔ ان کی کتاب مسند احمد آج بھی متداول ہے۔ اس میں تیس ہزار کے لگ بھگ احادیث ہیں۔ یہ مسند احمد بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد ان سب سے پہلے منظر عام پر آچکی تھی اور اس کی بہت سی احادیث مذکورہ کتب احادیث میں موجود ہیں۔

③ ان کے علاوہ بھی بہت سے احادیث کے تحریری مجموعے ان کتب صحاح سے پہلے موجود تھے۔ جن کے مدوّنین خالص عربی النسل ہیں اور جو آج بھی متداول ہیں اور ان کی تفصیل "تدوین حدیث" میں ہم نے درج کر دی ہے۔

عجمی سازش کے نظریہ کے غلط ہونے کے دلائل

ان دلائل کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے پہلی قسم کے دلائل صحاح ستہ کے داخلی مواد سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ مندرجہ ذیل ہیں:

① صحاح ستہ کا مواد اور ایرانی عقائد: جب ہم صحاح ستہ کے داخلی مواد کا سابقہ مدون شدہ ذخیرہ ہائے حدیث سے موازنہ کرتے ہیں تو ہمیں ایسی کوئی بات نہیں ملتی جو ان سابقہ کتب کے مخالف ہو، یا ان پر اضافہ ہو یا ان پیش کردہ کسی عقیدہ یا حکم کی تردید، ترمیم یا تنسیخ کرتی ہو پھر ہم یہ کیسے باور کر سکتے ہیں کہ ان ایرانی جامعین نے اپنی طرف سے ذخیرہ حدیث میں بہت کچھ شامل کر دیا تھا۔

ایرانی لوگ مجوسی یا آتش پرست تھے۔ ان کا نبی زرتشت تھا۔ ان کے ہاں دو خداؤں یزدان اور اہرمن کا عقیدہ تھا۔ ان کی مذہبی کتابیں ژند اور اوستا ہیں۔ کیا آپ نے صحاح ستہ کی احادیث میں کوئی ایسی حدیث بھی دیکھی ہے جو آگ کے فضائل بیان کرتی ہو؟ یا وہ ان کے نبی کے حالات زندگی اور مناقب پر مشتمل ہو؟ یا ایک خدا کے بجائے دو خداؤں کی تعلیم دیتی ہو؟ یا اس حدیث میں ایرانیوں کی مذہبی کتابوں کا ذکر آیا ہو؟ اگر ان سب سوالوں کا جواب نفی میں ہے تو ان ایرانی جامعین حدیث نے اپنی طرف سے کیا اضافہ کیا جو ان کے مخصوص سازشی نقطہ نظر کے لحاظ سے ضروری تھا؟

② اسلامی فقہ اور عجمی سازش: اب ہم ایک دوسرے طریقہ سے اس عجمی سازش کا جائزہ لینا چاہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ:

① امت مسلمہ میں چار فقہی مذاہب پائے جاتے ہیں۔ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی۔

② ان مذاہب کے بانی یا امام۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل ہیں یہ سب کے

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

سب ائمہ حدیث امام بخاری' امام مسلم' امام ترمذی' امام نسائی اور امام ابوداؤد سے پہلے دور سے تعلق رکھتے ہیں۔

③ ان چار آئمہ فقہاء میں سے تین (یعنی ماسوائے امام ابو حنیفہ کے) خالص عربی النسل ہیں۔

④ فقہ کا اصول یہ ہے کہ کتاب وسنت یا قرآن وحدیث دونوں کو مدنظر رکھ کر پیش آمدہ مسائل کا استخراج کیا جاتا ہے اور یہ تمام تر فقہ صحاح ستہ کی جمع وتدوین سے پیشتر مرتب ہو چکی تھی۔

اب سوال یہ ہے کہ جن احادیث کو سامنے رکھ کر ان عربی النسل آئمہ فقہاء نے فقہ مرتب کی ہے۔ وہ احادیث ان احادیث سے جو آئمہ صحاح نے ان اپنے اپنے مجموعوں میں درج فرمائی ہیں۔ کچھ مختلف ہیں؟ یا متضاد ہیں؟ پھر اگر آئمہ فقہاء کے سامنے بھی وہی کچھ احادیث تھیں جو آئمہ صحاح نے درج کی ہیں تو پھر ایرانی سازش نے کونسا نیا کارنامہ سرانجام دیا؟

③ **محدثین کا معیار صحت:** صحاح کے جامعین نے البتہ یہ کارنامہ ضرور سرانجام دیا کہ بیشمار بکھری ہوئی احادیث کو فن تنقید حدیث کے معیاروں پر کس کر کھرے سے کھوٹا الگ کر دیا۔ ان حضرات کے پاس سابقہ تحریری مجموعے بھی موجود تھے اور جن شیوخ سے انہوں نے علم حدیث حاصل کیا ان کے پاس بھی موجود تھے پھر لوگوں میں زبانی روایات کے ذریعہ جو احادیث پھیلی ہوئی تھیں ان کا بھی انہیں علم تھا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے "روایت حدیث") پھر ان حضرات نے ان لاتعداد حدیثوں کو نکھارنے میں جتنی کاوش کی اور جن معیاروں پر پرکھا' کیا کسی سازشی کا یہ کام ہو سکتا ہے؟ اگر وہ سازشی ہوتے پھر تو انہیں چاہئے تھا کہ وہ اپنے اپنے مجموعوں میں زیادہ سے زیادہ موضوعات کی بھرمار کر دیتے اور اگر کوئی صحیح حدیث انہیں معلوم ہو بھی جاتی تو اس کو قطعاً درج نہ کرتے کیونکہ یہ بات ان کے مفاد کے خلاف تھی۔ اگر وہ فی الواقع سازشی تھے تو اس الٹی گنگا بہانے کی کیا تک تھی؟

یہ تو تھیں داخلی شہادات جو اس نظریہ عجمی سازش کو باطل قرار دیتی ہیں۔ اب سیاسی نوعیت کے دلائل کی طرف آیئے اور وہ درج ذیل ہیں:

④ **یزدگرد کا قاتل؟:** ایران کے آخری بادشاہ کو کسی مسلمان نے قتل نہیں کیا۔ نہ ہی وہ کسی جنگ میں مارا گیا تھا بلکہ ایک ایرانی دہقان کے ہاتھوں ہی مارا گیا۔ اس نے مسلمانوں کی پے در پے فتوحات سے خائف ہو کر راہ فرار ضرور اختیار کی تھی۔ چھپتے چھپاتے ایک دہقان کے جھونپڑے میں جا گھسا جس نے تاج شاہی کے جواہرات کے لالچ میں آکر اسے قتل کر دیا۔

ملوکیت میں عوام کی بادشاہ کے کاروبار حکومت سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی' ایسے نظام حکومت میں دشمنی یا مخالفت ومخاصمت اگر ہوتی ہے تو یہ ہمیشہ شاہی خاندان کے افراد ہی میں ہوا کرتی ہے۔ البتہ رعایا کو اگر حکمران نیک سیرت ہو' تو اس حکمران سے ہمدردی ضرور ہوتی ہے اور اگر بدکردار یا نااہل ہو تو اس سے

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

عوام کو کوئی ہمدردی نہیں ہوتی۔ اب آپ خود ملاحظہ فرما لیجیے کہ اس دہقان کو بادشاہ سے کتنی ہمدردی تھی؟ اور دوسری رعایا کو کیا ہمدردی ہو سکتی ہے؟ پھر کیا ایسے نااہل بادشاہ کے لئے اس کی رعایا میں اتنی ہمدردی ہو سکتی ہے۔ کہ اس کے لئے یا اس کے خاندان کی دوبارہ حکومت کے لئے خفیہ تحریک چلائے۔ جس کا ایک فرد ابو لؤلؤ ہو جو جا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دے؟

اس کے برعکس ایسی تاریخی شہادتیں آپ کو کافی مل جائیں گی۔ کہ مظلوم رعایا نے خود مسلمانوں کو اپنے ظالم حکمرانوں سے نجات کے لئے بلایا اور ان کے لئے راستے ہموار کیے اپنے بادشاہ کے خلاف مسلمانوں کی ہر ممکن طریقہ سے مدد کی اور اگر کسی مجبوری کی وجہ سے مسلمان از خود پیچھے ہٹنے لگے تو ان لوگوں نے اظہار تاسف ہی نہیں بلکہ فی الحقیقت رونا شروع کر دیا۔ آخر اس کی وجوہ کیا تھیں؟ کیا یہی نہیں کہ رعایا اپنے حکمرانوں کے مظالم سے تنگ آئی ہوئی تھی اور مسلمانوں کے اخلاق و کردار اور انصاف سے متاثر ہو کر خود انہیں دعوت دیتی' ان کے لئے ہر ممکن امداد فراہم کرتی اور خفیہ تحریکیں چلاتی تھی۔ ان ظالم حکمرانوں کی حمایت میں ایسی رعایا مسلمانوں کے خلاف کوئی خفیہ تحریک کیونکر چلا سکتی تھی؟

⑤ **شہادت حضرت عمر رضی اللہ عنہ :** اب جو طلوع اسلام اس ایرانی سازش کی ابتداء حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کو قرار دیتا ہے تو یہ بات اور بھی مضحکہ خیز ہے۔ کیونکہ یہ واقعہ بالکل ذاتی نوعیت کا تھا اور وہ واقعہ یہ تھا کہ مدینہ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا ایک پارسی غلام فیروز نامی (کنیت ابو لؤلؤ) رہتا تھا۔ اس نے ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی کہ میرے آقا نے مجھ پر بھاری رقم (دو درہم روزانہ) عائد کر رکھی ہے۔ آپ کم کر دیجیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم کیا کچھ ہنر جانتے ہو اس نے کہا "نجاری' نقاشی اور آہن گری" آپ نے فرمایا کہ ان صنعتوں کے مقابلہ میں یہ رقم کچھ زیادہ نہیں ہے۔ فیروز اپنے دل میں سخت ناراض ہو کر واپس چلا آیا اور دوسرے ہی دن ۲۶ ذی الحجہ سن ۲۳ھ کو جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ صبح کی نماز کی امامت کر رہے تھے۔ فیروز نے گھات سے نکل کر آپ پر خنجر کے چھ وار کیے۔ اور فرار ہوتے ہوتے چند اور صحابہ کو بھی زخمی کیا۔ بالآخر پکڑا گیا لیکن ساتھ ہی خود کشی کر لی (الفاروق ۔ شبلی نعمانی ۔ ص:۱۷۷)

اب دیکھئے یہ واقعہ خالصتاً فیروز کے ذاتی انتقام کی بناء پر وقوع پذیر ہوا تھا۔ اس معاملہ میں اسلامی حکومت کی تحقیق یا تاریخ سے کسی سازش کی بو تک نہیں آتی۔ نہ ہی اس واقعہ کے بعد اسلامی حکومت میں اور بالخصوص مدینہ میں پارسیوں پر کوئی قدغن عائد کی گئی۔ ہمارے خیال میں یہ تو ممکن ہے کہ کسی خفیہ سازش کا صدر مملکت کو علم تک نہ ہو سکے۔ لیکن یہ ناممکن ہے کہ بعد میں تاریخ بھی اس سلسلہ میں خاموش رہے پھر جہاں تاریخ بھی خاموش ہو تو پھر یہ سازش ہی کیا ہوئی؟

⑥ **اسلامی حکومت میں سازشیں :** تاریخ سے ہمیں فی الواقع ایک دو عجمی سازشوں کا پتہ چلتا ہے۔ عبداللہ بن سبا یہودی نے خفیہ تحریک چلائی۔ اور اصل مرکز مدینہ سے دور رہنے والے خفیہ مراکز کے نو

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

مسلموں میں جن میں ابھی اسلام رائج نہیں ہوا تھا۔ اپنے چند گمراہ کن عقائد و نظریات پھیلا دیئے۔ اس سازش کا ایک تو تاریخ سے پتہ چل جاتا ہے۔ دوسرے اس کا نتیجہ بھی محسوس شکل میں سامنے آجاتا ہے۔ کہ ایک الگ شیعہ فرقہ پیدا ہو گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ طلوع اسلام کی بیان فرمودہ عجمی سازش کا نہ تاریخ سے پتہ چلے نہ ہی اس کا نتیجہ محسوس شکل میں ظاہر ہو تو اس کو طلوع اسلام کے اوہام کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے؟

اور دوسری سازش وہ ہے جو شہادت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ردِ عمل کے طور پر بپا ہوئی۔ یہ واقعہ اس طرح ہے کہ ایک ایرانی جرنیل ابو مسلم خراسانی (م ۱۳۸ھ) نے بنو امیہ کی خلافت کا تختہ الٹنے میں بنو عباس کی مدد کی تھی۔ اس نے فی الواقع خفیہ تحریک ہی نہ چلائی تھی بلکہ خفیہ فوج بھی تیار کر رکھی تھی۔ مگر اس سازش سے ادارہ طلوع اسلام کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا کیونکہ اس ایرانی جرنیل ابو مسلم خراسانی نے ایک عربی النسل قبیلہ سے اقتدار چھین کر جس قبیلہ کو اقتدار سونپا۔ وہ بھی عربی النسل ہی تھا۔ یعنی بنو عباس' اگر طلوع اسلام کے اس عجمی سازش کے دعویٰ میں ذرہ بھر بھی حقیقت ہوتی تو یہ ایرانی جرنیل کبھی یہ اقتدار بنو عباس کو نہیں سونپ سکتا تھا۔ اسے تو چاہیئے تھا کہ وہ خود ہی قابض ہو جاتا مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔

⑦ سازش کے لئے مناسب مقام: ہوتا یہ ہے کہ ایسی خفیہ سازشیں اور تحریکیں دارالخلافہ سے دور مقامات پر بپا کی جاتی ہیں تاکہ حتی الوسع حکومت کی گرفت میں نہ آسکیں۔ عبداللہ بن سبا یہودی نے اس غرض کے لئے مدینہ سے بہت دور کے دیار و امصار کا انتخاب کیا تھا اور ابو مسلم نے بھی دارالخلافہ سے بہت دور خراسان میں یہ تحریک بپا کی تھی' لیکن یہ ایرانی اتنے ہی ناسمجھ تھے کہ دارالخلافہ اور اس کے پاس رہ کر ہی تحریک چلانا شروع کردی' دارالخلافہ میں رہ کر شیوخ سے علم حاصل کرتے رہے اور خود کھلے بندوں درس و تدریس کا کام بھی جاری رکھا' کیا خفیہ سازشوں کے یہی اطوار ہوتے ہیں؟

⑧ ایران میں ہی سازش کیوں؟: مسلمانوں نے صرف ایران ہی کو بزور شمشیر فتح نہیں کیا تھا اور بھی بہت سے ممالک مثلاً شام' روم' مصر' الجزائر' مراکش' اندلس' افغانستان اور ہندوستان وغیرہ کو تیسری صدی ہجری سے بہت پہلے خلافت عثمانیہ کے دور ہی میں بزور شمشیر فتح کر لیا تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ یہ تحریک صرف ایران میں ہی چلی؟ جہاں کے بادشاہ ظالم بھی تھے اور نااہل بھی اور رعایا کو ان سے چنداں ہمدردی بھی نہ تھی۔

صحاح ستہ کے جامعین ایرانی کیوں تھے؟

اب رہا یہ سوال کہ یہ جامعین صحاح یا ان میں سے اکثر ایرانی کیوں تھے؟ تو اس کی وجوہ درج ذیل ہیں:

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

① جس جگہ فساد ہو' اصلاح کی اسی جگہ زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ ہم نے وضع حدیث کے باب میں تفصیل سے ذکر کر دیا ہے۔ کہ یہی علاقہ موضوعات کی منڈی بنا ہوا تھا۔ معتزلہ اور خوارج' شیعہ' رافضی' مبتدعین اور متصوفین ان سب فرقوں کی آماجگاہ یہی علاقہ تھا اور ہر فرقہ موضوعات کے شغل میں مصروف تھا۔ ان حالات میں اسی علاقہ کے محدثین پر ہی سب سے زیادہ یہ ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ احادیث کی تحقیق و تنقید کا فریضہ سر انجام دیں۔ ہر فرقہ کی موضوعات کے اس چڑھتے ہوئے سیلاب کے آگے بند باندھنے اور مسلمانوں کو اس فتنہ سے نجات کی صورت بھی اللہ تعالیٰ نے اسی علاقہ سے پیدا کر دی ؎

نظر جو آتی ہے شر کی صورت اسی میں مضمر ہے خیر و برکت
کنار شب میں جہاں ہے ظلمت وہیں ستارے چمک رہے ہیں

② اس دور میں صرف یہ محدثین ہی ایرانی نہ تھے بلکہ علم صرف نحو' منطق' کلام وبیان ولغت یعنی ایسے تمام علوم جو قران کو سمجھنے کے لئے رائج ہو چکے ہیں۔ ان سب علوم کے شیوخ اور امام زیادہ تر اسی علاقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خلفائے عباسیہ نے اپنی سلطنت کا مرکز بغداد قرار دیا تھا۔ یہ خلفاء علم دوست تھے۔ دوسری زبانوں کے علوم کے تراجم کے لئے بھی ایک الگ محکمہ قائم تھا۔ جس کے صدر دفتر کو بیت الحکمت کہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں بہت سے علماء اس علاقہ میں جمع ہو گئے تھے۔ وہاں ایران کے اصل باشندوں نے بھی ایسے تمام تر علوم کی انتہائی بلندیوں تک پہنچنے میں نمایاں حصہ لیا۔

اب سوال یہ ہے کہ محدثین کے ایرانی ہونے کی وجہ سے حدیث ناقابل اعتبار ہے تو لغت کیسے قابل اعتبار بن سکتی ہے؟ لغت کے بھی اکثر امام ایرانی ہیں۔ جن سے طلوع اسلام نے لغات القرآن کی ترتیب میں بھرپور استفادہ کیا ہے۔ اگر ایرانی ہونے کی وجہ سے حدیث متاثر ہو سکتی ہے تو پھر لغت کا بھی کیا اعتبار ہے۔ علاوہ ازیں قرآن بھی انہی ایرانی روایات کے ذریعہ ہم تک پہنچا تو اس کی صحت وحفاظت کا بھی کیا اعتبار ہے؟

عجمی سازش اور تمنا عمادی

یہ بات بڑی عجیب نظر آتی ہے کہ اس سازش کے نتیجہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو ۲۳ھ میں شہید ہو جائیں پھر اس سازش کا پورے دو سو سال تک نام ونشان ہی نظر نہ آئے اور بعد میں جا کر یہ سازش امام بخاری' مسلم' ترمذی' نسائی اور ابوداؤد جامعین حدیث کی صورت میں نمودار ہو۔ اس درمیانی خلاء کو پر کرنے کے لئے ادارہ طلوع اسلام کے ایک رکن اور ماہر فن اسماء الرجال علامہ تمنا عمادی نے اس سازش کا رابطہ یوں قائم کیا کہ:

"حدیث کے مدون اول ابن شہاب زہری (۵۰۔۱۲۴ھ) عربی نہیں بلکہ عجمی تھے"

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

امام زہری کا شجرہ نسب: اب اس ماہر فن رجال کی تحقیق ملاحظہ فرمایئے۔ وہ کہتے ہیں:

"ابن شہاب عربی نہ تھے بلکہ عجمی تھے کیونکہ نہ تو شہاب نامی کوئی آدمی ان کے اکابر میں تھا اور نہ ہی زہری کا خاندان [1] قریشی تھا بلکہ وہ ایلہ میں رہتے تھے جو شام کے قریب بحر قلزم پر واقع ہے اور ان کی قبر زار میں ہے۔ غرض نہ مدینہ طیبہ کبھی ان کا یا ان کے آباء و اجداد کا وطن رہا نہ انہوں نے وہاں وفات پائی اور نہ وہاں دفن ہوئے۔" (طلوع اسلام۔ ستمبر ۱۹۵۰ء۔ ص:۴۸)

یہ تو تھی جناب علامہ تمنا عمادی کی تحقیق انیق اب رجال کی کتابوں کو سامنے لایئے:

- علامہ ذہبی (م ۷۴۸ھ) ابن شہاب کا ذکر یوں بیان کرتے ہیں:

"زہری حفاظ حدیث میں سب سے زیادہ عالم تھے (شجرہ نسب یہ ہے) ابو بکر (کنیت) محمد بن مسلم بن عبداللہ بن شہاب بن عبداللہ بن الحارث بن زہرہ بن کلاب القرشی الزہری المدنی الامام (تذکرہ الحفاظ۔ ج:۱۔ ص:۱۰۰)

- حافظ ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب "تہذیب" میں زہری کا نسب اور تذکرہ یوں بیان فرماتے ہیں:

"ابوبکر محمد بن مسلم بن عبداللہ بن شہاب بن عبداللہ بن الحارث بن زہرہ بن کلاب بن مرہ القرشی۔ یہ ابوبکر (ابن شہاب زہری) فقیہہ بھی تھے اور حافظ الحدیث بھی، مدنی تھے، بلند پایہ علماء میں سے ایک تھے۔ حجاز اور شام کے عالم تھے" (تہذیب۔ ج:۹۔ ص:۴۴۵)

یہ تو خیر فن رجال پر عربی کی کتابیں ہیں اگر علامہ صاحب یا ادارہ طلوع اسلام دور حاضر کی موجودہ اردو کتابیں ہی دیکھ لیتے تو بھی علامہ صاحب کا بھرم قائم رہ جاتا۔ انسائیکلو پیڈیا اردو مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ میں امام زہری کا تذکرہ یوں درج ہے:

"زہری امام (۵۰ھ/۶۷۰ء۔ ۱۲۴ھ/۷۴۱ء) محدث فقیہ اور مورخ۔ پورا نام امام محمد بن مسلم بن شہاب زہری۔ قریشی الاصل تھے۔ (انسائیکلو پیڈیا مطبوعہ فیروز سنز زیر عنوان زہری امام)

یہ تو تھا علامہ صاحب کا رجال کی تحقیق کا نمونہ۔ ایسے نمونے آپ کے اور بھی ہیں [2] مگر ہم طوالت سے بچنے کی خاطر ان کو نظرانداز کرتے ہیں۔ اب علامہ صاحب کی زبانی امام زہری کے تدوین حدیث کا قصہ سنئے لکھتے ہیں:

---

[1] اس تحقیق جلیل کے حوالہ جات علامہ صاحب نے قلمبند نہیں فرمائے۔

[2] مثلاً وہ محمد بن جریر بن یزید طبری اہل سنت اور محمد بن جریر بن رستم طبری (شیعہ) دونوں کو ایک ہی شخصیت قرار دے رہے ہیں جب کہ شیعہ حضرات خود بھی معترف ہیں کہ ان کے محمد بن جریر بن رستم طبری الگ شخصیت ہیں۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

تمنا عمادی اور تدوین حدیث

"اور منافقین عجم نے اپنے مقاصد کے ماتحت جمع احادیث کا کام شروع کرنا چاہا تو انہیں منافقین عجم کے آمادہ کرنے سے اس وقت خود ابن شہاب کو خیال ہوا کہ ہم حدیثیں جمع کرنا شروع کر دیں تو یہ مدینہ پہنچے اور کوفہ بھی اور مختلف مقامات سے حدیثیں حاصل کیں اور پھر بیسیوں راویوں کے ساتھ رہے..... اور (ان منافقین عجم نے) ظاہری زہد و تقویٰ دکھا کر ابن شہاب زہری کو جمع احادیث پر آمادہ کیا۔ یہ اپنے تجارتی وزراعتی کاروبار کی وجہ سے اپنے وطن مقام ایلہ میں رہا کرتے تھے۔ مگر ایک بہت بڑی دینی خدمت سمجھ کر اس مہم پر آمادہ ہو گئے اور ۱۰۱ھ کے بعد مدینہ آکر یہاں کے لوگوں سے حدیثیں لیں اور پھر کوفہ بصرہ اور مصر وغیرہ مقامات سے بھی حدیثیں لیں اور ہر راہ چلتے سے جو حدیث بھی مل جاتی لکھ لیتے اور یاد کر لیتے اور وہی منافقین [1] خود بھی پھر ان کے پاس آکر حدیثیں لکھوانے لگے اور دوسرے وضّاعین' کذّابین کو ان کے پاس بھیج بھیج کر ان سے بھی حدیثیں ان کے پاس جمع کروانے لگے۔ (طلوع اسلام۔ ستمبر ۱۹۵۰ء۔ ص:۵ اور ۵۴)

تمنا عمادی اور حافظ اسلم کے بیانات کا موازنہ

اب دیکھئے تدوین حدیث کے متعلق ایک بیان حافظ اسلم صاحب دے رہے ہیں اور دوسرا تمنا عمادی صاحب ان دونوں کا تقابل کیجیے تو معلوم ہو گا کہ ایک بات میں یہ دونوں حضرات متفق ہیں اور وہ یہ ہے کہ احادیث کی جمع وتدوین کا کام تحریری طور ۱۰۱ھ میں بہرحال سرانجام پا گیا تھا اور دو باتوں میں ان دونوں حضرات کے بیان متضاد ہیں:

① حافظ صاحب کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے آپ اس خدمت پر مامور ہوئے۔ لیکن علامہ صاحب فرما رہے ہیں کہ منافقین عجم کے کہنے پر امام زہری اس کام پر آمادہ ہوئے۔

② حافظ صاحب کہتے ہیں کہ خلیفہ کے حکم کے مطابق امام صاحب نے یہ کام مجبوراً انجام دیا۔ لیکن علامہ صاحب کہتے ہیں کہ امام صاحب نے منافقین عجم کے کہنے پر یہ کام ایک بہت بڑی دینی خدمت سمجھ کر برضا و رغبت سرانجام دیا۔

اب یہ فیصلہ ادارہ طلوعِ اسلام ہی کر سکتا ہے کہ ان دونوں بزرگ ہستیوں میں کون سچا ہے اور کون جھوٹا اور کیوں؟

---

[1] یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ امام ابن شہاب زہری کے پاس صرف منافقین عجم ہی آتے تھے۔ منافقین عرب نہیں آتے تھے کیونکہ یہ سازش عجمی ہے اسی لئے تو تمنا عمادی صاحب نے پہلے امام شہاب کو عجمی بنا دیا حالانکہ وہ خالص عربی قریشی مدنی تھے پھر ان کے پاس بھیجا بھی منافقین عجم کو ہی ہے حالانکہ منافق عرب میں بھی موجود تھے بلکہ عہدِ نبوی میں بھی تھے اس طرح گویا اس عجمی سازش کے دو طرفہ ثبوت مہیا فرما دیئے۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

حدیث مِثْلَهٗ مَعَهٗ اور عجمی سازش

محدثین کے کارنامہ سے جو چیز ادارہ طلوع اسلام کو سب سے زیادہ کھٹکتی ہے۔ وہ یہی "مثلہ معہ" والی حدیث ہے کیونکہ صرف اس ایک حدیث سے طلوع اسلام اور تمام منکرین حدیث کے کیے کرائے پر پانی پھر جاتا ہے۔ چنانچہ اس حدیث کے خلاف ہر بڑے منکر حدیث نے تبصرہ فرمایا۔ مثلاً: تمنا عمادی لکھتے ہیں:

"مثلہ معہ" والی حدیث موضوع' مکذوب' صحاح ستہ کی کسی کتاب میں نہیں ہے" (مقام حدیث' ج ۲' ص ۴۶۲)

اور حافظ اسلم صاحب وضعی احادیث کی مثال پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"رسول اللہ نے فرمایا کہ عنقریب ایسا ہوگا کہ تم میں ایک پیٹ بھرا شخص اپنے پلنگ پر تکیہ لگائے میری حدیثوں کو سن کر کہے گا کہ ہمارے تمہارے درمیان [1] قرآن ہے۔ اس کے حلال کیے ہوئے کو حلال اور حرام کیے ہوئے کو حرام سمجھو یاد رکھو کہ مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کے مثل بلکہ اور بھی زیادہ (مقام حدیث ۔ ص:۴۸ بحوالہ مشکوۃ ۔ ص:۱۸) حالانکہ صدیق اکبر نے روایت سے منع کرتے وقت یہی فرمایا تھا کہ اگر کوئی سوال کرے تو اس سے کہہ دو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان قرآن ہے جو اس نے جائز کیا ہے اس کو جائز اور جو ناجائز کیا ہے اس کو ناجائز سمجھو اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ "حسبنا کتاب اللہ" ان کے خلاف یہ روایت قرآن کو ناکافی اور نامکمل بتلاتی ہے جو اس کے جعلی ہونے کی قطعی دلیل ہے" (مقام حدیث ۔ ص:۸۸)

اور پرویز صاحب اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

"مثلاً: یہ عقیدہ کہ قرآن کے ساتھ قرآن کی مثل کچھ اور بھی ہے (مثلہ معہ) اور یہ وہ مجموعہ روایات ہے جسے رسول اللہ کے اڑھائی سو سال بعد لوگوں نے انفرادی طور پر مرتب کیا یہ ایک اصولی عقیدہ ہے جو قرآن کے خلاف ہے۔ کیونکہ قرآن بے مثل و بے نظیر ہے۔ یہ عقیدہ نہ اپنے دور میں صحیح تھا نہ اسے آج ہی کسی اور سانچے میں ڈھالا جا سکتا ہے۔ میرے نزدیک یہ عقیدہ عجم کی سازش کا نتیجہ ہے۔" (اسباب زوال امت ۔ ص:۱۵۴)

عمادی صاحب کے جھوٹ کا جواب: یہ حدیث صحاح ستہ میں ضرور موجود ہے' حافظ اسلم صاحب نے اس کا حوالہ مشکوۃ سے دیا اور مشکوۃ میں اس حدیث کے حوالہ کے لئے چھ حدیث کی کتابوں کا ذکر ہے۔ یعنی ترمذی' ابوداؤد' ابن ماجہ' مسند احمد' بیہقی اور دارمی۔ اب دیکھئے ان کتب احادیث میں سے کم از کم دو ترمذی اور ابوداؤد تو یقیناً صحاح ستہ کی ہیں اور تیسری ابن ماجہ مختلف فیہ ہے پھر معلوم نہیں علامہ صاحب کو اتنا کھلا جھوٹ بیان کرنے کی جسارت کیسے پیدا ہو گئی؟

---

[1] جن لوگوں نے عبداللہ چکڑالوی کو قریب سے دیکھا ہے وہ انہی کو اس حدیث کا مصداق قرار دیتے ہیں۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

علاوہ ازیں یہ حدیث چار مختلف روایتوں سے جامع بیان العلم میں مذکور ہے اور جامع بیان العلم وہ کتاب ہے جس کی روایات پر منکرینِ حدیث نے اپنے نظریہ کے اثبات میں بہت حد تک انحصار کیا ہے اور جا بجا اس کے حوالے ملتے ہیں۔ گو ان روایات کا بھی اتنا ہی حصہ پیش کیا جاتا ہے جو ان کی مطلب برابری کی حد تک مفید ہو سکے اور جس کا جائزہ ہم اپنے مقام پر پیش کر رہے ہیں' سرِدست پوچھنا یہ ہے کہ اگر جامع بیان العلم کی کوئی روایت ان کی ضرورت پوری کر رہی ہو تو وہ معتبر ہوتی ہے اور اگر ان کے خلاف جائے تو وہ وضعی کیونکر بن جاتی ہے؟ خاص کر جب کہ یہ روایت چار مختلف طریق سے چار بار مذکور ہے؟

حافظ اسلم صاحب کے اعتراضات کا جواب

حافظ اسلم کو جواب ہم تفصیل سے تو "روایت حدیث" میں دے رہے ہیں مختصراً یہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے متعلق روایت جو جامع بیان العلم کے حوالہ سے پیش کی گئی ہے' اس پر "جامع بیان العلم" ہی کا تبصرہ یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل اور ناقابل احتجاج ہے۔ رہا حضرت عمر کا "حسبنا کتاب اللہ" فرمایا کرنا تو وہ فرمایا نہیں کرتے تھے بلکہ صرف ایک دفعہ فرمایا تھا پھر کتاب اللہ سے ان کی مراد تمام احکام منزل من اللہ سے ہوتی تھی خواہ وہ قرآن میں مذکور ہوں یا حدیث میں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے اسی کتاب کا مضمون "حسبنا کتاب اللہ"

پرویز صاحب اور قرآن کی مثلیت

اور پرویز صاحب سے یہ گزارش ہے کہ مثلیت صرف ایک آدھ بات میں ہی ثابت ہو جائے تو وہ مثال درست ہوتی ہے۔ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ یہ مثلیت ان دونوں اشیاء کے ان جملہ پہلوؤں پر فٹ بیٹھے۔

مثلاً: ارشاد باری ہے:

﴿ وَحُورٌ عِينٌ ﴿٢٢﴾ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ ﴿٢٣﴾ ﴾ (الواقعة ٥٦/ ٢٢-٢٣)

"اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں جیسے کہ چھپے ہوئے موتی۔"

تو اس مثال میں حوروں اور موتیوں کے درمیان خوبصورتی اور آب و تاب قدر مشترک ہے' اس کا یہ مطلب نہیں وہ حوریں فی الواقع موتیوں کی طرح چھوٹی چھوٹی گول گول اور مختلف رنگوں والی ہوں گی۔

پھر یہ مثلیت کا پہلو کبھی تو اتنا واضح ہوتا ہے کہ اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جیسے مثال بالا میں' اور کبھی اس کی طرف اشارہ بھی کر دیا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر مثلیت کے لئے قرینہ موجود ہوتا ہے جیسے ارشادِ باری ہے:

حضرت عیسیٰ اور آدم میں مثلیت

﴿ إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾ ﴾

"اللہ کے ہاں عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام کی سی ہے۔ آدم علیہ السلام کو اللہ نے مٹی سے پیدا کیا پھر کہا

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

(آل عمران ۳/ ۵۹) (انسان) ہو جا تو وہ (انسان) ہو گئے۔"

سورہ آل عمران کی یہ آیت سن ۹ ھ میں اس وقت نازل ہوئی جب نجران کے عیسائی مدینہ میں آپ سے مناظرہ کرنے کے لئے آئے اور سوال ہی یہ کیا کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام خدا یا خدا کے بیٹے نہیں تو بتاؤ کہ اس کا باپ کون تھا؟ اس سوال کے جواب میں یہ وحی نازل ہوئی کہ اگر باپ نہ ہونے سے کوئی شخص خدا یا خدا کا بیٹا سمجھا جا سکتا ہے تو حضرت آدم اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ ان کا باپ تو درکنار ماں بھی نہ تھی۔ لیکن تم اس کو خدا یا اس کا بیٹا نہیں کہتے پھر عیسیٰ کو اس بنا پر خدا یا اس کا بیٹا کیوں کہتے ہو؟

اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ مثلیت مٹی سے پیدائش میں ہے تو یہ پہلو یا دلیل بے کار ہے کیونکہ مٹی سے پیدائش میں سب انسان برابر ہیں۔ اس میں آدم علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت کچھ نہیں۔

اور اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت عیسیٰ کا بھی باپ تھا (جیسے کہ منکرین معجزات کہتے ہیں) تو بھی مثلیت کا کوئی پہلو نہیں نکلتا کیونکہ ہر انسان کا باپ ہوتا ہے۔

اور اگر کوئی یہ کہے کہ عیسیٰ کے بھی ماں باپ دونوں تھے اور حضرت آدم کے بھی (جیسے ارتقائی حضرات کہتے ہیں) تو بھی مثلیث کا کوئی پہلو نہیں نکلتا لہٰذا یہ تاویل بھی غلط ہے کیونکہ اس پہلو سے سب انسان برابر ہوتے ہیں۔ آدم و عیسیٰ کی کوئی خاصیت باقی نہیں رہتی۔

اب لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مثلیت کا پہلو صرف یہ ہے کہ ان دونوں کا باپ نہ تھا اور اسی کی طرف خلقت کا لفظ اشارہ کر رہا ہے۔ اس ایک پہلو کو چھوڑ کر باقی پہلوؤں میں بہت اختلافات ہیں۔ مثلاً حضرت عیسیٰ کی ماں تھی۔ حضرت آدم کی نہ تھی۔ حضرت عیسیٰ کو کتاب دی گئی حضرت آدم کو کوئی کتاب نہیں دی گئی۔ حضرت عیسیٰ کو بہت سے معجزے عطا ہوئے۔ حضرت آدم کو کوئی معجزہ نہیں دیا گیا وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح کتاب وسنت یا قرآن اور اسوہ رسول میں جو چیز قدر مشترک ہے۔ وہ حلال وحرام کے احکام میں اطاعت ہے جیسا کہ حدیث میں بالتفصیل مذکور ہے اور اطاعت کے لحاظ سے کتاب اللہ اور اسوہ رسول میں کوئی فرق نہیں۔ رہی عدم مثلیت تو اس لحاظ سے پرویز صاحب نے تو عدم مثلیت کے صرف ایک پہلو کو بیان کیا ہے۔ جب کہ ہم نے "وحی جلی وخفی کا تقابل" میں ایسے کئی پہلو بیان کر دیئے ہیں جن سے کلام اللہ کی حدیث پر فوقیت ثابت ہوتی ہے لہٰذا اس حدیث کو عجمی سازش کا نتیجہ قرار دینے کے سلسلہ میں پرویز صاحب کی یہ دلیل بھی بے کار ہے۔

ملوکیت اور پیشوائیت کا شاخسانہ

پرویز صاحب "اسباب زوالِ امت" کے ص:۶۶ پر فرماتے ہیں:

"جب دین کے نظام کی جگہ ملوکیت نے لے لی تو اب سوال پیدا ہوا کہ خدا اور رسول کی اطاعت

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

کس طرح کی جائے؟ اس کے لئے پہلے تو یہ طے ہوا کہ دنیاوی معاملات میں اطاعت بادشاہ کی کی جائے اور مذہبی امور میں خدا اور رسولوں کی اطاعت لیکن یہاں پھر یہ الجھن پیدا ہوئی کہ خدا کی اطاعت تو خیر اس کی کتاب کی رو سے کر لی جائے لیکن رسول کی اطاعت کس طرح کی جائے؟ بعض حضرات کے دل میں عہد نبی اکرم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی تاریخ مرتب کرنے کا خیال پیدا ہوا تھا۔ اس کا مسالہ بھی ان روایات سے لیا گیا جو لوگوں کی زبانی مروج چلی آرہی تھیں۔ رسول کی اطاعت کے لئے سوچا یہ گیا کہ اس تاریخ میں جو روایات نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب ہیں انہیں حضور کے ارشادات سمجھ لیا جائے اور ان کے مطابق عمل کرنے کو رسول کی اطاعت کہا جائے۔ اس طرح حدیث کے مجموعے مرتب ہوئے۔" (اسباب زوال امت ۔ ص:٦٦)

اس چند سطور کے اقتباس میں جتنے مکذوبات واتہامات ہیں۔ ان کا جائزہ ہم آگے چل کر لے رہے ہیں۔ سردست صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ:

① جب ملوکیت قائم ہو گئی (اور یہ سن ۴۰ھ میں قائم ہوئی تھی کیونکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد کو خلافت راشدہ میں شمار نہیں کیا جاتا) تو لامحالہ اس کے مد مقابل پیشوائیت بھی آگئی ہوگی (دین کے دو ٹکڑے ہو گئے یعنی دین = ملوکیت + پیشوائیت جیسے کہ پانی = آکسیجن + ہائیڈروجن۔ (اسباب زوالِ امت ۔ ص:٥٦) اب فریقین کے درمیان پہلے یہ کب طے ہوا تھا' کس نے اور کیسے طے کیا تھا کہ "دنیاوی معاملات میں اطاعت بادشاہ کی کی جائے اور مذہبی امور میں خدا اور رسول کی اطاعت" کیا اس کے طے پانے کے متعلق کوئی تاریخی شہادت ہے؟ فریق اول تو خیر بادشاہ تھا لیکن فریقِ ثانی صحابہ کرام کی جماعت تھی جو نہ تو ایسا سمجھوتہ کر سکتی تھی اور نہ ہی یہ گوارا کر سکتی تھی کہ ایک ایسے بادشاہ کی اطاعت کریں جو خود خدا اور رسول کی اطاعت نہیں کرتا۔ یہ صحابہ پر اتہام ہے۔

② اگر اللہ کی اطاعت محض قرآن کریم سے ہی کرنا ممکن ہوتی تو یہ کیا معاملہ ہے کہ منکرین حدیث پچاس سال کی متواتر باہمی ملاقاتوں اور سر پھٹول کے بعد ایک نماز کی ادائیگی کی صورت میں نمازوں' ان کی تعداد' رکعات کی تعداد' نمازوں کے اوقات کے مسائل پر بھی متفق نہ ہو سکے؟ اسوہ رسول کے بغیر صرف قران کے ذریعہ اللہ کی اطاعت کا دعویٰ کوئی منکر رسالت ہی کر سکتا ہے لیکن اس دور میں ایسا ایک شخص بھی نہ تھا پھر یہ مسئلہ کیسے طے پایا کہ "اللہ کی اطاعت تو خیر قرآن سے کر لی جائے" پرویز صاحب کا کمال یہ ہے کہ اپنی ذہنی پراگندگی کو صحابہ کرام کی جماعت کے سر تھوپ رہے ہیں۔ جس کے لئے ان کے پاس کوئی کمزور سے کمزور بھی تاریخی دلیل موجود نہیں۔

③ آپ فرماتے ہیں کہ "رسول کی اطاعت کے لئے سوچا یہ گیا کہ اس تاریخ میں جو روایات نبی اکرم کی طرف منسوب ہیں ان کو رسول کے اقوال سمجھ کر ان کی اطاعت کو رسول کی اطاعت کہا جائے۔ اس طرح حدیث کے مجموعے مرتب ہوئے" اور یہ حدیث کے مجموعے طلوع اسلام کے بیانات کے مطابق

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

تیسری صدی ہجری میں مرتب ہوئے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ درمیان میں جو دو اڑھائی سو سال کا عرصہ ہے۔ ان دو اڑھائی صدیوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ بس یہی طے کرتے اور سوچتے رہتے تھے کہ خدا کی اور رسول کی اطاعت کرنے کا طریقہ کیا ہو سکتا ہے؟ کیا ان کی عملی زندگی بالکل بیکار ہو کر رہ گئی تھی؟ ﴿ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴾

ملوکیت اور پیشوائیت (مذہب) کی ایک کیمیائی مثال

پرویز صاحب اپنی کتاب "اسباب زوال امت" کے ص:۵۵ پر ارشاد فرماتے ہیں:

"ملوکیت سے مراد یہ ہے کہ دنیاوی امور کے لیے قانون کا سرچشمہ الگ تصور کر لیا جائے اور وہ ضابطہ جو صرف آخرت کے متعلق ہو اور دنیا کے ساتھ اس کا کچھ واسطہ نہ ہو مذہب کہلاتا ہے لہٰذا ملوکیت اور مذہب وحدت حیات ٹوٹنے کے بعد لازم وملزوم طور پر وجود میں آتے ہیں۔ جس طرح پانی کے قطرہ کا تجزیہ کیا جائے تو ہائیڈروجن اور آکسیجن جداگانہ اور ممیز تشخص کے ساتھ وجود میں آجاتی ہے"

پھر (صفحہ:۹۷) پر اس فارمولا کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ملوکیت اور مذہب دونوں دین ہی کے الگ الگ ٹکڑے ہیں لیکن یہ عجب ماجرا ہے کہ الگ ہو جانے سے ان دونوں میں دین کی کوئی بات بھی باقی نہیں رہتی۔ پانی کی مثال پر غور کیجیے۔ پانی کا فطری خاصہ ہے کہ وہ آگ بجھاتا ہے۔ لیکن جب ہائیڈروجن اور آکسیجن میں تبدیل ہو جائے تو اس میں برعکس خاصیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ہائیڈروجن خود جلتی ہے اور آکسیجن جلانے میں مدد دیتی ہے۔ اس طرح جب دین حکومت اور مذہب میں تبدیل ہو جاتا ہے تو ان کی خصوصیات دین کی خصوصیات کی ضد ہوتی ہیں"

اور (صفحہ:۱۲۱) پر تحریر فرمایا کہ:

"ان (مسلمانوں) کی کوشش یہ ہے کہ امور دنیا کے ساتھ کچھ اخلاقی اصول اور کچھ مسلمانوں کے سابقہ ادوار حکومت کے تعزیری قوانین (فقہی قوانین) اس طرح شامل کر لئے جائیں کہ ہماری حکومتیں، "اسلامی" بن جائیں چنانچہ ان کے سامنے "اسلامی حکومتوں" کا نقشہ ہارون الرشید اور مامون الرشید کا بھڑکیلا تمدن ہے لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اس قسم کی پیوند سازی سے یہ نظام کبھی دینی نظام نہیں بن سکتا۔ ہائیڈروجن اور آکسیجن کو ایک بوتل میں بند کر دینے سے پانی نہیں بن جایا کرتا۔ اس امتزاج کے لئے ایک کیمیاوی عمل کی ضرورت ہے۔ اس کیمیاوی عمل کے بغیر ایک ظاہری "اتحاد" تو پیدا ہو جاتا ہے۔ حقیقی ائتلاف کبھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کے ظاہری اور خارجی پیوند کا نتیجہ الٹا خسران ہوتا ہے"

اب دیکھئے مندرجہ بالا اقتباسات میں پرویز صاحب دین کو پانی پر صرف منطبق ہی نہیں فرما رہے بلکہ پانی

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

کو اصل بنیاد قرار دے کر دین پر گزرنے والے حوادث کو بھی اس کے مطابق قرار دے رہے ہیں اور پھر پیش بھی یوں فرما رہے ہیں جیسے یہ مثال کوئی "منزل من اللہ وحی" یا قرآنی آیت ہے۔ خیر ہم ان کی اس ذہنی کاوش کو بغرض تسلیم درست سمجھ لیتے ہیں۔ اب اس مثال سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

① ملوکیت آکسیجن ہی ہو سکتی ہے کیونکہ پانی کا فارمولا ہے (H_2O) یعنی آکسیجن ایک حصہ درکار ہے اور ہائیڈروجن دو حصے اور عوام چونکہ اکثریت میں ہوتے ہیں لہٰذا عوام ہائیڈروجن ہوتے ہیں اور ملوکیت میں بادشاہ تو ایک ہی ہوتا ہے۔ تاہم شاہی خاندان کو شامل کرنے سے کچھ نہ کچھ اقلیت بن ہی جاتی ہے لہٰذا یہ آکسیجن ہے۔

② "ہائیڈروجن کا خاصہ ہے کہ یہ جل اٹھتی ہے" اس کا صرف اتنا ہی خاصہ نہیں کہ جل اٹھتی ہے بلکہ جل کر اپنے وجود کو فنا کر دیتی ہے۔ اب اگر پانی سے ہائیڈروجن یا دین سے پیشوائیت الگ ہو کر اپنے وجود کو ہی فنا کر دے تو پھر ملوکیت کو خطرہ ہی کیا رہ جاتا ہے کہ وہ سمجھوتہ کی بات سوچے؟ اور سمجھوتہ کرے بھی تو کس سے کرے؟

③ اور اگر اس ہائیڈروجن کو اپنی یہ خاصیت نمایاں کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا اور وہ محفوظ پڑی رہتی ہے تو پھر اس پر کسی کو ویسے ہی کچھ اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی۔

④ ایک شکایت آپ کو یہ بھی ہے کہ ملوکیت اور مذہب آپس میں اتحاد تو کر لیتے ہیں لیکن ائتلاف نہیں ہوتا۔ یعنی ہائیڈروجن اور آکسیجن کو بوتل میں اکٹھا بند کرنے سے پانی نہیں بنتا اور ائتلاف کا فٹ نوٹ میں معنی یہ بتاتے ہیں کہ "ان کا ایک دوسرے میں ضم ہو جانا اس طرح کہ وہ ایک ہو جائیں اور اپنی انفرادیت بھی نہ کھوئیں بلکہ وہ ایک ہوتے ہی اپنی انفرادیت کو مستحکم کرنے کے لئے ہیں۔"

اب دیکھئے:

- جب ہائیڈروجن اور آکسیجن پانی بن جاتا ہے تو ان دونوں کی انفرادیت یکسر ختم ہو جاتی ہے اور یہ انفرادیت اس وقت تک فنا ہی رہتی ہے۔ جب تک پھر کسی کیمیائی عمل سے پانی کو پھاڑ نہ دیا جائے۔ یعنی اگر ائتلاف ہے تو انفرادیت نہیں اور انفرادیت ہے تو ائتلاف نہیں پھر یہ انفرادیت ائتلاف میں مستحکم کیسے ہوئی؟ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ پانی پر دین کو منطبق کرنے کی مثال حقیقتاً غلط ہے۔
- آپ فرماتے ہیں کہ ملوکیت اور مذہب میں ظاہری اتحاد ہو جاتا ہے اور اتحاد کا مادہ وحد اور مصدر وحدت ہے اور اسی وحدت کا آپ اس کتاب میں جابجا پرچار کر رہے ہیں تو آخر وجہ شکایت کیا ہے؟

کیا ملوکیت واقعی موردِ عتاب ہے؟

مندرجہ بالا اقتباسات سے آپ کو تو یہ معلوم ہو ہی گیا ہو گا کہ پرویز صاحب کے نزدیک اصل قابل نفرین چیز ملوکیت ہے۔ ملوکیت پہلے پیدا ہوئی پھر دین کا بقایا حصہ مذہب رہ گیا اور ملوکیت کی تعریف آپ کے نزدیک یہ ہے:

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

"قرآن کی رو سے ملوکیت صرف یہی نہیں کہ باپ کے بعد بیٹا وارث تخت و تاج ہو جاتا ہے بلکہ ملوکیت ہر اس نظام کا نام ہے جس میں دنیاوی امور کے لئے قانون کا سرچشمہ قرآن سے الگ ہو خواہ اس کی شکل بادشاہت کی ہو یا جمہوریت کی۔ یہ الگ بات ہے کہ دین کے نظام میں وراثت اقتدار کا تصور یکسر باطل ہوتا ہے کیونکہ جب کسی انسان کا اقتدار ہو ہی نہیں سکتا تو وراثت کیسی؟" (اسباب زوالِ امت۔ ص:۵۴۔ کافٹ نوٹ)

کچھ سمجھے آپ کہ اس چھوٹے سے اقتباس میں پرویز صاحب کیا کچھ کہہ گئے اور کیا چکمہ دے گئے؟ بات یہ ہے کہ اقتدار کی دو قسمیں ہیں ایک اقتدار سیاسی نوعیت کا ہوتا ہے۔ دوسرا قانونی۔ قانونی اقتدار صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور سیاسی اقتدار بندوں کے لئے جیسا کہ داؤد علیہ السلام کے بعد ان کے بیٹے سلیمان علیہ السلام جانشین ہوئے۔

پھر پرویز صاحب کے اس تبصرہ سے کہ:

"قرآن کی رو سے ملوکیت صرف یہی نہیں کہ باپ کے بعد بیٹا وارث ہوتا ہے (بلکہ) ملوکیت ہر اس نظام کا نام ہے...."

سے صاف واضح ہو رہا ہے کہ قرآن کی رو سے باپ کے بعد بیٹے کا وارث ہونا ناجائز ہے۔ اس کی مزید وضاحت اقتباس کا آخری جملہ بھی کر رہا ہے۔ کہ "جب کسی انسان کا اقتدار ہو ہی نہیں سکتا تو وراثت کیسی؟ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُودَ﴾ (النحل ۲۷/ ۱۶) "اور سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے۔"

اور یہ وراثت تخت و تاج ہی کی تھی کیونکہ داؤد علیہ السلام جہاں خلیفہ فی الارض تھے وہاں بادشاہ بھی تھے۔

ارشاد باری ہے:

﴿وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (البقرۃ ۲/ ۲۵۱) اور داؤد نے جالوت کو مار ڈالا اور اللہ نے داؤد علیہ السلام کو سلطنت بھی دی اور حکمت بھی۔

ان آیات سے یہ ثابت ہوا کہ:

① ملوکیت اگر قانونِ الٰہی کے مطابق ہو تو پسندیدہ چیز ہے مبغوض نہیں۔

② باپ کے بعد بیٹا وارث بن سکتا ہے۔

③ ملوکیت قانون الٰہی کے تابع بھی ہو سکتی ہے لہٰذا پرویز صاحب کا یہ نظریہ کہ ملوکیت کا تعلق صرف دنیوی امور سے متعلق ہوتا ہے۔ غلط ہے۔

④ اللہ کے تین جلیل القدر پیغمبر بادشاہ بھی تھے اور ان کا اخروی امور سے تعلق بھی تھا اور ایمان بھی بلکہ وہ تو اپنی امت کو اخروی امور کی تبلیغ بھی کیا کرتے تھے اور یہی مکمل دین ہوتا ہے لہٰذا یہ پرویزی نظریہ غلط ہے کہ دین جب پھٹ جائے تو ملوکیت و مذہب ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ جب کہ قرآن کی رو

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

سے ملوکیت اور دین اکٹھے ہو سکتے ہیں۔

⑤ پھر صرف یہی نہیں کہ چونکہ ملوکیت اور دین کا ایک جگہ جمع ہونا ممکن ہے لہٰذا ملوکیت جائز ہے بلکہ ملوکیت کو اللہ نے اپنی ایک عظیم نعمت بتایا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿فَقَدْ ءَاتَيْنَآ ءَالَ إِبْرَٰهِيمَ ٱلْكِتَٰبَ وَٱلْحِكْمَةَ وَءَاتَيْنَٰهُم مُّلْكًا عَظِيمًا ﴿٥٤﴾﴾ (النساء٤/ ٥٤) "سو ہم نے خاندان ابراہیم کو کتاب بھی دی حکمت بھی اور عظیم سلطنت بھی۔"

تو جس طرح کتاب و حکمت اللہ کے بڑے بڑے احسان اور عظیم نعمتیں ہیں اسی طرح ملوکیت بھی عظیم نعمت ہے جو خاندان ابراہیم کو دی گئی تھی۔ علاوہ ازیں اس آیت میں ضمیر ہم سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے بادشاہ بہرحال تین یا تین سے زیادہ ہی تھے۔

ملوکیت سے بیر کی اصل وجہ

بات دراصل یہ ہے کہ آپ چشم بد دور قرآنی نظام ربوبیت (اپنی ظاہری شکل میں کمیونزم) کے موجد ہیں لہٰذا آپ کے لئے ملوکیت کی مخالفت لابدی تھی' دوسری طرف آپ اتباع اسوہ رسول کے بھی منکر ہیں لہٰذا جو لوگ اتباع رسول کو دین کا حصہ قرار دیتے ہیں۔ انہیں آپ نے پیشوائیت' مذہب' ملا اور نہ جانے کیا کیا نام دے رکھے ہیں۔

خلفائے بنو امیہ وبنو عباس کے مناقب ومثالب: اب خلفائے بنو امیہ اور بنو عباس کی طرف آیئے۔ کیا یہ دیندار نہ تھے؟ اسلام کے عقائد میں اللہ پر ایمان' فرشتوں پر ایمان' کتاب پر ایمان' رسولوں پر ایمان اور آخرت پر ایمان لازمی ہیں۔ ان میں سے کونسی بات وہ تسلیم نہ کرتے تھے؟ پھر انہیں کس قاعدہ کی رو سے دین کے زمرہ سے خارج کیا جا سکتا ہے؟ پھر قرآن نے دیندار حکمرانوں کے جو اوصاف بتائے وہ یہ ہیں۔ "وہ نماز قائم کرتے ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں۔ بری باتوں سے روکتے ہیں۔ عدل قائم کرتے ہیں" اب بتایئے ان حکمرانوں میں کونسی کمی تھی۔ کیا عدالتوں میں شرعی قوانین نافذ نہ تھے؟ کیا یہی پیشوائیت سے تعلق رکھنے والے علماء ان کی عدالتوں میں قاضی نہ تھے؟ کیا نظام صلوٰۃ و زکوٰۃ قائم نہ تھا؟ وہ خود دیندار ہی نہیں بلکہ محافظِ دین بھی تھے۔ وہ تمام زنادقہ' ملحدین اور وضاعین کو سزا دیتے اور قتل بھی کرتے رہے پھر آخر قرآن کے کس حکم سے انہیں دین سے خارج قرار دیا جا سکتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ ملوکیت کا تعلق صرف دنیوی امور سے ہوتا ہے؟

ان تمام اوصاف کے باوجود ان میں دو خامیاں بھی تھیں۔ پہلی یہ کہ وہ جانشین منتخب کرنے میں اہل اور نا اہل کا لحاظ نہیں رکھتے تھے۔ یہ بات یاد رکھیے کہ قرآن کی رو سے باپ کے بعد بیٹے کا جانشین ہونا کوئی جرم نہیں۔ نہ ہی نامزد کرنا اور جانشین بنانا جرم ہے۔ جرم اگر ہے تو یہ کہ کسی نا اہل کو جانشین بنا دیا جائے خواہ وہ بیٹا ہو یا کوئی اور اور دوسری خامی یہ تھی کہ باوجود اس بات کے کہ انہوں نے نظام زکوٰۃ قائم کیا ہوا

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

تھا۔ وہ بیت المال میں جو کہ قوم کی امانت ہوتا ہے۔ ذاتی تصرف بھی کر لیا کرتے تھے۔ انہیں دو وجوہ کی بناء پر ان کے دور کو دورِ ملوکیت کہا جاتا ہے۔ (اگرچہ وہ خود خلیفہ ہی کہلواتے تھے) اور انہی خامیوں پر علمائے امت انہیں ٹوکتے بھی رہے اور مخالفت بھی کرتے رہے۔ لیکن ان خامیوں کے باوجود انہیں نہ کسی نے دین سے خارج سمجھا نہ یہ سمجھا کہ وہ آخرت' حشر' حساب کتاب سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔ جہاں تک [1] اجتماعی امور دینی کا تعلق تھا۔ وہ ان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔ مثلاً تبلیغ واشاعت دین' جہاد عدالتوں میں شرعی قوانین کا نفاذ' ملحدین ووضاعین کا قلع قمع' نظامِ زکوٰۃ' صلوٰۃ کا قیام وغیرہ وغیرہ لہٰذا تمام امت حتیٰ کہ صحابہ کرام اور تابعین کبار بھی ان کی ذاتی لغزشوں کے باوجود ان کی اطاعت کرتے رہے اور ملی وحدت کو پارہ پارہ نہ ہونے دیا۔

مذہب پر پرویز صاحب کی برہمی: جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ پرویز صاحب کے نزدیک ملوکیت اور پیشوائیت لازم ملزوم ہیں۔ یعنی جب ملوکیت معرض وجود میں آئی (یعنی ۴۰ھ) تو لا محالہ مذہب بھی سامنے آجانا چاہئے اور یہ مذہب سامنے آتا ہے دو سو سال بعد جب احادیث کی کتب مرتب ہوئیں۔ اس تضاد کو تو سر دست جانے دیجیے۔ اب یہ دیکھئے کہ آپ کے نزدیک مذہب کی تعریف یہ ہے کہ اس کا تعلق صرف آخرت سے ہوتا ہے آپ کے اپنے الفاظ ہیں: "وہ ضابطہ جس کا تعلق صرف آخرت سے ہو مذہب [2] کہلاتا ہے" (اسباب زوال امت۔ ص:۵۵)

---

[1] اس مسئلہ میں فقہائے امت نے ﴿ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ﴾ کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کیا ہے کہ:

1 کسی ظالم یا فاسق کو امام بنانا جائز نہیں۔

2 اگر کوئی ظالم یا فاسق خود اقتدار پر قابض ہو جائے تو اس کی اطاعت اس وقت تک لازم ہوگی۔ جب تک وہ کتاب وسنت کے خلاف حکم نہ دے اور اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ کسی ظالم یا فاسق کو نماز جماعت کا امام بنانا درست نہیں۔ لیکن اگر اتفاق سے کوئی ظالم وفاسق نماز پڑھا رہا ہو تو اس کی اِقتداء میں نماز ہو جاتی ہے۔

3 اگر ظالم وفاسق حاکم خود مسلط ہو گیا ہو لیکن وہ اپنے عمال نیک اور متقی مقرر کرتا رہے تو اس کی اطاعت لازم ہے تاہم اس کے ذاتی اعمال پر تنقید ومواخذہ امت کا فرض ہے۔

4 اگر وہ خود بھی ظالم وفاسق ہے اور عمال بھی ظالم وفاسق مقرر کرتا ہے جو حدود اللہ کو توڑیں تو پھر امت پر خروج اور جہاد لازم ہے۔

[2] دین اور مذہب کے اور بھی بہت سے معانی پرویز صاحب نے بتائے ہیں تفصیل کے لئے حصہ ششم کا باب "فکرِ پرویز پر عجمی فلاسفہ کی اثر اندازی" ملاحظہ فرمائیے۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

اب صحاح ستہ یا دوسری احادیث کی کتب اٹھا کر دیکھئے کہ کیا ان میں صرف آخرت کا ہی ذکر ہے یا دنیوی امور جیسے جہاد، بیع و شریٰ، زکوٰۃ وخیرات قرضے، نکاح وطلاق، وصایا وغیرہ، ایسے معاملات بھی مذکور ہیں؟ اور اگر مذکور ہیں تو پھر اس حدیثی اسلام یا مذہب کا تعلق صرف آخرت سے کیسے ہوا؟

پھر آپ کو یہ بھی اعتراض ہے کہ اسلام دین ہے۔ مذہب نہیں۔ مذہب کا لفظ بھی غیر قرآنی ہے۔ [1] اب اس بات کو ہم خود فریبی یا فریب دہی کے علاوہ اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ مذہب دراصل فقہی مسائل کو کہتے ہیں جو فقہاء نے کتاب وسنت کو مدنظر رکھ کر اخذ کیے ہیں۔ مثلاً حنفی مذہب ہے۔ جب کہ بنیادی طور پر ان کا دین (کتاب وسنت) اسلام ہی ہے اسی طرح حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی یہ چار مذہب ہیں۔ مذاہب اربعہ مشہور لفظ ہے پھر مذہب کا لفظ قرآن میں آکیسے سکتا ہے؟ [2] جب کہ یہ مذاہب ہی تنزیل قرآن کے تقریباً دو سو سال بعد معرضِ وجود میں آئے تھے۔ ان چاروں مذاہب میں سے کسی نہ کسی پر نہ ایمان لانا ضروری ہے۔ نہ یہ کسی کے ایمان کا جزو ہے اور نہ ہی یہ مذہب دین کا کوئی حصہ یا ٹکڑا ہے جیسا کہ پرویز صاحب کہتے ہیں کہ دین کٹ کر دو حصوں ملوکیت اور مذہب میں تبدیل ہو گیا۔

مذہب نہ دین کا ٹکڑا ہے نہ اس کے مدمقابل ہے بلکہ یہ اس کی ذیلی تقسیم میں شمار ہو سکتا ہے۔ وہ بھی اس صورت میں کہ اگر کوئی شخص چاہے تو کوئی مذہب اختیار کر لے چاہے تو نہ کرے اس سے اس کے دین اسلام میں فرق نہیں آتا کیونکہ ان فقہی مذاہب سے پہلے کے لوگ تو بہرحال کسی فقہ کو جانتے تک نہ تھے۔

پرویز صاحب نے دراصل کسی لفظ کے غلط مفہوم میں مشہور ہونے یا عوام کی جہالت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مذہب کو دین کے مقابل لا کر پیش کر دیا ہے۔ جیسے کہ وہ ظن کے لفظ سے بھی اکثر ایسا ہی فائدہ اٹھایا کرتے ہیں۔

پہلے آپ نے اس "مذہب" میں احادیث کو شامل کیا حالانکہ یہ مذہب نہیں یہ دین کا جز اور ایک لابدی ماخذ ہیں اور مذہب کتاب وسنت دونوں کو سامنے رکھ کر مرتب کیے گئے تھے پھر آپ نے اس مذہب میں وضعی روایات تقلید اور تصوف اور نہ جانے کیا کیا کچھ لا گھسیڑا ہے۔ وضعی روایات کو سب مردود سمجھتے ہیں۔ تقلید شخصی بھی چونکہ کسی امام کو رسول کا مقام دینے کے مترادف ہے لہٰذا ناجائز ہے اور تصوف ویسے ہی اختراع اور بدعت ہے پھر ایسے غلط عقائد واختراعات کی بنیاد پر اگر مسلمانوں میں کچھ غلط نظریات فروغ پا گئے ہیں تو اس کے جواب وہ فقہی مذاہب کیسے ہو گئے؟ یا اسوہ رسول کا اس میں کیا قصور ہے؟

---

[1] مذہب کا لفظ تو بلاشبہ غیر قرآنی ہے مگر مرکزِ ملت اور نظامِ ربوبیت کہاں قرآنی الفاظ ہیں جن کے گرد پورے کا پورا پرویزی دین گھومتا ہے

[2] لفظ مذہب کو آج کی زبان میں مکتب یا مکتبِ فکر (School of Thought) بھی کہہ دیتے ہیں۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

ملوکیت اور پیشوائیت کا سمجھوتہ

"مذہب اور سیاست" کے عنوان کے تحت پرویز صاحب فرماتے ہیں:

"دین میں ملوکیت اور مذہب کا الگ الگ تشخص باقی نہیں رہتا لہٰذا ملوکیت اپنے قیام کے لئے ضروری سمجھتی ہے کہ مذہب اپنی جگہ پر قائم رہے اور مذہب اپنے قیام کے لئے ملوکیت کا نظام ضروری سمجھتا ہے۔ اس طرح ان دونوں میں (بظاہر تضاد کے باوجود) سمجھوتہ ہو جاتا ہے۔ محراب و منبر سے بادشاہ کو ظل اللہ قرار دے کر اَیَّدَہُ اللہ بنصرہٖ کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ اور تخت و تاج مساجد ومکاتب کے لئے جاگیریں وقف کر کے مذہبی سیادت کی حفاظت کرتا ہے۔ مذہب اس کے معاوضہ میں ملوکیت کے استحکام وبقاء کے لئے لوگوں کے دلوں میں یہ فریب پختہ طور پر جاگزیں کرتا رہتا ہے کہ دنیا قابل نفرت چیز ہے۔ سیاست و حکومت کے دھندے دنیا داروں کے لئے ہیں۔ خدا کے نیک بندوں کو دنیاوی امور سے الگ رہنا چاہیئے۔ ان کا مقصود و منتہی آخرت کی نجات ہے۔ جو شخص اس دنیا میں جتنا ذلیل ہوگا۔ اتنا ہی خدا کے ہاں مقرب و مقبول ہوگا۔ وقس علیٰ ہذا۔" (اسباب زوال امت۔ ص:۵۷)

دیکھئے اب پھر یہاں وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ ملوکیت تو ۴۰ھ میں سامنے آگئی اور مذہب تقریباً دو سو سال بعد سامنے آتا ہے۔ اس دو سو سال کے درمیان کے عرصہ میں ملوکیت کو کس نے تھامے رکھا تھا؟ اور سمجھوتہ تو خیر ہے ہی ناممکن جب فریق مقابل ابھی پیدا ہی نہ ہو (خواہ یہ فقہی مذہب ہو یا حدیثی) تو سمجھوتہ کس سے ہو سکتا ہے؟

پرویز صاحب کو ان کی ملوکیت اور مذہب دشمنی نے کچھ ایسا بدحواس کر دیا ہے کہ انہیں اچھی باتیں بھی غلط نظر آنے لگی ہیں۔ اگر خلفائے بنو امیہ یا بنو عباس اپنے آپ کو محافظ دین سمجھ کر مساجد و مکاتب کی سرپرستی کرتے تھے تو کیا رسول اللہ ﷺ اہلِ صفہ اور مسجد نبوی کی سرپرستی نہیں فرماتے تھے؟ اور یہی تبلیغ دین کا ایک موثر شعبہ ہے پھر اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟ اور اگر اسے وہ اس بات پر محمول فرمائیں کہ یہ سب کچھ علماء کی زبان بندی کے لئے تھا تاکہ جو کچھ ان کے جی میں آئے کریں اور علمائے دین ان پر کسی طرح کا مواخذہ نہ کر سکیں تو یہ بات تاریخی لحاظ سے غلط ہے پھر جہاں تک ذاتی مفادات کا تعلق ہے۔ ائمہ دین شاہی درباروں کی کاسہ لیسی تو درکنار ان کے ہدایا قبول کرنے سے بھی انکار کر دیتے تھے۔

رہی یہ بات کہ علمائے دین بادشاہ وقت کو ظل اللہ اور ایدہ اللہ بنصرہ کہا کرتے تھے تو کیا اس بات میں شک ہے کہ دین کے قیام کے لئے غلبہ واقتدار کی ضرورت ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی مکی زندگی میں سورہ بنی اسرائیل اتری جس میں آپ کو درج ذیل دعا اللہ تعالیٰ نے سکھائی:

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

﴿ وَاجْعَل لِّي مِن لَّدُنكَ سُلْطَانًا نَّصِيرًا ﴿٨٠﴾ ﴾ "اور اپنے پاس سے زور و قوت کو میرا مددگار بنا۔"

(الإسراء ۱۷/ ۸۰)

پھر اگر یہ علماء دین کے غلبہ اور اس نظام کے قیام کی خاطر اور اس پہلو میں بادشاہان وقت کا ساتھ دیتے اور انہیں محافظ دین سمجھ کر کوئی دعائیہ کلمہ کہتے تھے تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے۔ بایں ہمہ آئمہ دین نے ان کی خامیوں پر برملا احتجاج کیا اور اپنی جانوں کی بازی لگا کر بھی حق کی حمایت کی۔ ویسے تو اس قسم کے سینکڑوں واقعات تاریخ اسلام کے صفحات میں بکھرے پڑے ہیں۔ مگر ہم مختصراً صرف ان چند واقعات کا ذکر کریں گے جو پرویز صاحب کے خیال کے مطابق "تخلیق مذہب" کے دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ نیز ان واقعات کا تعلق بھی یا آئمہ فقہاء سے ہے یا محدثین سے جو کہ "مذہب" کی پیدائش کے مجرم گردانے گئے ہیں۔

علمائے دین کی حق گوئی و بے باکی اور بے نیازی

(1) سعید بن مسیب اور اموی خلفاء: آپ کا شمار مدینہ کے سات مشہور فقہاء میں ہوتا ہے بلکہ آپ کو فقیہہ الفقہاء کہا جاتا ہے۔ نیز آپ بلند پایہ محدث بھی تھے۔ جب عبدالملک بن مروان خلیفہ ہوا تو آپ نے اس کی بیعت کرنے کی اس بنا پر مخالفت کی کہ بلا امتیاز اہلیت جانشینی کی داغ بیل پختہ کی جا رہی ہے۔ اس جرم کی پاداش میں آپ کو عبدالملک نے قید کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد جب اس کو بغاوت کا خطرہ نہ رہا تب آپ کو رہا کیا۔

آپ کو اس بات پر بھی اعتراض تھا کہ یہ امراء بیت المال میں ذاتی تصرف کرنے لگے ہیں۔ آپ کو خلافت راشدہ کے دور سے بیت المال سے وظیفہ ملتا تھا۔ جب آپ نے یہ صورت حال دیکھی تو آپ نے وظیفہ لینا بند کر دیا۔ چنانچہ آپ کی تیس ہزار کی رقم بیت المال میں جمع ہو گئی تھی۔ کئی بار انہیں وصولی کے لئے بلایا گیا۔ لیکن آپ نے ہر مرتبہ انکار سے کام لیا۔ (انسائیکلو پیڈیا۔ فیروز سنز۔ ص:۸۱۸)

(2) سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اور ہشام بن عبدالملک: ایک دفعہ حج کے موقعہ پر ہشام بن عبدالملک کعبہ اللہ گیا تو وہاں حضرت سالم کو بھی دیکھا۔ ان کے قریب آکر کہنے لگا: "حضرت مجھے کوئی خدمت کا موقع دیا جائے؟"

آپ نے فرمایا: "اللہ کے گھر میں کسی اور سے مانگنا شرم کی بات ہے۔"

پھر جب آپ کعبہ سے باہر نکلے تو خلیفہ حاضر ہو کر کہنے لگے: "حضرت اب تو کعبہ سے باہر ہیں، کچھ طلب فرمائیں۔"

آپ نے پوچھا: "تم کیا دے سکتے ہو، دنیا یا دین؟"

خلیفہ کہنے لگا: "دنیا ہی سے دے سکتا ہوں۔"

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

آپ نے فرمایا: "دنیا تو میں نے اپنے مالک حقیقی سے بھی کبھی نہیں مانگی' آپ سے کیسے مانگوں؟"
اس جواب پر ہشام لاجواب ہو کر چلا گیا (حکایات عزیمت ۔ ص:۱۶)

(3) امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور عراق کا گورنر : ۱۳۰ھ میں بنو امیہ کے عہد کے عراقی گورنر یزید بن عمر بن ہبیرہ نے امام صاحب کو بلا کر کہا: "میں آپ کے ہاتھ میں اپنی مہر دیتا ہوں' کوئی حکم نافذ نہ ہوگا جب تک آپ اس پر مہر نہ کریں اور نہ ہی آپ کی مہر کے بغیر بیت المال سے کوئی مال نکلے گا۔"

امام صاحب نے اس عہدہ سے انکار کر دیا تو گورنر نے آپکو قید کر دیا اور کوڑے مارنے کی دھمکی بھی دی' مگر آپ اپنی بات پر اڑے رہے۔

دوسرے سرکاری علماء نے آپ کو سمجھایا کہ: "اپنے اوپر رحم کرو' ہم بھی اپنے اس عہدے پر ناخوش ہیں مگر مجبوراً قبول کیا ہے تم بھی مان لو"

آپ نے فرمایا: "اگر گورنر مجھ سے صرف یہ خدمت چاہے کہ اس کے لئے واسط کی مسجد کے دروازے گنوں تو بھی قبول نہ کروں گا' چہ جائیکہ وہ کسی آدمی کے قتل کا حکم لکھے اور میں مہر لگاؤں' خدا کی قسم! میں اس ذمہ داری میں شریک نہ ہوں گا۔"

پھر ہبیرہ نے آپ کے سامنے کئی عہدے پیش کیے مگر آپ مسلسل انکار کرتے رہے ۔ بالآخر گورنر نے آپ کو کوفہ کا قاضی بنانے کا فیصلہ کیا اور قسم کھائی کہ اگر امام انکار کریں تو انہیں کوڑوں سے پیٹا جائے گا' اس کے جواب میں امام صاحب نے بھی قسم کھائی کہ: "اس دنیا میں کوڑے کھالینا میرے لئے آخرت کی سزا بھگتنے سے زیادہ سہل ہے' میں یہ عہدہ قبول نہیں کر سکتا۔"

آخر گورنر نے روزانہ دس کوڑے لگانے کا حکم دے دیا۔ دس روز تک آپ دس دس کوڑے کھاتے رہے۔ تب کسی نے گورنر کو اطلاع دی کہ یہ شخص مرجائے گا مگر آپ کی بات نہیں مانے گا۔

گورنر نے کہا: "کوئی ایسا ناصح نہیں جو اسے سمجھائے اور یہ شخص مجھ سے مہلت ہی مانگ لے؟"

امام صاحب کو یہ بات پہنچائی گئی تو آپ نے مشورہ کے لئے مہلت طلب کرلی اور رہا ہوتے ہی کوفہ کو چھوڑ کر مکہ چلے آئے اور بنو امیہ کی سلطنت ختم ہونے تک واپس نہ ہوئے۔ (ایضاً ۔ ص:۲۵ حکومت اور علمائے ربانی ۔ ص:۲۵)

دیکھ لیجیے ملوکیت اور پیشوائیت میں سمجھوتہ کی باتیں کیسے طے پا رہی ہیں:

(4) خلیفہ منصور کی خلافت کی توثیق امام ابو حنیفہ اور ابن ابی ذئب : خلیفہ منصور نے اپنی خلافت کی توثیق کے لئے چند ممتاز علماء کو دربار میں بلایا۔ ان میں امام ابو حنیفہ اور ابن ابی ذئب بھی تھے اور سوال یہ کیا کہ:

"یہ حکومت جو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس امت میں عطا کی ہے اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے' کیا

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

میں اس کا اہل ہوں؟"

منصور پہلے ابن ابی ذئب کی طرف متوجہ ہوا تو انہوں نے جواب دیا:

"دنیا کی بادشاہی اللہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے' مگر آخرت کی بادشاہی اس کو دیتا ہے جو اس کا طالب ہو اور اللہ اسے اس کی توفیق دے' اللہ کی اطاعت سے توفیق نصیب ہوگی اور نافرمانی کی صورت میں دور رہے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ خلافت اہل تقویٰ کے اجماع سے قائم ہوتی ہے اور جو شخص خود اس پر قبضہ کر لے اس میں کوئی تقویٰ نہیں' آپ اور آپ کے مددگار توفیق اور حق سے منحرف ہیں' اب اللہ سے سلامتی مانگیں اور پاکیزہ اعمال سے اس کا تقرب حاصل کریں"

امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ:

"جس وقت ابن ابی ذئب یہ باتیں کہہ رہے تھے تو میں نے اپنے کپڑے سمیٹ لئے خیال یہ تھا کہ ابھی اس کی گردن اڑا دی جائے گی اور خون کے چھینٹے ہم پر پڑیں گے۔"

اس کے بعد خلیفہ امام صاحب کی طرف متوجہ ہوا تو آپ نے فرمایا:

"آپ کو خود معلوم ہے کہ آپ نے ہمیں اللہ کی خاطر نہیں بلایا بلکہ اس لئے کہ ہم آپ کے ڈر سے آپ کی منشاء کے مطابق بات کہیں اور وہ عوام کے علم میں آجائے' جب کہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی خلافت پر اہل تقویٰ میں سے دو آدمیوں کا بھی اجماع نہیں ہوا حالانکہ خلافت مسلمانوں کے اجماع اور مشورے سے ہوتی ہے۔"

دربار برخاست ہوا تو منصور نے اپنے وزیر ربیع کو درہموں کے دو توڑے دے کر بھیجا اور ہدایت کی کہ:

"اگر ابن ابی ذئب اور ابو حنیفہ رحمہما اللہ یہ توڑے قبول کر لیں تو ان کا سر اتار لانا"

جب ربیع ابن ابی ذئب رحمہ اللہ کے پاس پہنچا اور تحفہ پیش کیا تو آپ نے کہا:

"میں یہ مال منصور کے لئے بھی حلال نہیں سمجھتا' اپنے لئے کیسے حلال سمجھوں؟"

اور ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کہا:

"خواہ میری گردن اڑا دی جائے میں اس مال کو قبول نہ کروں گا۔"

منصور نے یہ روئیداد سن کر کہا کہ:

"ان کی بے نیازی نے ان دونوں کا خون بچا لیا۔" (ایضاً۔ ص:۳۶۔ نیز مناقب امام اعظم۔ ج:۲۔ ص:۱۵۔۱۶)

کسی کو رام کرنے کے لئے حکومتوں کے یہی دو ہتھکنڈے ہوتے ہیں' دھونس اور لالچ۔ یہی طریقے منصور نے بھی استعمال کیے۔ لیکن آئمہ دین نہ سنہری پنجرے میں بند ہوئے نہ ہی اپنی موت سے ڈرے۔ انہوں نے اپنی جان کی بازی لگا کر بھی دین کی کسی ادنیٰ سی شق پر بھی آنچ نہ آنے دی۔ کیا پیشوائیت اور ملوکیت میں سمجھوتے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں؟

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

(5) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بے نیازی : ایک دفعہ یہی خلیفہ منصور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہنے لگے کہ تم میرے ہدایا کیوں قبول نہیں کرتے؟"

تو آپ نے جواب دیا: "امیرالمومنین نے اپنے مال میں سے مجھے کب دیا تھا جسے میں نے قبول نہ کیا؟ اپنے مال سے دیتے تو میں ضرور قبول کرتا' آپ نے مسلمانوں کے بیت المال سے مجھے دیا جس میں میرا کوئی حق نہیں کیونکہ میں نہ تو سپاہی ہوں' نہ فقیر ہوں' اور نہ ہی بچہ ہوں کہ بچوں کا حصہ مجھے ملے؟" (ایضاً۔ ص:۲۶)

سوچئے۔ بیت المال پر خلفاء کے ذاتی تصرف پر اس سے زیادہ کڑی تنقید کی جا سکتی ہے؟ پھر یہ تنقید بھی آئمہ کرام اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر ہی کر سکتے تھے۔

ایک دفعہ کوفہ کے گورنر نے نہایت نیازمندی سے آپ سے عرض کیا: "آپ کبھی ہمارے ہاں تشریف لاتے ہی نہیں؟"

آپ نے فرمایا: "تم سے مل کر کیا کروں گا؟ جو مال ودولت تمہارے پاس ہے' اس کی مجھے حاجت نہیں اور جو دولت میرے پاس ہے اس کا کوئی دوسرا مالک بن نہیں سکتا۔ (ایضاً۔ ص:۲۹)

(6) خلیفہ منصور اور عہدہ قاضی القضاۃ کی پیشکش : پہلے عراقی گورنر نے تو امام موصوف کو کوفہ کی عدالت کا قاضی بنانا چاہا تھا۔ اب خلیفہ خود امام صاحب کو قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کرتے ہیں' جس کے جواب میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

"قضا کے لئے وہی شخص موزوں ہو سکتا ہے جو اتنی جان رکھتا ہو جو آپ پر آپ کے شہزادوں پر اور آپ کے سپہ سالاروں پر قانون کو نافذ کر سکے اور مجھ میں یہ جان نہیں جب آپ مجھے بلاتے ہیں تو آپ سے رخصت ہو کر ہی میری جان میں جان آتی ہے"

آپ واپس آگئے لیکن خلیفہ یہ تقاضا کرتا ہی رہا۔ ایک بار اپ کے انکار پر آپ کو تیس کوڑے بھی لگوائے جس سے آپ کا بدن لہو لہان ہو گیا۔ خلیفہ منصور کے چچا عبدالصمد نے منصور کو اس بات پر سخت ملامت کی کہ تم نے اپنے اوپر ایک لاکھ تلواریں کھنچوا لیں' یہ عراق کا فقیہ ہے بلکہ تمام اہل مشرق کا فقیہ ہے۔

منصور نے نادم ہو کر فی تازیانہ ایک ہزار درہم یعنی کل تیس ہزار درہم امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے گھر بھجوائے لیکن آپ نے لینے سے انکار کر دیا تو خلیفہ نے پیغام بھیجا: "اگر خود نہیں لیتے تو اسے لے کر خیرات کر دیجیے"

اس کے جواب میں امام صاحب نے فرمایا: "کیا ان کے پاس کوئی حلال مال بھی ہے؟"

اور یہ کہہ کر ساری رقم واپس بھجوا دی۔ (ایضاً۔ ص:۳۱)

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

(7) خالد بن عبدالرحمان کی خلیفہ منصور پر تنقید: ایک دفعہ خالد بن عبدالرحمان بغداد آئے تو خلیفہ منصور نے بلا کر پوچھا کہ: "آپ بنو امیہ کے درباروں میں بھی جایا کرتے تھے' بتایئے کہ ان کی حکومت اور ہماری حکومت میں کچھ فرق ہے؟ نیز سفر کے دوران آپ نے ہمارے صوبوں کی کیا حالت دیکھی؟"

آپ نے جواب دیا: "میں نے تمہارے عامل دیکھے ہیں جن کے مظالم کی کوئی انتہا نہیں' بنو امیہ کی سلطنت میں کوئی ظلم ایسا نہ تھا جسے میں نے تمہارے عہد حکومت میں نہ دیکھا ہو۔"

خلیفہ اس جواب پر کھسیانا ہو کر کہنے لگا: "ہمیں اچھے عمال ملتے نہیں ہم کیا کریں؟"

حضرت خالد نے کہا: "حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ حاکم ایک بازار ہے جس میں وہی مال آتا ہے جو اس میں چلتا ہے' اگر وہ نیک ہوتا ہے تو مقربین اس کے پاس نیک لوگوں کو لاتے ہیں اور اگر بدکار ہو تو اس کی خدمت میں بدکرداروں کو ہی پیش کیا جاتا ہے۔" (ایضاً۔ ص:۳۲)

(8) امام مالک رحمہ اللہ اور خلیفہ منصور: خلیفہ منصور کو کسی طرح یہ معلوم ہوا کہ علماء اس کی حکومت کے خلاف ہیں' چنانچہ اس نے علماء کو دربار میں بلا بھیجا اور امام مالک رحمہ اللہ معاملے کو تاڑ گئے' غسل کیا کفن کے کپڑے سیئے اور حنوط (جو مردہ کو لگایا جاتا ہے) لگا کر دربار میں آ گئے:

منصور علماء کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا: "آپ لوگوں نے میری بیعت کی تھی' آپ کا فرض تھا کہ میری اطاعت کرتے' اگر مجھ میں کوئی نقص تھا تو مجھے سمجھاتے اور نصیحت کرتے لیکن یہ معلوم کر کے مجھے افسوس ہوا ہے کہ آپ مجھے برا بھلا کہتے ہیں۔"

خلیفہ پہلے امام مالک رحمہ اللہ کی طرف ہی متوجہ ہو کر کہنے لگا: "میری نسبت آپ کا کیا خیال ہے؟"

آپ نے فرمایا: "مجھے اس سوال کا جواب دینے سے معاف رکھو"

پھر وہ دوسرے علماء کی طرف متوجہ ہوا تو انہوں نے بڑی جرات کے ساتھ حکومت اور خلیفہ پر تنقید کی خلیفہ نے انہیں بہت دھمکایا' لیکن وہ سب یہی کہتے رہے کہ کل مرنے سے آج ہی مرجانا بہتر ہے۔"

چنانچہ ان علماء کو رخصت کر دیا گیا' بعد میں خلیفہ نے امام موصوف سے پوچھا کہ: "مجھے آپ کے کپڑوں سے حنوط کی بو آتی ہے؟"

فرمایا: "ہاں! میں موت کی تیاری کر کے آیا تھا کیونکہ تمہارے اوپر اعلائے کلمۃ الحق کی سزا موت ہے"

(ایضاً۔ ص:۳۵)

(9) جبری بیعت سے متعلق امام مالک رحمہ اللہ کا فتویٰ: عباسیوں کے ظلم وستم سے تنگ آکر محمد نفس ذکیہ نے مدینہ میں بغاوت کا علم بلند کیا تو امام مالک رحمہ اللہ نے ان کی حمایت کی۔ لوگوں نے کہا کہ ہم نے منصور کی بیعت کی ہے لہٰذا ہمیں اس کی اطاعت کرنی چاہیئے' آپ نے فرمایا کہ منصور نے بیعت جبراً لی ہے اور جو کام جبراً کرایا جائے شریعت میں اس کا اعتبار نہیں اور دلیل یہ دی کہ حدیث میں ہے کہ اگرچہ کسی

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

سے طلاق دلائی جائے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔"

اس وقت منصور کا چچا زاد بھائی جعفر مدینہ کا گورنر تھا۔ اس نے امام مالک رحمہ اللہ کو ایسا فتویٰ دینے سے ڈرایا دھمکایا مگر آپ باز نہ آئے۔ آخر آپ کو گرفتار کر کے پابہ زنجیر گورنر جعفر کے پاس لایا گیا اس نے انہیں ستر کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ بڑی بے دردی سے کوڑے مارے گئے۔ پشت لہولہان ہو گئی مگر آپ ہر کوڑے کی ضرب پر بلند آواز سے کہتے رہے کہ: "جبری طلاق حرام ہے"

جب کوڑوں کی سزا سے بھی جعفر کا جی نہ بھرا تو انہیں اسی حالت میں شتر پر سوار کر کے شہر میں پھرانے کا حکم دیا تاکہ لوگ عبرت حاصل کریں مگر آپ شہر کے بازاروں سے گزرتے اور ساتھ ہی باآواز بلند یہ کہتے جاتے تھے کہ "جو مجھ کو جانتا ہے سو جانتا ہے جو نہیں جانتا وہ جان لے کہ میں مالک بن انس ہوں اور میں فتویٰ دیتا ہوں کہ جبری طلاق درست نہیں۔"

پھر آپ مسجد نبوی میں آئے خون صاف کیا اور دو رکعت نماز ادا کی' خلیفہ منصور کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو اس نے جعفر کو مدینہ کی گورنری سے معزول کر دیا اور امام صاحب رحمہ اللہ سے معافی مانگی اور کہا میں جعفر کو سزا دوں گا۔ امام صاحب رحمہ اللہ نے جعفر کو سزا دینے سے منع کر دیا اور کہا کہ میں جعفر کو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر معاف کرتا ہوں۔" (ایضاً۔ ص:۳۶۔ حکومت اور علمائے ربانی۔ ص:۲۸)

(10) **ابن طاؤس رحمہ اللہ (محدث) اور خلیفہ منصور :** عباسی خلیفہ منصور نے اس وقت کے بڑے محدث ابن طاؤس رحمہ اللہ کو بلا کر کہا کہ: "کوئی حدیث بیان کریں؟"

ابن طاؤس نے ماحول پر نگاہ ڈالی اور دیکھا کہ پیچھے جلاد ننگی تلوار سونتے کھڑے ہیں' آپ نے ان کی طرف دیکھا اور اطمینان سے کہا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ زمین کے مشرق و مغرب کو تمہارے قدموں میں ڈال دے گا لیکن اس زمانہ کے حکام جہنم کا ایندھن ہوں گے' بجز ان لوگوں کے جو اللہ سے ڈر کر کام کریں گے اور امانت میں خیانت نہیں کریں گے۔"

پھر خلیفہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: "امیر المومنین سوچئے آپ کس مقام پر ہیں؟ کیا اللہ نے آپ کو مشرق و مغرب کا مالک نہیں بنایا ہے؟"

اب کی بار ابن طاؤس رحمہ اللہ نے سورہ مدثر کی وہ آیات پڑھیں جو ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی تھیں منصور نے پھر سر جھکا لیا' اب کی بار حاضرین کو یقین ہو گیا کہ ابھی قتل کا حکم ملنے والا ہے۔ منصور نے سر اٹھایا اور ڈانٹ کر کہا: "یہاں سے چلے جاؤ"

چنانچہ ابن طاؤس رحمہ اللہ وہاں سے یہ کہہ کر واپس چلے آئے: "ہم بھی یہی کچھ چاہتے تھے" (ص:۴۸)

(11) **امام سفیان ثوری رحمہ اللہ (۹۷۔۱۶۱ھ) اور عہدہ قضاء :** مشہور محدث اور فقیہ ہیں ایک دفعہ خلیفہ

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

مہدی کے ہاں آئے تو مہدی مسکراتے ہوئے کہنے لگے: "آپ ہم سے ادھر ادھر بھاگتے پھرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اگر ہم آپ سختی کرنا چاہیں تو کر نہیں سکتے اور میں یہ کام اس وقت بھی کر سکتا ہوں کہ حکم دے کر آپ کو ذلیل اور رسوا کیا جائے۔"

امام صاحب رحمہ اللہ نے کہا: "اگر ایسا کرو گے تو شہنشاہ قادرِ مطلق ہے جو حق و باطل میں تفریق کرتا ہے' وہ بھی تمہارے ساتھ ایسا ہی کرے گا۔"

یہ سن کر مہدی کا وزیر ربیع بھڑک اٹھا اور بولا: "امیر المومنین! یہ جاہل آدمی آپ کے ساتھ گستاخی کر رہا ہے۔ اجازت ہو تو اس کی گردن اڑا دوں؟"

مہدی نے وزیر سے کہا: "تم ہی بدبخت ہو تمہیں معلوم نہیں کہ یہ لوگ کن صفات کے حامل ہیں' اگر ان کو قتل کرو گے تو اہل علم سب تباہ ہو جائیں گے' میں تو ان کی حق گوئی پر ان کو کوفہ کا قاضی مقرر کر رہا ہوں اور وہ بھی ایسا کہ ان کے فیصلہ میں کوئی دخیل نہ ہو۔"

پھر مہدی نے حکم نامہ لکھ کر امام کے حوالہ کیا' آپ نے وہاں سے واپس آکر وہ حکم نامہ دریائے دجلہ میں ڈال دیا اور خود روپوش ہو گئے۔ مہدی نے ہر جگہ تلاش کروایا مگر کہیں پتہ نہ چل'۔ حضرت سفیان رحمہ اللہ اس واقعہ کے بعد روپوش ہی رہے۔ تا آنکہ ۱۶۱ھ میں وفات پائی۔ (ایضاً۔ ص:۴۱)

(12) ہارون الرشید اور فضیل بن عیاض رحمہ اللہ: خلیفہ ہارون الرشید مکہ آیا تو اپنے وزیر فضل بن ربیع سے کہا کہ کسی عالم دین کو ملنا چاہتا ہوں' چنانچہ دونوں فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کے خیمہ پر پہنچے اور اجازت چاہی۔ پوچھا: "کون ہے؟"

وزیر نے کہا: "امیر المومنین تشریف لائے ہیں۔"

فضیل رحمہ اللہ کہنے لگے: "مجھ سے امیر المومنین کا کیا کام؟"

وزیر نے کہا: "سبحان اللہ! آپ پر امیر المومنین کی اطاعت واجب نہیں؟"

آپ نے دروازہ تو کھول دیا مگر ساتھ ہی چراغ گل کر دیا اور خود سمٹ کر ایک کونے میں کھڑے ہو گئے۔

خلیفہ اور وزیر دونوں آگے بڑھے اور جب گھپ اندھیرے میں خلیفہ کے ہاتھ فضیل بن عیاض کے ہاتھ سے ٹکرائے تو فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کہنے لگے کیا ہی نرم و گداز ہاتھ ہے اگر قیامت کے دن عذاب الٰہی سے محفوظ رہا پھر کچھ توقف کے بعد کہنے لگے:

"امیر المومنین! عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے جب زمام خلافت ہاتھ میں لی تو سالم بن عبداللہ بن عمر' محمد بن کعب القرظی اور رجاء بن حیات کو بلا بھیجا اور کہا: میں آزمائش میں ڈال دیا گیا ہوں' مجھے کوئی مشورہ دو امیر المومنین! انہوں نے خلافت کو آزمائش سمجھا' لیکن آپ اور آپ کے ساتھی اسے نعمت سمجھ کر اس پر ٹوٹ پڑے ہیں۔ امیر المومنین! میں آپ کو اس دن سے خوف دلاتا ہوں جب

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

بڑے بڑے مضبوط قدم ڈگمگا جائیں گے اور یہ پوچھتا ہوں کہ کیا آپ کے ساتھی حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ساتھیوں جیسے ہیں جو آپ کو ان کی سی باتوں کا حکم دیں؟"

یہ باتیں سن کر ہارون الرشید اتنا رویا کہ اس کو غش آنے لگا۔ وزیر نے فضیل رحمہ اللہ سے کہا: "امیر المومنین سے نرمی برتیے۔"

فضیل رحمہ اللہ وزیر سے کہنے لگے: "تم نے اور تمہارے ساتھیوں نے انہیں قتل کر دیا ہے' اور اب مجھے نرمی کی تلقین کرتے ہو؟"

خلیفہ جب ذرا سنبھلا تو فضیل رحمہ اللہ سے کہنے لگا: "کچھ اور فرمایئے؟"

الغرض ہارون آپ کی عبرت آموز نصیحتیں سنتا رہا اور روتا رہا۔ کچھ اور کچھ اور کا مطالبہ کرتا رہا۔ جب اس کی طبیعت میں بہت رقت آگئی تو جاتی دفعہ ایک ہزار دینار پیش کیے اور کہا: "انہیں اپنے اہل وعیال پر صرف کیجیے اور اپنے رب کی عبادت کے لئے ان سے قوت حاصل کیجیے۔"

فضیل رحمہ اللہ کہنے لگے: "میں نے آپ کو راستی کا راستہ دکھایا ہے تو آپ یوں اس کا بدلہ دینا چاہتے ہیں؟"

غرض ہارون اور اس کا وزیر دونوں چپکے سے باہر نکل آئے اور خلیفہ نے وزیر سے کہا: "جب تم سے میں یہ کہوں کہ کسی عالم کے پاس لے چلو تو اسی قسم کے آدمی کے پاس لے جایا کرو" (ایضاً۔ ص:۵۰)

(13) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور مامون الرشید: مامون الرشید پکا معتزلی تھا اور خلق قرآن کے معاملہ میں اس کا عقیدہ یہ تھا کہ قرآن حادث اور مخلوق ہے اور جو قرآن کو قدیم سمجھتا اسے وہ مشرک سمجھتا تھا۔ مامون جیسا وسیع الظرف آدمی اس مسئلہ میں اتنا تنگ ظرف ہو گیا تھا کہ بہت سے علماء کو اس نے اس "شرک" کے جرم میں تہ تیغ کر ڈالا اور ان کے خون سے ہاتھ رنگے پھر جو مسلمان خلق قرآن کے قائل نہ تھے' ان کو ملازمتوں سے برطرف کر دیا اور ان کی شہادت کو مردود وقرار دیا' امام احمد اور آپ کے چند ساتھیوں کو اپنے ہاتھوں قتل کرنے کی غرض سے بغداد بلایا' مگر ان کے بغداد پہنچنے سے پیشتر خود تپ لرزہ سے راہی ملک عدم ہوا۔ اس طرح امام صاحب واپس چلے گئے لیکن بعد کے ادوار میں جس طرح ۲۱ سال انہوں نے قید وبند کی سختیاں جھیلیں ان کی تفصیل ہم دوسرے باب میں تفصیل سے پیش کر چکے ہیں لہٰذا اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اب دیکھئے پرویز صاحب کہتے ہیں کہ دنیاوی امور ملوکیت نے سنبھال لئے اور اخروی امور پیشوائیت نے اور یہ دونوں آپس میں سمجھوتہ کر لیتے ہیں۔ اب دیکھئے خلق قرآن کے مسئلہ کا دنیاوی امور سے کیا تعلق ہے جو مامون نے سنبھالا تھا پھر جس طرح ملوکیت وپیشوائیت میں سمجھوتے ہو رہے ہیں' وہ بھی ملاحظہ فرمالیجیے:

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

(14) امام بخاری رحمہ اللہ اور حاکم بخارا: حاکم بخارا خالد بن احمد ذہلی نے امام صاحب سے درخواست کی کہ وہ (آپ کی تصنیف) جامع الصحیح اور تاریخ کبیر کا سبق اس کے گھر آکر اس کے بچوں کو پڑھایا کریں۔ امام صاحب نے اس درخواست کو مسترد کر دیا اور کہا: "آپ اپنے بچوں کو اس مسجد میں جہاں میں درس دیتا ہوں بھیج دیا کریں"

پھر حاکم بخارا نے اس درخواست میں یہ ترمیم کی کہ کم از کم میرے بچوں کو الگ درس دے دیا کریں۔ آپ نے یہ بات بھی منظور نہ کی۔ حاکم بخارا نے اس بات کو اپنی توہین سمجھا اور آپ کے خلاف ہو گیا' حکومت کے زور پر وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا کیونکہ امام بخاری کی قدر و عظمت اس قدر تھی کہ اس طرح ملک میں انتشار کا خطرہ تھا۔ آخر اس نے چند آدمیوں کو اس کام پر آمادہ کیا کہ وہ آپ پر کچھ الزام لگا کر آپ کی قدر و منزلت کو لوگوں کے دلوں سے گھٹا دیں' ان لوگوں نے وہی پرانا خلق قرآن والا حربہ استعمال کیا اور کہا کہ امام بخاری رحمہ اللہ خلق قرآن کے قائل ہیں پھر اس الزام کی اتنی تشہیر کی گئی کہ اس سے ملک میں ایک ہنگامہ بپا ہو گیا۔ حاکم بخارا کو موقع ہاتھ آگیا تو اس نے آپ کو شہر چھوڑنے کا حکم دے دیا۔ آپ نے شہر چھوڑتے وقت دعا کی: "اے اللہ! جس بات کا ان لوگوں نے مجھ پر ارادہ کیا تو وہی بات ان کو ان کی ذات اور اولاد میں دکھا۔"

اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ چند روز بعد حاکم بخارا معزول کر دیا گیا' گدھے پر سوار کر کے اس کی تشہیر کی گئی اور بعد میں قید کر کے جیل میں ڈال دیا گیا اور جو لوگ اس کام میں ملوث تھے وہ بھی کسی نہ کسی آفت سے دوچار ہوئے۔

نتائج: ہم نے اس دور کے چند واقعات نہایت اختصار سے پیش کر دیئے ہیں۔ اس دور میں اگرچہ ایسے علماء بھی تھے جو سرکار دربار سے منسلک ہو گئے تھے مگر قیادت انہی لوگوں کے ہاتھ میں تھی' جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اب دیکھئے ان واقعات سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

① یہ اولوالعزم علمائے دین' آئمہ فقہاء اور محدثین سرکار دربار سے منسلک ہونا ہرگز پسند نہ کرتے تھے۔ نہ ہی ان کے ہدایا کو قبول کرتے تھے بلکہ بڑی سختی سے واپس کرتے اور ساتھ تنقید بھی کیا کرتے تھے۔ ان علماء کے نزدیک بیت المال پر امراء کا ذاتی تصرف قطعاً حرام تھا۔ اسی وجہ سے یہ لوگ نہ عہدے قبول کرتے تھے نہ ہدایا۔

② ان کے مظالم برملا ان کے منہ پر بیان کرتے تھے۔

③ اعلائے کلمتہ الحق کے لئے ہر وقت اپنا سر ہتھیلی پر سمجھتے تھے اور اس کے لئے تیار بھی رہتے تھے۔

④ ان علماء کا عوام میں جس قدر وقار اور قدر و منزلت تھی۔ اس سے امراء خائف رہا کرتے تھے اور بڑی احتیاط کے ساتھ اور بچ بچ کر ان لوگوں پر ہاتھ ڈالتے تھے۔

⑤ دین اسلام کی کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ شق بھی یہ امراء تبدیل کرنے پر قادر نہ ہو سکے" کیونکہ علماء ہر وقت

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

قربانی کے لئے تیار رہتے تھے۔

اب یہ حقائق سامنے رکھئے اور اس پرویزی دعویٰ کو بھی کہ "جب ملوکیت معرض وجود میں آئی تو اس نے پیشوائیت سے سمجھوتہ کر لیا تھا؟ کیا سمجھوتہ کے یہی انداز ہوتے ہیں؟ یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ ملوکیت نے پیشوائیت کو دبانے کی کوشش کی مگر یہ ممکن نہ ہو سکا۔ اللہ کا کلمہ ہمیشہ بلند رہا اور اس کے ساتھ ہی علمائے دین کی قدر و منزلت بھی۔

مسلمانوں کے زوال کے اسباب اور علاج

اسباب:

مذہب کے نام پر پرویز صاحب نے ایک دو نکات اور بھی پیش فرمائے۔ ایک یہ کہ مذہب کہتا ہے کہ دنیا قابلِ نفرت چیز ہے حالانکہ اس کی اصل قرآن میں موجود ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿ فَمَا مَتَٰعُ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا فِى ٱلْءَاخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ﴿٣٨﴾ ﴾ (التوبۃ۹/ ۳۸) "دنیا کی زندگی کا سامان آخرت کے لئے نہایت ہی کم ہے۔"

پھر اس کے ساتھ یہ اضافہ:

"سیاست و حکومت کے دھندے دنیاداروں کے لئے ہیں"

پرویز صاحب کی ذہنی اختراع ہے۔ جس کے لئے انہیں یہ دلیل بھی دینا چاہیئے تھی کہ یہ کونسی حدیث کا ترجمہ ہے۔

اسی طرح دوسرا نکتہ یہ بیان فرمایا کہ:

"دنیا میں جو شخص جتنا ذلیل ہو گا خدا کے ہاں مقرب و مقبول ہو گا۔"

اس فقرہ میں ذلیل کا لفظ پرویزی فریب کی غمازی کرتا ہے۔ قرآن کے لفظ هَوْن کا ترجمہ منکسر المزاج اور تکبر سے خالی ہونا ہے' ذلیل ہونا نہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿ وَعِبَادُ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى ٱلْأَرْضِ هَوْنًا ﴾ (الفرقان۲۵/ ۶۳) "اور اللہ کے بندے وہ ہیں جو زمین پر دبے پاؤں چلتے ہیں۔"

دیکھا آپ نے کہ جن چیزوں کی اصل خود قرآن میں موجود ہے۔ مذہب کی مخالفت کی پیچ میں آکر پرویز صاحب انہیں بھی کس طرح توڑ مروڑ کر پیش فرما رہے ہیں۔

مقامِ آدمیت اور مقامِ انسانیت؟: بات دراصل یہ ہے کہ جب انسان کا زاویہ نگاہ ہی بدل جائے تو وہ جب تک ہر سیدھی بات کو بھی پیچ ڈال کر پیش نہ کرے تو اس نظریہ کو ثابت کیسے کر سکتا ہے؟ آپ کے نزدیک اسلام کی امتیازی خصوصیت صرف یہ ہے کہ یہ انسان کی معاشی ناہمواری کی اصلاح کرتا ہے لہٰذا

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ معاشی لحاظ سے خوش حال اور فارغ البال ہو۔ اگر اس کی دنیا درست نہیں تو وہ مسلمان نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کا آخرت میں کچھ حصہ ہو سکتا ہے۔ آپ نے اپنی کتاب "اسباب زوال امت" کے ابتداء میں بحث کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ دنیا میں تین ہی قسم کے گروہ ہو سکتے ہیں:

① جن کی صرف دنیا خوشحال ہو یہ لوگ کافر ہیں۔ ان کی آخرت تاریک ہے۔ کیوں تاریک ہے؟ اس لئے کہ وہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ آپ کے خیال میں ایسے لوگ مقام آدمیت پر ہیں کیونکہ آدم کو ملائکہ یعنی کائناتی قوتوں نے سجدہ کیا تھا لہٰذا صرف متمدن اقوام مغرب ہی مسجود ملائک اور مقام آدمیت پر فائز ہیں۔

② جن کی دنیا بھی خوشحال ہو اور آخرت بھی تابناک' یہ مومنین ہیں۔ آخرت پر ایمان کے باوجود بھی اگر ان کی دنیا خوشحال نہ ہو تو یہ مومن نہیں ہو سکتے۔ یہ لوگ مقامِ انسانیت پر ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کافروں کو بھی انسان کہتا ہے۔ (۶-۸۳)

③ جن کی دنیا بھی تاریک ہے اور آخرت بھی یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاتے ہیں۔ یعنی جیسے آج مسلمانوں کی "مذہب پرست" قوم ہے۔ یہ لوگ مقامِ آدمیت سے بھی ادنیٰ سطح پر ہیں کیونکہ کائناتی قوتیں ان کے آگے سجدہ ریز نہیں۔

علاج: گویا پرویز صاحب کے نزدیک مسلمانوں کے نکبت وادبار اور سب خرابیوں کی اصل جڑ مذہب ہے۔ اب جب مرض کی تشخیص ہو گئی تو ظاہر ہے کہ اس کا علاج مذہب کو چھوڑنے کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ یہ جیسا کہ وہ واضح طور پر کہتے ہیں کہ جب تک مسلمان مذہب کو چھوڑتا نہیں ذلیل وخوار ہی رہے گا اور اس کی دنیا خوشحال نہ ہو سکے گی۔

کیا فلاح آخرت اور دنیوی خوشحالی لازم وملزوم ہیں؟: قطع نظر اس بات کے کہ پرویز صاحب نے آیات کی قطع وبرید' ایک ٹکڑا کسی ایک سورت اور دوسرا کسی اور جگہ سے لے کر ان کا ربط ملانا۔ اپنے نظریہ کے مخالف آیات سے صرف نظر کرنا۔ ان آیات کا مفہوم فریب کاری سے پیش کرنا وغیرہ' یہ سب حربے استعمال کر کے مندرجہ بالا نتائج پیش کئے ہیں پھر بھی یہ بادی النظر میں غلط معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً:

① حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ساری عمر نہ جھونپڑا نصیب ہوا نہ شادی کی۔ پیدا ہوئے تو یہودیوں کے اتہامات کا نشانہ بنے۔ ۳۲ سال کی عمر میں مقدمہ چلا۔ قید ہوئے اور بقول یہودیوں اور عیسائیوں کے مصلوب ہوئے۔ کیا ان کی دنیا خوشحال تھی؟ پھر بہت سے انبیاء جن کی تادم مرگ مخالفت کی جاتی رہی اور بالآخر وہ ناحق قتل کر دیئے گئے ان کی دنیوی زندگی خوشحالی کی زندگی تھی؟ یا وہ مسلمان جو مکہ میں طبعی موت سے دوچار ہوئے یا کفار ومشرکین کی ایذا رسانیوں سے شہید ہو گئے۔ ان کی دنیاوی زندگی خوشحال

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

تھی؟ پھر کیا یہ حضرات مومن تھے یا نہیں؟ پرویزی فارمولا کے مطابق تو یہ حضرات (نعوذ باللہ) مومن بھی ثابت نہیں ہوتے۔ نبی اور رسول برحق ہونا تو دور کی بات ہے۔

② مسلمانوں نے آٹھ صدیوں تک بڑی شان وشوکت سے دنیا کے مختلف حصوں پر حکومت کی۔ ان کی دنیا تابناک تھی پھر یہ مسلمان آخرت پر بھی یقین رکھتے تھے لہٰذا ان کی آخرت بھی بہرحال تابناک ہونی چاہئے۔ جب کہ یہ سب حضرات "مذہب پرست" تھے۔ یعنی احادیث رسول اللہ ﷺ کو مانتے تھے۔ اب پرویزی فارمولا کے مطابق تو یہ "کفر بعد ایمان" کی حالت ہے۔ جس کے نتیجہ میں نہ دنیا تابناک ہونی چاہئے تھی اور نہ آخرت۔

③ دنیا میں آج بھی بے شمار ایسی قومیں موجود ہیں جو کافر تو ضرور ہیں مگر خوشحال نہیں حالانکہ پرویزی فارمولا کے مطابق کافروں کی دنیوی زندگی تو بہرحال خوشحال ہونی چاہئے۔ ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ پرویز صاحب کے "اسباب زوال امت" کی تشخیص ہی جب غلط ہے تو علاج کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

مومن بننے کا طریقہ: جب یہ طے ہو گیا مومن کی لازمی علامت دنیا کی خوشحالی ہے اور جب تک دنیا خوشحال نہ ہو آخرت تابناک ہو ہی نہیں سکتی تو لازمی تھا کہ پرویز صاحب اس خوشحالی کے اصول کا طریقہ بھی بتا دیتے۔ چنانچہ اس کا طریقہ آپ نے یہ بتایا کہ تسخیر کائنات کرو (جیسا کہ مغربی اقوام تسخیر کائنات کر رہی ہیں اور ان کی دنیوی زندگی خوشحال ہے) اللہ تعالیٰ نے تو یہ فرمایا تھا کہ:

﴿ وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ﴾ "اور اس اللہ نے تمہارے لئے زمین اور آسمانوں کی ہر چیز کو مسخر کر دیا ہے۔" (الجاثیۃ ۴۵/ ۱۳)

پھر اس کی وضاحت بعض دوسری آیات میں بھی کر دی کہ ہم نے تمہارے لئے زمین چاند' سورج' سمندر اور ہوائیں اور چوپائے سب کچھ مسخر کر دیا ہے۔ یعنی ہماری خدمت پر مامور کر دیئے ہیں تو جو چیز پہلے ہی مسخر ہے اسے اور کیا مسخر کیا جائے؟ اللہ تعالیٰ نے ماضی کا صیغہ استعمال کر کے ایک حقیقت بتائی تھی اور پرویز صاحب امر کے مفہوم میں بدل کر اسے مومنوں کے لئے حکم قرار دے رہے ہیں کہ کائنات کی تسخیر کرو۔

بلاشبہ قرآن میں بیسیوں ایسی آیات موجود ہیں جن میں لوگوں کو اشیائے کائنات میں غور وتدبر کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن ان تمام آیات میں اصل الاصول کے طور پر آپ کو جو چیز ملے گی وہ ہے "تذکیر بایات اللہ" یعنی ان اشیاء میں غور کرو تا کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت تمہیں حاصل ہو اور اس کی ذات پر تمہارا ایمان پختہ ہو۔ اب اس غور وتدبر کا ایک ضمنی فائدہ یہ بھی ہو جاتا ہے کہ ان اشیائے کائنات کے خواص معلوم ہو جاتے ہیں۔ جن سے انسان فائدہ اٹھا کر اپنی ضروریات کو بہتر طور پر پورا کر سکتا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں نے اس میدان میں بھی خوب جوہر دکھائے جو تاریخ کے اوراق پر ثبت ہیں۔

اب پرویز صاحب نے تذکیر بایات اللہ کے اصل مقصد کو تو نظرانداز کر دیا اور اس کے ضمنی فائدہ کو

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

اصل مقصد قرار دے کر مومنین کو اشیائے کائنات کے خواص معلوم کرنے پر لگانا چاہتے ہیں تاکہ ان کی دنیا خوشحال ہو۔

اب دیکھئے مادہ کے خواص معلوم کر کے ان سے فائدہ اٹھانا اور اپنی زندگی کو خوشحال بنانا ہر انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ خواہ وہ مومن ہو یا کافر یا دہریہ یا کوئی اور مثل مشہور ہے کہ "ضرورت ایجاد کی ماں ہے" لہٰذا انسان وحی الٰہی کی ہدایت کے بغیر بھی مادہ کے خواص معلوم کرتا ہی رہا ہے اور کرتا ہی رہے گا کیونکہ یہ تجسس اس کی فطرت میں داخل اور اس کا طبعی تقاضا ہے اور تمام ایجادات ضرورت اور تجسس کے تحت ہی معرض وجود میں آئی ہیں اور وحی کا یہ قاعدہ ہے کہ جو چیز انسان کی فطرت میں داخل ہو اس پر پابندیاں ہی لگاتی ہے اس کا حکم نہیں دیا کرتی خدا تعالیٰ یہ حکم تو دے گا کہ کھانا حلال کھایا کرو۔ اس میں اسراف نہ کرو۔ دوسروں کو بھی کھلاؤ۔ لیکن یہ کبھی حکم نہ دے گا کہ "کھانا ضرور کھایا کرو" یا مال و دولت ہر طرح سے خوب کمایا کرو تاکہ تمہیں اچھا کھانا نصیب ہو" کیونکہ یہ چیز ہر جاندار کی فطرت میں داخل اور اس کا طبعی تقاضا ہے لہٰذا اس قاعدہ کی رو سے بھی سخر کا معنی سخروا کر لینا اور اشیائے کائنات میں غور وتدبر سے مفہوم ان اشیاء کے خواص معلوم کرنے کو اصل مقصد قرار دینا سراسر لغو اور باطل ہے۔

انبیاء اور تسخیرِ کائنات: پھر اگر مومن بننے کے لئے علم الاشیاء یا مادہ کے خواص کا جاننا اتنا ہی ضروری اور ایمان کا حصہ تھا تو اللہ تعالیٰ کو چاہیئے کہ سائنس کے چند کلیے یا فارمولے قرآن میں بذریعہ وحی نازل فرما دیتا ہے جو "مستقل اقدار" کا کام دیتے۔ پہلے انبیاء علیہم السلام خود تسخیر کائنات وفطرت کا فریضہ سرانجام دیتے اور بعد میں آنے والے مسلمان انہیں مستقل اقدار سے باقی خواص بھی مستنبط کرتے اور تجربے کرتے رہتے۔ مگر قرآن میں ایسی تعلیمات کا نہ ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ پرویز صاحب کے یہ نظریات باطل ہیں یہ عجمی تصورات یا مغربی افکار آپ کے ذہن میں "عقل" کے راستہ سے جاگزین ہوئے ہیں۔ وحی میں ان کا کوئی ذکر نہیں۔

سائنسدان ہی حقیقی عالم ہیں: سورہ فاطر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا ۚ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ﴿٢٧﴾﴾ (الفاطر ۳۵/ ۲۷)

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے مینہ برسایا پھر ہم نے اس سے طرح طرح کے رنگوں کے میوے پیدا کیے اور پہاڑوں میں سفید اور سرخ رنگوں کے قطعات ہیں اور بعض کالے سیاہ ہیں اور انسانوں اور جانوروں اور چوپایوں کے بھی کئی طرح کے رنگ ہیں۔"

آگے فرمایا:

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

﴿ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ﴾ (الفاطر ۳۵/ ۲۸) "اللہ سے اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو عالم ہیں۔"

ان آیات سے پرویز صاحب یہ نتیجہ پیش کرتے ہیں کہ ان آیات میں نباتات' جمادات اور حیوانات کا ذکر ہے اور یہی تینوں چیزیں علم سائنس کی بڑی بڑی شاخیں ہیں لہٰذا ان علوم کے ماہر ہی حقیقتاً "عالم" ہیں' جنہیں آج کی اصطلاح میں "سائنٹسٹ" کہا جاتا ہے۔ (اسباب زوالِ امت۔ ص:۱۰۵)

اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ عالم حضرات اللہ تعالیٰ سے ڈرتے بھی ہیں؟ اصل شرط تو خشیت اللہ ہے نہ کہ ان علوم میں مہارت جیسا کہ لفظ انما کے کلمہ حصر سے واضح ہو رہا ہے اگر وہ ڈرتے بھی ہیں تو پھر تو فی الواقعہ عالم ہیں۔ ورنہ نہیں یہ آیت تو الٹا یہ ثابت کر رہی ہے کہ اگر ان علوم کے ماہر خدا سے ڈرتے نہیں تو وہ عالم نہیں ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

﴿ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ ﴾ (الجاثیۃ ۴۵/ ۲۳) "اور علم ہونے کے باوجود اس کی بد روی کی بنا پر اللہ نے اسے گمراہ کر دیا ہے۔"

اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ حقیقی علم ہے کونسا؟ قرآن نے ہر ہر مقام پر لفظ علم کا اطلاق وحی الٰہی پر کیا ہے اور ایسی آیات اس کثرت سے ہیں کہ ان کے حوالہ کی ضرورت نہیں لہٰذا جو علوم خشیت اللہ کا سبب بنتے ہیں وہ علم کا اعلیٰ درجہ ہے اور جو علوم خشیت اللہ کا سبب تو نہیں بنتے مگر انسانیت کے لئے مفید ہیں۔ ان پر بھی علم کا اطلاق ہو سکتا ہے اور جو علوم خدا سے دور کر دیں تو وہ علم نہیں بلکہ ضلالت ہے۔

عالم یا لائبریرین: اسباب زوالِ امت میں علماء پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"ہمارے ہاں عالم دین اس کو کہتے ہیں جو کسی مسئلہ یا فتویٰ میں زیادہ سے زیادہ اماموں کے اقوال پیش کر سکتا ہو اور یہی کام لائبریرین کا ہوتا ہے۔ گویا آپ کے خیال میں حقیقی عالم تو سائنسدان ہیں اور جو علمائے دین ہیں وہ محض لائبریرین ہیں۔" (حوالہ ایضاً)

اب دیکھئے لائبریرین کا کام یہ ہوتا ہے کہ اس سے کوئی کتاب مانگی جائے تو وہ پہلے اپنی فہرست موجودات یا کارڈ دیکھتا ہے پھر یہ معلوم کرتا ہے کہ وہ کہاں پڑی ہے پھر کتاب کو نکال کر آپ کے حوالے کر دیتا ہے اور واپسی کی صورت میں جمع کر لیتا ہے۔ اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ فلاں کتاب میں کیا لکھا ہے یا فلاں موضوع پر بحث کون کون سی کتاب میں ملے گی اور جو شخص یہ باتیں جانتا ہے تو اس کے عالم ہونے میں شک نہیں خواہ اس کا یہ علم ہدایت کی طرف لے جانے والا ہو یا ضلالت کی طرف۔

عقل کی بو: "چونکہ مذہب کی دنیا میں کسی معاملہ میں اپنی رائے کو دخل دینا سب سے بڑا جرم ہے۔ اس لئے سب سے زیادہ (مسئلہ کا یا فتویٰ کا) صحیح جواب وہ ہو گا جس میں عقل کی بو نہ آنے پائے" (حوالہ ایضاً)

اب دیکھئے فتویٰ دراصل اس مشکل شرعی مسئلہ کے جواب کو کہتے ہیں جس کا کتاب وسنت میں ذکر نہ

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

ہو۔ اب ظاہر ہے کہ ایسا مسئلہ استنباط کے بغیر حل نہیں ہو سکتا اور استنباط کے لئے عقل کا استعمال ضروری ہے جن جن علماء نے بھی کسی خاص مسئلہ کے متعلق فتوے دیئے عقل کا استعمال کر کے ہی دیئے تھے۔ اور اگر اب کوئی شخص پہلے لوگوں کے فتوؤں کو سامنے رکھ کر کوئی فتویٰ دیتا ہے تو یہ بھی عقل ہی کا کام ہے۔ آخر عدالتوں میں بیٹھے ہوئے جج صاحبان بھی تو یہی کچھ کرتے ہیں کہ مقدمہ زیر بحث سے متعلق سابقہ نظائر کو بھی سامنے رکھتے ہیں کیا ان کے فیصلوں میں بھی عقل کی بو تک نہیں ہوتی؟ علماء سے پرویز صاحب کی خفگی کی وجہ غالباً یہ ہے کہ یہ حضرات ان لوگوں کی کتابیں کیوں سامنے رکھتے ہیں جو حدیث کو حجت سمجھتے تھے اور ان کتابوں کے بجائے بطور نظائر میری کتابیں استعمال کیوں نہیں کرتے؟

اپنی حد سے زیادہ عقل کا استعمال پرویز صاحب کو معتزلہ سے ورثہ میں ملا جو عقلی تفوق کو اپنے مذہب کا لاینفک اور بنیادی جز سمجھتے تھے پرویز صاحب نے عقل کا یوں اندھا دھند استعمال شروع کیا کہ قرآنی وحی کی بھی ہر ہر مقام پر ترمیم و مرمت کرنے بیٹھ گئے (تفصیل کے لئے دیکھئے آخری حصہ کا باب مفہوم القرآن پر ایک نظر) جب کہ علمائے دین وحی جلی تو درکنار وحی خفی کے مقابلہ میں بھی عقل کا استعمال ناجائز اور اسے الحاد اور گمراہی سمجھتے ہیں اور عقل کا استعمال صرف اس وقت کرتے ہیں جب نص موجود نہ ہو اب پرویز صاحب نے اپنے الحاد اور گمراہیوں پر پردہ ڈالنے کی خاطر الٹا علماء کو بدنام کرنا شروع کر دیا کہ سب سے بہتر فتویٰ اس کا ہوتا ہے جس سے عقل کی بو تک نہ آنے پائے۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

باب : سوم

مساواتِ مرد و زن

دور حاضر کے اہم مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ مرد اور عورت' مرتبہ و مقام کے لحاظ سے ہر میدان میں برابر ہیں اور اگر نہیں تو انہیں برابر ہونا چاہئے پھر اسی پر بس نہیں بلکہ آج کا مہذب مرد' عورت کو "نصف بہتر" کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہو سکتی ہے کہ آج کل حسن کے مقابلے تو صرف عورتوں ہی کے ہوتے ہیں لہٰذا مرد اس میدان میں عورت کی برابری کیونکر کر سکتے ہیں؟

پھر یہ بات کچھ آج کے دور سے مخصوص بھی نہیں جب بھی کوئی تہذیب اپنے جوبن پر آئی تو وہ عورت کو گھر سے نکال کر بازار میں لے آئی اور اس کی عصمت ایک فروختنی چیز بن کر رہ گئی۔ اس سے جہاں ایک طرف فحاشی کو فروغ حاصل ہوا تو دوسری طرف عائلی نظام کے انجر پنجر تک ہل گئے اور بہت سے جدید معاشرتی مسائل پیدا ہو گئے۔

موضوع کا تعین : مگر آج کی عورت اس پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ وہ معاشی' معاشرتی اور سیاسی میدانوں میں اپنی آبادی کے تناسب کے لحاظ سے مردوں کے برابر کے حقوق کا مطالبہ کر رہی ہے۔ وہ کیا کچھ مانگتی ہے اور اس کا یہ مطالبہ درست ہے یا غلط؟ ہم سردست اس طویل بحث میں نہیں پڑنا چاہتے۔ ہم اس وقت صرف دو باتوں کا جائزہ لیں گے:

① آیا قرآن نے مرد و عورت کو ہر مقام پر برابر رکھا ہے یا کسی میدان میں مرد کی فوقیت یا بالادستی بھی تسلیم کی ہے؟

② طلوعِ اسلام پکار پکار کر یہ کہتا ہے کہ اس کا مخاطب جدید تعلیم یافتہ طبقہ ہے جو اسلام سے متنفر ہوتا جا رہا ہے۔ پرویز صاحب کی زندگی بھر یہ کوشش رہی ہے کہ وہ اس جدید تعلیم یافتہ اور اسلام بیزار طبقہ کو قریب تر لانے کی کوشش کریں۔ آپ نے اس کا طریق یہ اپنایا ہے کہ قرآنی آیات کی تاویل اسی "مہذب طبقہ کی خواہش کے مطابق فرمایا کرتے ہیں اور اس فن میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ جن قرآنی آیات سے مرد کی فوقیت کا کوئی پہلو نکلتا ہے۔ اس کی آپ نے کیا تاویلات پیش فرمائی ہیں اور وہ کس حد تک درست ہیں؟

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

اسلام کے عطا کردہ حقوق: پیشتر اس کے کہ ہم اصل موضوع کی طرف آئیں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس بات کا بھی جائزہ لے لیا جائے کہ اسلام سے پہلے دور جاہلیت میں عورت کی حیثیت کیا تھی اور اسلام نے عورت کو کیا کیا حقوق عطا کیے؟ اور وہ درج ذیل ہیں:

① دور جاہلیت میں لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا اور اس کی وجوہ دو تھیں:

1. بچی پر خرچ کرنے میں بخل۔
2. سسر بننے کی عار سے بچاؤ۔ اسلام نے ان کے اس فعل کو قتل کے برابر جرم قرار دیا۔

② عورت متروکہ میراث سمجھی جاتی تھی جو دوسری جائیداد کی طرح ورثہ میں تقسیم ہوتی تھی اور اس کے بیٹے ہی اسے اپنے نکاح میں لے آتے تھے۔ اسلام نے ان دونوں باتوں کی مخالفت کی اور باپ کی منکوحہ سے نکاح کو حرام قرار دیا۔

③ عورت پہلے محروم الارث تھی' اس کو وراثت میں باقاعدہ حصہ دار بنایا۔

④ دور جاہلیت میں ایک مرد دس دس تک بیویاں رکھ سکتا تھا۔ اسلام نے اس تعداد کو چار تک محدود کر دیا۔

⑤ عورت نکاح کے معاملہ میں بالکل بے بس تھی' اسلام نے اسے شوہر کے انتخاب کا حق دیا۔

⑥ مرد جب چاہتا عورت کو طلاق دے کر گھر سے نکال دیتا۔ اسلام نے طلاق پر کڑی پابندیاں عائد کر دیں اور ساتھ ہی اس پر دوران عدت کے قیام وطعام کی ذمہ داری ڈال دی۔

⑦ اسلام نے حق مہر کو فرض قرار دیا جب کہ اس سے پیشتر اسے ضروری نہ سمجھا جاتا تھا۔

⑧ اسلام نے عورت کو حق ملکیت دیا۔ جب کہ پہلے وہ خود مملوکہ اور متروکہ مال تصور ہوتی تھی۔ عورت خاوند سے الگ اپنا مال یا جائیداد رکھ سکتی اور حسب خواہش وضرورت اسے خرچ کر سکتی ہے۔

⑨ ایلاء ظہار اور طلاق کے ذریعہ عورتوں کو خاصا پریشان اور تنگ کیا جاتا تھا۔ وہ لوگ نہ عورت کو بساتے نہ آزاد کرتے تھے۔ اسلام نے ان رسوم پر کڑی پابندیاں عائد کر دیں۔

⑩ اسے نکاح ثانی کی اجازت ہی نہیں دی گئی بلکہ اسے ایک مستحسن فعل قرار دیا گیا اور بے شوہر رہنے کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا۔

⑪ عورت کو معاشی لحاظ سے بالکل آزاد کر دیا گیا اور اخراجات کی تمام تر ذمہ داری مردوں کے ذمہ ڈال دی گئی۔ اگر عورت مالدار ہے اور اس کا شوہر غریب تو بھی اخراجات کی ذمہ داری مرد ہی کے سر پر ہوگی۔ ہاں اگر عورت اپنی مرضی سے چاہے تو خاوند' اولاد پر خرچ کر سکتی ہے اور یہ ازراہ احسان ہوگا۔

⑫ اس دور میں لونڈی غلاموں کا رواج عام تھا اور مالک غلاموں سے تو مزدوری کروا لیا کرتے تھے اور

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

لونڈیوں کو فحاشی کے ذریعہ کمالانے پر مجبور کرتے تھے۔ اسلام نے اس بد رسم کو حکماً بند کر دیا۔ وغیرہ وغیرہ

مرد کی فوقیت کے گوشے : ان تمام تر اصلاحات وحقوق کے باوجود زندگی کے چند گوشے ایسے تھے جن میں قرآن نے مرد کی بالادستی کو تسلیم کیا ہے۔ ان میں سب سے اہم گوشہ عائلی نظام کی سربراہی ہے۔ گھر کے انتظامی امور میں مرد کو اس کی بیوی اور اس کی اولاد سب پر فوقیت حاصل ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی چھوٹی سے چھوٹی وحدت (Unit) اس وقت تک تعمیری نتائج پیدا نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کا سربراہ ایک نہ ہو۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی گوشے ہیں۔ جن کا ذکر آگے آرہا ہے۔

اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ایسے مقامات پر طلوع اسلام کیا توجیہات پیش کرتا ہے:

مرد کی فوقیت اور طلوعِ اسلام

مرد اور عورت کا درجہ برابر ثابت کرنے میں طلوع اسلام نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ پرویز صاحب نے معاشرہ کے ایک فرضی کردار "طاہرہ" کو اپنی بیٹی منتخب فرمایا ہے اور خود اس کے والد بنتے ہیں۔ طاہرہ کی طرف سے سوالات بھی ان کے اپنے ذہن کی پیداوار ہیں اور جوابات تو بہرحال ہیں ہی "آپ نے طاہرہ کے نام خطوط" نامی کتاب لکھ کر ماڈرن عورتوں کو یقین دلایا ہے کہ قرآن کی رو سے تمہارا مرتبہ مردوں سے کسی صورت کم نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں پرویز صاحب نے جن جن نکات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:

(واضح رہے کہ یہ مضمون اسی مندرجہ بالا کتاب کو پیش نظر رکھ کر لکھا گیا ہے اور اس میں صفحات کے نمبر بطور حوالہ اسی کتاب کے ہیں۔)

(1) عورت کی پیدائش : عورت کی پیدائش کے متعلق قرآن کریم میں مذکور ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُوا۟ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَٰحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَآءً ﴾ (النساء ٤/ ١)

"اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا پھر اس سے اس کی بیوی بنائی پھران دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلادیں۔"

اس آیت میں نفس واحدہ سے مراد آدم علیہ السلام ہیں اور نفس واحدہ کے زوج سے ان کی بیوی حوا ہیں پھران دونوں کے ملاپ سے بنی نوعِ انسان پیدا ہوئی' لیکن پرویز صاحب نفس واحدہ سے مراد وہ پہلا جرثومہ حیات لیتے ہیں جو سمندر کے کنارے کی کائی میں آج سے اربوں سال پہلے پیدا ہوا تھا اور خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا سے مراد اس جرثومہ کے دو ٹکڑوں میں بٹ جانا ہے پھران دونوں ٹکڑوں کے امتزاج سے اللہ نے بہت سی خلقت پھیلا دی۔

اس تاویل سے آپ نے یہ تو ثابت کر دکھایا ہے کہ پیدائش کے لحاظ سے مرد وعورت دونوں کی حیثیت

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

یکساں ہے مگر ہمیں افسوس ہے کہ یہ توجیہ و تاویل حقائق کے خلاف ہے کیونکہ:

① آج بھی جراثیم کی پیدائش کا سلسلہ اسی طرح چل رہا ہے کہ ایک جراثیم کے دو ٹکڑے ہو جاتے ہیں پھر ان دونوں میں سے ہر ایک کے دو اور یہ سلسلہ بدستور آگے چلتا ہے ان میں امتزاج ہوتا ہی نہیں۔

② قرآن نے لفظ زوج کا استعمال کیا ہے۔ یعنی آگے نسل انسانی توالد و تناسل کے واسطہ سے بڑھی ہے لہٰذا ان دو ٹکڑوں میں سے کسی پر بھی ایک دوسرے کے لئے زوج کا لفظ استعمال نہیں ہو سکتا۔

③ ان وجوہ کی بنا پر پرویز صاحب کی بحیثیت پیدائش مرد و عورت کی یکساں حیثیت ثابت کرنے کی دلیل درست نہیں۔

(2) مرد کی حاکمیت؟: قرآن میں ہے:

﴿ اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۭ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۭ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ﴾

(النساء ٤/ ٣٤)

"مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس لئے بھی کہ وہ اپنے اموال سے (بیوی بچوں پر) خرچ کرتے ہیں پس نیک عورتیں وہ ہیں جو فرمانبردار ہیں اور مرد کی غیر موجودگی میں اللہ کی حفاظت میں مال و آبرو کی حفاظت کرتی ہیں اور جن عورتوں سے تمہیں نافرمانی کا ڈر ہے تو انہیں سمجھاؤ' انہیں خوابگاہوں میں الگ رکھو اور انہیں زدوکوب کرو پھر اگر وہ فرمانبردار بن جائیں تو ان کو ایذا دینے کا کوئی بہانہ نہ ڈھونڈو۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کی قوامیت کے درج ذیل پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے:

① مرد کے عورت پر قوام یا حاکم ہونے کی دو وجوہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں:

[1] ایک یہ کہ مردوں کو عورتوں پر (بلحاظ جسم و قوت) فضیلت حاصل ہے۔

[2] دوسرے اس لئے کہ بیوی بچوں پر اخراجات کی ذمہ داری مردوں کے ذمہ ڈالی گئی ہے۔

② نیک عورتوں کی بھی دو صفات بیان کی گئی ہیں:

[1] ایک یہ کہ وہ مردوں کی فرمانبردار ہوتی ہیں۔

[2] دوسرے مرد کی غیر موجودگی میں اپنی عصمت کی حفاظت کرتی ہیں۔

③ اور نافرمان عورتوں کے لئے بتدریج تین اقدامات بتلائے گئے ہیں:

[1] یعنی پہلے انہیں زبانی سمجھایا جائے۔

[2] اگر باز نہ آئیں تو پھر ان سے مرد الگ رہیں۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

3 اگر پھر بھی باز نہ آئیں تو ان کو مار کر درست کریں پھر اگر وہ باز آجائیں تو سب باتیں چھوڑ دیں اور انہیں ایذا نہ دیں۔

اس پوری آیت میں مردوں کی عورتوں پر بالادستی کا ذکر ہے اور اس آیت کا ہر ایک حصہ دوسرے کی بھرپور تائید کر رہا ہے۔ اب یہ باتیں اس مفہوم میں بھلا پرویز صاحب کو کیسے گوارا ہو سکتی تھیں؟ لہٰذا اس آیت کی تشریح سے پیشتر آپ نے درج ذیل نکات پیش کر کے دل کا غبار ہلکا کیا ہے:

1 مروّجہ تراجم سب غلط ہیں کیونکہ یہ عربی تفسیروں کا سا ہی مفہوم بیان کرتے ہیں۔
2 عربی کی تفسیریں بھی غلط ہیں کیونکہ وہ روایات کی تائید میں لکھی گئی ہیں۔
3 اور روایات بھی سب غلط ہیں اگر یہ صحیح ہوتیں تو رسول اللہ کو چاہیئے تھا کہ ایک مستند نسخہ امت [1] کے حوالے کر جاتے جیسا کہ قرآن حوالے کر گئے تھے لہٰذا اس آیت کا جو مفہوم یا تراجم یہ تفسیریں خواہ کسی زبان کی ہوں' اور یہ روایات جو پیش کرتی ہیں سب کچھ یکسر غلط ہے۔

اس تردید کے بعد آپ نے جو صحیح مفہوم پیش فرمایا اس کے نکات درج ذیل ہیں:

① اس آیت میں بات میاں بیوی کی نہیں بلکہ معاشرہ کے عام مردوں اور عام عورتوں کی ہو رہی ہے۔
② قَامَ الرَّجُل عَلَى النِّسَاءِ کے معنی مرد نے عورت کو روزی مہیا کی اور یہ مرد کی ذمہ داری ہے اس میں فضیلت کی کوئی بات نہیں۔
③ فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ کے معنی ایک کی دوسرے پر فضیلت ہے مرد کی عورت پر۔ عورت کی مرد پر مرد اپنے دائرہ کار کے لحاظ سے افضل اور عورت اپنے دائرہ کار کے لحاظ سے افضل ہے۔

گویا آپ نے آیت مندرجہ بالا کے پہلو نمبر:۱ سے مرد کی افضلیت یا حاکمیت کو یوں خارج کر کے طاہرہ بیٹی کو خوش کر دیا اب سوال یہ ہے:

- اگر سب تراجم' تفسیریں اور روآیات غلط ہیں تو آپ کی اس تشریح کی صحت کی کیا دلیل ہے؟
- لغوی لحاظ سے بھی قوام کا معنی رزق مہیا کرنے والا نہیں بلکہ قائم رہنے یا رکھنے والا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿ كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ ﴾ (النساء٤/ ١٣٥) "ہمیشہ انصاف پر قائم رہو۔"

امام راغب ﴿ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ﴾ کا معنی راعی اور محافظ بیان کرتے ہیں اور صاحب منجد اس کا معنی "خوبصورت قد والا' معاملہ کا ذمہ دار' کفیل' معاملہ کی ذمہ داری پوری کرنے پر قادر۔ امیر" بتاتے ہیں۔ پرویز صاحب خود بھی ((قام الرجل المرأة)) کے معنی لغات القرآن میں "مرد نے عورت کی کفالت کی' اس کی ضروریات کو پورا کیا اور ان کا ذمہ دار ہوا" لکھتے ہیں گویا اس لفظ میں رزق مہیا کرنے سے زیادہ ذمہ داری اور نگہداشت کا پہلو نکلتا ہے اور یہی بات ہم کہتے ہیں۔

---

[1] طلوعِ اسلام کے اس جملہ کا تجزیہ اس کتاب میں کئی مقامات پر پیش کر دیا گیا ہے۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

- کون کس پر افضل ہے اس بات کا جواب اب خود اسی آیت میں ہے ﴿ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ ﴾ کے ساتھ ہی بِمَا آیا ہے جو ایک تو اس کی وجہ بیان کر رہا ہے اور دوسرے یہ وضاحت کر رہا ہے کہ یہ فضیلت مردوں کو حاصل ہے اور عورتوں پر حاصل ہے۔
- فضیلت کی دوسری وجہ اللہ تعالیٰ نے یہ بتائی ہے کہ مرد عورت کے ذریعہ معاش کا وسیلہ ہے اور پرویز صاحب نے اس کتاب کے ص:۳۹ پر بیان فرمایا ہے کہ یہ معیار تمہارا اپنا پیدا کردہ ہے۔ اللہ نے ایسا نہیں کہا پھر فٹ نوٹ میں لکھتے ہیں:

"اگر یہ اصول صحیح مان لیا جائے کہ کمانے والوں کو کھانے والوں پر فضیلت ہوتی ہے تو بڑے بڑے مدبرین' مفکرین اور ایجادات کرنے والوں پر کاشتکاروں کو ہمیشہ فضیلت ہونی چاہیئے اور میدان جنگ میں لڑنے والوں کا درجہ مزدوروں سے بہت نیچا ہونا چاہیئے کیونکہ' مفکر' مدبر اور سپاہی اناج پیدا نہیں کرتے۔"

غور فرمایا آپ نے کہ عقل کج رو انسان کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہے' کاشتکار زرنقد وصول کر کے اپنا غلہ بیچ دیتا ہے۔ جب اس نے پورا عوض لے لیا تو اب فضیلت کی کیا بات باقی رہ گئی' یہی حال مزدور کا ہے۔ لیکن خاوند اخراجات کے عوض بیوی سے کیا لیتا ہے۔ جیسی ضرورت مرد کو عورت کی ہے' ویسی ہی عورت کو مرد کی بھی ہے۔ جنسی اشتہا مرد وعورت دونوں میں ایک جیسی ہوتی ہے۔ اب مرد کا عورت پر خرچ کرنا فضیلت نہیں تو اور کیا ہے؟ اور اس فضیلت کی اصل وجہ یہ ہے کہ عورت اگرچہ مالدار ہو اور خاوند غریب ہو' تب بھی اخراجات کی ذمہ داریاں مرد ہی کے ذمہ رہیں گی الا یہ کہ عورت اپنی خوشی اور رضامندی سے کچھ خرچ کرے اور یہ اس کا احسان ہوگا۔

(3) **عورت کی فرمانبرداری:** اب اس آیت کے دوسرے حصہ کی طرف آیئے جو یہ ہے:

﴿ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ﴾ (النساء ٤/ ٣٤)

"پس جو نیک بیبیاں ہیں تو وہ مردوں کی فرمانبردار ہیں اور مردوں کی غیر موجودگی میں اللہ کی حفاظت میں اپنے مال و آبرو کی خبرداری کرتی ہیں۔"

اب پرویزی نکتہ آفرینیاں ملاحظہ فرمایئے:

- مردوں کے مالوں سے عورتوں کی ضروریات زندگی پوری ہوں گی اور ان کی صلاحیتیں نشوونما پائیں گی۔ ﴿ فَالصّٰلِحٰتُ ﴾
- وہ اپنی صلاحیتوں کو اس مصرف میں لائیں جس کے لئے وہ خاص صلاحیتیں پیدا کی گئی ہیں یہ معنی ہیں ﴿ قٰنِتٰتٌ ﴾ کے۔
- ﴿ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ﴾ یعنی جب اللہ کے قانون نے جس طرح عورتوں کی حفاظت (پرورش) کا سامان بہم پہنچا دیا کہ وہ اس چیز کی حفاظت کر سکیں جو پوشیدہ طور پر ان کے سپرد کی گئی

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

ہے۔ (یعنی جنین کی حفاظت)" (ایضاً۔ ص:۵۵)

سو یہ ہے وہ "صحیح مفہوم" جو آپ کو نہ کسی ترجمہ میں مل سکتا ہے نہ تفسیر میں خواہ وہ عربی میں کیوں نہ ہو اور نہ ہی کسی روایت میں مل سکتا ہے۔ اس حد تک تو پرویز صاحب کی یہ بات یقیناً درست ہے اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ آیا ان کی یہ تشریح بھی درست ہے یا نہیں؟ تو یہ سمجھ لیجئے کہ یہ تشریح بھی یقیناً غلط ہے اور اس کی وجوہ درج ذیل ہیں:

① نکتہ نمبر۱: میں ضروریات زندگی کے پورا ہونے سے جو صلاحیتوں کے نشوونما پانے کو لازم وملزوم قرار دیا گیا ہے' یہ اصول غلط اور مشاہدہ کے خلاف ہے۔ ﴿ صٰلِحٰتٌ ﴾ عورتوں کی ایک مستقل اور الگ صفت ہے۔ جس کا ضروریات زندگی کے پورا ہونے نہ ہونے سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ ایسی عورت بھی صالح ہو سکتی ہے جس کی ضروریات پوری نہ ہو رہی ہوں اور ایسی عورت جس کی ضروریات زندگی پوری ہو رہی ہوں' وہ مفسدہ بھی ہو سکتی ہے۔

② ﴿ قٰنِتٰتٌ ﴾ پر بحث کرتے ہوئے پرویز صاحب نے خود لغات القرآن میں آخری نتیجہ یہ پیش کیا ہے کہ ابن الفارس نے اس کے بنیادی معنی "اطاعت کرنا" لکھے ہیں اور منجد میں اس کے معنی یہ درج ہیں: "اطاعت کرنا' کمال خاموشی کے ساتھ نماز میں کھڑا ہونا' خدا تعالیٰ کے آگے خشوع وخضوع کرنا۔" لہٰذا پرویز صاحب کا یہ معنی کہ "اپنی مضمر صلاحیتوں کو مصرف میں لانا" ان کی ذاتی اختراع ہے جو صرف موقعہ کی مناسبت کے لحاظ سے اخذ کر لیا گیا ہے۔

③ اللہ کا معنی اللہ کا قانون کرنا بھی آپ کے مخصوص تجریدی نظریہ ارسطو کی غمازی کر رہا ہے جسے لغت سے کچھ تعلق نہیں۔

④ جنین کے لئے قرآن نے ہر مقام پر حمل کا لفظ استعمال کیا ہے پھر آخر اس مقام پر غیب کا لفظ لانے کی کیا مصلحت تھی؟

یہ تفسیر فرمانے کے بعد پرویز صاحب نے ایک اور نکتہ پیدا کیا ہے کہ یہ صفات (یعنی ﴿ صٰلِحٰتٌ' قٰنِتٰتٌ ﴾ اور ﴿ حٰفِظٰتٌ ﴾) قرآن نے سورہ احزاب (۳۳۔۳۵) میں مردوں اور عورتوں کیلئے مشترکہ طور پر بیان فرمائی ہیں تو اگر ﴿ قانتات ﴾ کے معنی عورتوں کو مردوں کا فرمانبردار لیا جائے تو کیا پھر ﴿ قَانِتِیْن ﴾ کے معنی یہ ہوں گے کہ مرد بھی عورتوں کی فرمانبرداری کریں؟ (ص:۸۱)

اب دیکھئے اس مقام پر آپ نے متعلقہ آیت درج نہیں فرمائی بلکہ کسی دوسرے مقام (یعنی۔ ص:۴۱) پر درج فرمائی ہے اور اس مقام پر قانتین اور قانتات یعنی مردوں اور عورتوں کا مطیع وفرمانبردار ہونے کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے لیکن یہاں چونکہ پہلے مردوں کا ذکر چل رہا ہے لہٰذا اس مقام پر قانتات کے معنی مردوں کی اطاعت گزار بیویاں ہی ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر اس مقام پر قانتین کے لفظ بھی موجود ہوتے تو پرویز صاحب کا مقصد پورا ہو سکتا تھا مگر ایسا نہیں ہے۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

(4) مردوں کا عورتوں کو سزا دینے کا اختیار: اب مندرجہ بالا آیت کے تیسرے حصہ کی طرف آیئے۔

ارشاد باری ہے:

﴿ وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا ﴾ (النساء ٤/ ٣٤)

"اور جن عورتوں سے سرکشی کا تمہیں خطرہ ہو تو ان کو نصیحت کرو اور ان کو خواب گاہوں میں اکیلا چھوڑ دو اور ان کو زدوکوب کرو پھر اگر اطاعت کرلیں تو ان کو ایذا دینے کا کوئی بہانہ نہ ڈھونڈو۔"

اب اس حصہ آیت کی تفسیر میں پرویز صاحب نے جو نکات پیش فرمائے وہ یہ ہیں:

① بات میاں بیوی کی نہیں ہو رہی بلکہ معاشرہ کے عام مردوں اور عورتوں کی ہو رہی ہے۔ یعنی معاشرہ کے مرد معاشرہ کی عورتوں کو رزق مہیا کریں۔

② اس کے بعد بھی اگر عورتیں اپنے خصوصی فرائض سے بلا عذر سرکشی اختیار کریں جیسا کہ آج کل بعض مغربی ممالک میں ہو رہا ہے کہ عورتوں نے مرد بننے کے چاؤ میں بلا عذر اپنے فرائض کو چھوڑ دیا، جس سے نسل انسانی کا سلسلہ ہی منقطع ہو جاتا ہے تو معاشرہ ایسا انتظام کرے کہ ان کو سمجھائے۔

③ اگر عورتیں سمجھانے پر باز نہ آئیں تو پھر انہیں ان کی خواب گاہوں میں چھوڑ دیا جائے یہ ایک قسم کی نظر بندی (Internment) کی سزا ہوگی۔

④ اور اگر عورتیں اس پر بھی باز نہ آئیں تو پھر انہیں عدالت کی طرف سے بدنی سزا بھی دی جاسکتی ہے۔

(ایضاً۔ ص:٥٧)

دیکھا آپ نے کہ:

1 آیت کے چند اکٹھے اور مربوط الفاظ میں ضمیریں کبھی تو معاشرہ کی طرف موڑی جا رہی ہیں اور کبھی عدالت کی طرف یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ﴿ فَعِظُوْهُنَّ ﴾ کی ضمیر آخر معاشرہ کی طرف کیوں ہے؟ عدالت کی طرف کیوں نہیں اور ﴿ وَاضْرِبُوْهُنَّ ﴾ کی ضمیر معاشرہ کو چھوڑ عدالت کی طرف کیوں چلی گئی؟

2 اگر معاشرہ کے عام مرد معاشرہ کی عام عورتوں کو رزق مہیا کرنے لگیں تو اس سے زیادہ فحاشی کی صورت اور کیا ہو سکتی ہے؟ جب کہ اس حصول رزق کا مقصد بھی بقول پرویز صاحب عورتوں کی مضمر صلاحیتوں کو نشوونما دینا ہو۔

3 ﴿ فَعِظُوْهُنَّ ﴾ کے تحت اب معاشرہ پر ایک اور ذمہ داری یہ بھی آن پڑی کہ وہ ایسی سرکش عورتوں کو سمجھایا کرے جو مرد بننے کے چاؤ میں اپنے فرائض منصبی چھوڑ دیتی ہیں کیونکہ اس سے نسل انسانی منقطع ہو جاتی ہے۔ لیکن پرویز صاحب کی یہ بات بھی مشاہدہ کے خلاف ہے۔ یورپ کی عورتیں مرد اس لحاظ سے بنتی ہیں کہ وہ مردوں میں آزادانہ اختلاط رکھتی اور ان کی ہی وضع اختیار کرتی ہیں، لیکن

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

جہاں تک ان کے فرائض منصبی پورا کرنے کا تعلق ہے تو وہ نکاح سے بھی زیادہ کرتی ہیں۔ لاتعداد حرامی بچے بھی پیدا ہوتے ہیں' ایسے حرامی بچے نجی یا سرکاری تحویل میں پرورش بھی پاتے رہتے ہیں۔ نسل انسانی بھی بدستور چلتی رہتی ہے۔ اس میں انقطاع بھی نہیں ہوتا تو پھر یہ نشوز کیا ہوا؟

4 عورتوں کو ان کی خواب گاہوں میں چھوڑنے کا مطلب نظربندی' بھی خوب لطیفہ ہے' مگر سوال یہ ہے کہ یہ نظربندی کرے گا کون؟ معاشرہ یا حکومت؟ کیونکہ یہاں میاں بیوی کا تو ذکر ہی نہیں۔

اپنے بیانات کی خود تردید: لطف کی بات یہ ہے کہ خود پرویز صاحب نے مفہوم القرآن میں ﴿ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ ﴾ کا مطلب (مفہوم) یہ لکھا ہے:

"تو اگلا اقدام یہ ہونا چاہیئے کہ ان کے خاوند ان سے علیحدگی اختیار کر لیں اور اس نفسیاتی اثر سے ان میں ذہنی تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کریں۔" (مفہوم القران ۔ ج:۱ ۔ ص:۱۸۹)

گویا مفہوم القرآن کی اس وضاحت نے آپ کے سب کئے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہاں بات خاوند اور بیوی کی ہے تو معلوم ہوا کہ:

① خاوند ہی اپنی بیوی کو رزق دینے کے ذمہ دار ہیں' نہ کہ عام معاشرہ کے عام مرد معاشرہ کی عام عورتوں کو۔

② ﴿ قٰنِتٰتٌ ﴾ سے مراد بیویوں کا خاوندوں کے لئے فرمانبردار ہونا ہے۔

③ نشوز کا معنی خاوند کی حکم عدولی اور سرکشی ہے۔ نہ کہ عورت کے اپنے جنسی فرائض سے سرکشی۔

④ ﴿ فَعِظُوْهُنَّ ۔ وَاهْجُرُوْهُنَّ ۔ وَاضْرِبُوْهُنَّ ﴾ میں جمع مذکر کی سب ضمیریں خاوندوں کی طرف مڑتی ہیں۔ یعنی سرکشی کی صورت میں وہی انہیں نصیحت کریں پھر ان سے ہم بستری چھوڑ دیں پھر بھی باز نہ آئیں تو انہیں مار بھی سکتے ہیں۔

⑤ ﴿ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ ﴾ کا مطلب خاوندوں کا عورتوں سے ہم بستری نہ کرنا ہے۔ نہ کہ (معاشرہ یا حکومت) کا انہیں نظربند کرنا۔

⑥ روایات وتفاسیر میں جو کچھ درج ہے وہ سب ٹھیک ہے۔

(5) عورت کی شہادت: قرآن کریم میں سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۸۲ میں ایک مرد کے بجائے دو عورتوں کی شہادت کو قابل قبول قرار دیا گیا ہے۔ یہ بات بھی چونکہ عورتوں کے حقوق سے تعلق رکھتی ہے لہٰذا پرویز صاحب طاہرہ بیٹی کو دلاسہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کی شہادت عورتوں کے ناقابل اعتماد یا ناقص العقل ہونے کی دلیل نہیں بلکہ (ڈاکٹر ہارڈنگ کی تحقیق کے مطابق) اگر ایک دائرے (یعنی جزئیات کی کماحقہ تبیین) میں عورتیں مردوں سے پیچھے ہیں تو دوسرے دائرے (یعنی انسانی تعلقات کے مسائل کے باب میں) مرد عورتوں

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

سے پیچھے ہیں ایک دائرے میں ایک کی کمی ہے تو دوسرے میں دوسرے کی ﴿ فَضَّلْنَا بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ ﴾ معاشرہ میں ایک دوسرے کی کمی باہمی تعاون سے پوری ہو سکتی ہے۔" (ایضاً۔ ص:٦٧)

اس اقتباس میں جہاں تک ڈاکٹر ہارڈنگ کی تحقیق کا تعلق ہے۔ یہ نہ ہمارے لئے حجت ہے' نہ ہی اس کا جواب دینا ضروری سمجھتے ہیں البتہ اس تحقیق پر پرویز صاحب نے جو خود ساختہ آیت ﴿ فَضَّلْنَا بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ ﴾ فٹ فرمائی ہے' یہ قرآن میں کہیں موجود نہیں پھر نتیجہ یہ پیش کیا ہے کہ "بعض امور میں عورت افضل ہے اور بعض میں مرد" کا جواب ہمیں قرآن کریم' ہی سے مل جاتا ہے اور وہ آیات درج ہیں:

﴿ اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَآءِ ﴾ "مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔" (النساء٤/ ٣٤)

اور یہ تمام بحث جو اوپر گزر چکی۔

﴿ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾ (البقرة٢/ ٢٢٨) "اور مردوں کو عورتوں پر درجہ حاصل ہے۔"

﴿ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ﴾ (البقرة٢/ ٢٢٣) "عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں۔"

وغیرہ تفصیل آخر دی گئی ہے۔ لہٰذا ﴿ فَضَّلْنَا بَعضكُمْ عَلَى بَعْضٍ ﴾ کا مطلب یہی ہے کہ مردوں کو عورتوں پر بالادستی حاصل ہے۔ اب اس بعض علی بعض سے یہ نتیجہ حاصل کرنا کہ کہیں مرد برتر ہیں تو کئی پہلو میں عورت' ڈاکٹر ہارڈنگ کی تحقیق یا پرویزی نظریہ تو کہلا سکتا ہے مگر قرآنی تصریحات اس کا ساتھ نہیں دیتیں۔ دوسرا نکتہ آپ نے یہ پیش فرمایا کہ:

"قرآن نے دو عورتوں کے سلسلہ میں یہ نہیں کہا کہ ان دونوں کی شہادت یکے بعد دیگرے لی جائے تاکہ وہ دو شہادتیں مل کر ایک مرد کی شہادت کے برابر ہو جائیں۔ کہا یہ ہے کہ اگر ایک کو گھبراہٹ کی وجہ سے کہیں الجھاؤ پیش آجائے (یہ ﴿ تُضِلَّ ﴾ کا مفہوم بیان ہو رہا ہے۔ مؤلف) تو دوسری اسے یاد دلا دے۔ یعنی اگر شہادت دینے والی عورت کو گھبراہٹ لاحق نہ ہو تو دوسری عورت کی دخل اندازی کا موقعہ ہی نہ آئے گا اور اس اکیلی کی شہادت کافی قرار پائے گی۔" (ایضاً۔ ص:٢٨)

اس اقتباس کی رو سے پرویز صاحب نے ایک مرد کے عوض دو عورتوں کے عدالت میں حاضر ہونے تک کی بات کو درست تسلیم کر لیا ہے۔ اب حقوق کی بحث تو یہیں ختم ہو جاتی ہے پھر یہ عورت کے حق کا دفاع کیا ہوا؟

رہی یہ بات کہ اگر ایک عورت گھبراتی نہیں تو دوسری کی شہادت کا موقعہ ہی نہ آئے گا اور پہلی کی شہادت مکمل سمجھی جائے گی۔ یہ بات بھی آپ کے اپنے بیان کے خلاف ہے اور وہ بیان یہ ہے کہ "عورت کسی معاملہ کی جزئیات کو سمجھنے اور بیان کرنے میں قاصر ہوتی ہے" لہٰذا دونوں کا بیان عدالت میں ضروری ہوا۔ کہ اگر ایک عورت کچھ جزئیات بتانا بھول جائے تو دوسری کے بیانات سے یہ کمی پوری ہو جائے پھر جو نصابِ شہادت قرآن نے مقرر کر دیا ہے اس میں سے ایک عورت کو خارج کر دینا قرآن کی تحریف کے

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

مترادف ہے۔ اب اس تحریف کی مزید وضاحت بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔ آگے چل کر فرماتے ہیں:

"لڑکیوں کی پرورش زیورات میں کی جائے تو وہ غیر مبین رہیں گی اور اگر زیور تعلیم سے آراستہ کر دیا جائے تو وہ غیر مبین نہیں رہیں گی۔ اس صورت میں دوسری عورت کو ساتھ کھڑا کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ قرآن کے اس قسم کے احکام بعض شرائط کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں۔ جب وہ شرائط باقی نہ رہیں تو وہ احکام بھی نافذ العمل نہیں رہتے۔ جیسے جب پانی مل جائے تو تیمم کا حکم ساقط العمل ہو جاتا ہے۔" (ایضاً۔ ص:۶۸)

دیکھا آپ نے دونوں قسم کے زیوروں میں کتنا فرق ہے؟ یہ دوسری قسم کا زیور اتنا طاقتور ہے کہ حدود اللہ پر اثر انداز ہو سکتا ہے' جس کا اللہ میاں ذکر کرنا بھول گئے۔ (والعیاذ باللہ)

② واضح رہے کہ پرویز صاحب نے قرآنی نظام ربوبیت' لغات القرآن' مطالب الفرقان وغیرہ سب کتابوں کے دیباچہ میں اپنے آپ کو قرآن کا "ادنیٰ طالب علم" ہی کہا ہے۔

دیکھا آپ نے قیاس مع الفارق کی کیسی بدترین مثال پیش کی گئی ہے۔ تیمم کا حکم اس طرح ہے کہ اگر پانی نہ ملے تو تیمم کیا جا سکتا ہے۔ اصل حکم پانی سے وضو کرنا ہے۔ نہ کہ تیمم کرنا۔ تیمم رخصت ہے حکم نہیں۔ آپ نے اس حکم کو بدل کر یوں فرمایا کہ اگر پانی مل جائے تو تیمم ساقط العمل ہو جاتا ہے۔ دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ وضو کے مسئلہ میں یہ استثناء تو مجبوری کی شکل میں ہے لہٰذا قرآن نے اس کی وضاحت سے ذکر کر دیا۔ لیکن شہادت دینے کے معاملہ میں تعلیم یافتہ نہ ہونا کونسی مجبوری ہے جو اس کے لئے استثناء تلاش کیا جائے؟ پھر اگر یہ ایسی ہی مجبوری تھی تو قرآن نے جیسے وضو کے مسئلہ میں پانی نہ ملنے کی صورت میں خود ہی تیمم..... کی رخصت دی ہے تو اگر عورت تعلیم کے ذریعہ ایک شہادت سے مستثنیٰ ہو سکتی تھی تو قرآن نے اس کا ذکر کیوں نہ کیا؟

یہ ہے قرآن کے اس ادنیٰ طالب علم کے اجتہاد کی مثال جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ مرکز ملت امت مسلمہ کے لئے شریعت سازی کے فرائض بجالائے گا اور بزعم خود پرویز صاحب خود اس وقت بھی مرکز ملت کی گدی پر براجمان ہیں جیسا کہ اس کی تفصیل مرکز ملت میں آرہی ہے۔

(6) ذکر کے صیغے: طاہرہ بیٹی نے اپنے باپ جناب پرویز صاحب سے سوال کیا کہ:

قرآن میں جہاں کہیں مردوں اور عورتوں کو مشترکہ طور پر خطاب کیا گیا ہے (وہاں صیغہ جمع مذکر کا ہی استعمال ہوا ہے) تو اس سے خواہ مخواہ مردوں کی بالادستی کا تصور قائم ہو جاتا ہے۔"

اس کے جواب میں آپ اپنی بیٹی کو تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں' یہ صرف قرآن ہی کا معاملہ نہیں۔ بلکہ ہر معاشرہ اور ہر زبان میں یہی دستور چلا آتا ہے تم دیکھتی نہیں کہ جب کوئی مقرر کسی مجمع کو خطاب کرتا ہے تو پہلے ایک بار یہ کہہ لیتا ہے کہ خواتین وحضرات پھر آگے سارے صیغے مذکر کے استعمال کرتا چلا جاتا ہے۔ اس وقت تو

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

تمہیں ایسا کبھی خیال نہیں آیا لیکن قرآن میں: ﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ﴾ دیکھ کر تمہیں ایسا خیال کیوں آنے لگا؟ (ایضاً۔ از صفحہ:۷۱ تا ص:۷۳ ملخصاً)

اب آپ بیٹی کے سوال اور باپ کے جواب پر دوبارہ غور فرما کر بتایئے کہ اس جواب سے بیٹی کے اس تصور کہتری کو اور زیادہ تقویت ملی یا وہ کچھ مطمئن ہو گئی ہوگی؟

(7) جنتی معاشرہ: بیٹی کا سوال یہ ہے کہ:

"قرآن کی رو سے جنتی مردوں کو تو اچھی اچھی عورتیں ملیں گی لیکن جنتی عورتوں کو کیا مرد بھی ملیں گے؟ (ایضاً ص ۷۳)

ظاہر ہے کہ یہ سوال بھی اس احساس کہتری کی پیداوار ہے جو مردوں کی بالادستی کو اجاگر کر رہا ہے۔

اب یہ تو ظاہر ہے کہ بیٹی کے اس تصور کو سوال کی شکل دینے والے بھی والد صاحب خود ہی ہیں۔ جنہوں نے حور عین کا ترجمہ "اچھی اچھی عورتیں" کر لیا ہے۔ حور بمعنی ایسی عورتیں جن کی آنکھوں کی پتلی بہت سیاہ اور سفیدی بہت سفید ہو اور عین بمعنی ایسی عورتیں جن کی آنکھیں موٹی موٹی ہوں اور یہ دونوں باتیں خوبصورتی کی علامت ہیں اور یہ جنت ہی میں ہوں گی۔ اب پرویز صاحب نے ان الفاظ کا ترجمہ اچھی اچھی عورتیں کر کے بیٹی کو یوں مطمئن کیا کہ:

"فرض کرو جنت میں حامد کو عائشہ ملتی ہے تو کیا عائشہ کو حامد بطور خاوند نہ ملے گا۔؟ (ایضاً۔ ص:۷۳)

گویا عورتوں کو بھی یقیناً اچھے اچھے مرد مل جائیں گے۔ پھر جنت کا مفہوم یہ بیان فرماتے ہیں کہ:

یہ جنت دنیا میں ہی مل جاتی ہے۔ جنتی عورتوں کی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ نگاہ نیچی رکھنے والی ہوں گی اور یہاں بھی مومن عورتوں کو یہی حکم ہے۔ جنت کی عورتیں بھی اپنی عصمت کی حفاظت کرنے والی ہوں گی۔ یہاں بھی مومن عورتوں کو یہی حکم ہے۔ مزید برآں اصل بات خیالات کی ہم آہنگی ہے اور اسی وجہ سے مشرکوں سے نکاح حرام ہے۔ یہ باتیں حاصل ہو جائیں تو یہی دنیا دراصل جنتی معاشرہ بن جاتا ہے۔ جس میں اگر مردوں کو پاکیزہ عورتیں ملتی ہیں تو عورتوں کو بھی پاکیزہ مرد ہی ملتے ہیں۔ اب بتاؤ! طاہرہ! تمہارا وہ اعتراض کہاں باقی رہتا ہے؟ (ایضاً۔ ص:۷۷۔ ملخصاً)

اب آپ ہی بتائیں کہ طاہرہ بیٹی کیا بتلائے؟

گویا پرویز صاحب بعد از مرگ ملنے والی جنت کو اسی دنیا میں کھینچ لائے اور یوں ثابت کر دکھایا ہے کہ اگر مردوں کو اچھی اچھی عورتیں ملیں گی تو عورتوں کو بھی اچھے اچھے مرد ہی ملیں گے لہٰذا تمہارے حقوق مردوں کے برابر ہی ہیں' گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔

(8) تعدّد ازواج: تعدد ازواج کے موضوع پر چونکہ طلوعِ اسلام کی طرف سے قرآنی فیصلے میں الگ بھی مضمون شائع ہوا ہے اور میں اس کا جواب بھی الگ لکھ چکا ہوں لہٰذا یہاں تکرار کی ضرورت نہیں سمجھتا۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

(9) حق طلاق مرد کو ہے: شریعت اسلامیہ میں طلاق ایک مکروہ چیز ہے اس لئے اللہ نے زوجین کے اختلاف کی صورت میں زوجین کو ایک ایک حکم تجویز کرنے کا حکم دیا ہے۔ کہ وہ امکانی حد تک ان کے اختلاف دور کر دیں اور ان میں صلح صفائی کرادیں۔ تاہم اگر اختلافات دور نہ ہو سکیں تو آخری حق طلاق مرد کو دیا گیا ہے۔ لیکن پرویز صاحب فرماتے ہیں کہ:

"لیکن اگر ثالثی بورڈ کی کوششیں ناکام رہیں اور وہ اس نتیجے پر پہنچیں کہ ان کی باہمی رفاقت ممکن نہیں تو وہ اپنی رپورٹ عدالت کے سامنے پیش کریں گے (اور اگر انہی کو آخری فیصلہ کا اختیار ہو گا تو خود ہی فیصلہ کر دیں گے) اس طرح معاہدہ (نکاح) فسخ ہو گا۔" (ایضاً۔ ص:۹۷)

دیکھا آپ نے کہ اس مفکر قرآن نے بلادلیل مرد سے حق طلاق کو چھین کر عدالت کو تفویض کر دیا ہے یا پھر دوسری صورت یہ بتلائی ہے کہ اس حق طلاق میں میاں بیوی دونوں برابر کے حصہ دار ہیں۔

اب دیکھئے ان دونوں باتوں کی تردید کے لئے قرآن کی درج ذیل آیت کافی ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿ فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنۢ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُۥ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۳۰)

"پھر اگر وہ (شوہر) اس (عورت کو تیسری) طلاق دے دے تو اس کے بعد جب تک عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے' اس (پہلے شوہر پر) حلال نہ ہوگی۔"

دیکھئے اس آیت میں ﴿ طَلَّقَ ﴾ واحد مذکر غائب کا صیغہ استعمال ہوا ہے لہٰذا طلاق دینے والی اتھارٹی نہ عدالت ہو سکتی ہے نہ معاشرہ اور نہ ہی بیوی کو اس معاملہ میں شریک بنایا جا سکتا ہے۔

یہ عدالت کا شوشہ اس لئے چھوڑا گیا ہے کہ اسلام نے عورت کو بھی خلع کا حق دیا ہے لیکن یہ چونکہ عدالت کے ذریعہ ہی ہو سکتا ہے لہٰذا مرد و عورت کے حقوق میں یکسانی پیدا کرنے کی خاطر عدالت کو اس میں لا گھسیڑا ہے یا پھر مرد اور عورت میں برابر کا حصہ دار قرار دینے سے اس یکسانی کی کوشش کی جا رہی ہے۔

(10) عدّت صرف عورت کے لئے: اس مسئلہ میں پرویز صاحب نے چھاتی پر پتھر رکھ کر یہ تسلیم کر لیا ہے کہ:

"بس یہ ایک حق فائق ہے جو مردوں کو دیا گیا ہے۔ یعنی مرد کے لئے عدت نہیں اور عورت کے لئے عدت ہے۔ عام اصول تو یہ ہے کہ ﴿ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ﴾ (۲:۲۲۸) جو حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں بالکل ویسے ہی حقوق عورتوں کے مردوں پر ہیں۔ لیکن عدت کے زمانے میں اس کا شوہر اس سے پھر شادی کر سکتا ہے۔ ﴿ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾ (ایضاً۔ ص:۹۰)

اب یہ جو مرد کی فضیلت عورت پر ایک درجہ زیادہ ہے۔ اس ایک درجہ کے پرویز صاحب نے پھر دو درجے بنا لئے:

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

- ایک یہ کہ عورت پر عدت ہے اور مرد پر نہیں اور
- دوسرے یہ کہ مرد عدت کے دوران اپنی مطلقہ بیوی سے نکاح کر سکتا ہے اور قابل ذکر کام یہ کیا کہ ﴿ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾ کو صرف عدت کے زمانہ کے ساتھ محصور کر دیا کہ اس عدت کے زمانہ میں تو مرد کو عورت پر درجہ ہے' آگے پیچھے نہیں۔

اب دیکھئے کہ آیت کا تسلسل اس طرح ہے:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ ٱلَّذِى عَلَيْهِنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ وَٱللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٢٨﴾﴾ (البقرة۲/ ۲۲۸)

"اور عورتوں کا حق مردوں پر ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے البتہ عورتوں پر مردوں کو فضیلت ہے۔"

اب یا تو یہ مان لیجئے کہ مرد و عورت کے حقوق کی برابری کا تعلق بھی محض زمانہ عدت سے ہے۔ زمانہ عدت میں تو ان کے حقوق برابر ہوتے ہیں۔ لیکن آگے پیچھے عام حالات میں برابر نہیں ہوتے یا پھر یہ تسلیم کر لیجئے۔ عورتوں پر مردوں کو جو درجہ ہے وہ بھی صرف عدت کے زمانہ کے ساتھ مختص نہیں بلکہ عام حالات میں بھی یہ فضیلت قائم اور استوار ہے اور اس بات کے باوجود بھی کہ عورتوں کے حقوق مردوں پر اور مردوں کے حقوق عورتوں پر ایک جیسے ہی ہیں تاہم مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے۔

(11) <u>عورت کی فضیلت بواسطہ حق مہر:</u> پرویز صاحب اپنی بیٹی طاہرہ کو دلاسہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اسلام کے نزدیک زندگی کے تمام شعبوں میں مرد اور عورت دوش بدوش چلتے ہیں' لیکن نکاح کے معاملہ میں اس نے عورت کی حیثیت مرد سے اونچی رکھی ہے اس نے مرد سے کہا ہے کہ اگر وہ نکاح کرنا چاہتا ہے تو تنہا اپنے آپ کو عورت کے برابر نہ سمجھ لے اسے اپنے ساتھ کوئی تحفہ بھی دے تاکہ اس طرح اس کا وزن عورت کے برابر ہو سکے۔ اس کے پاسنگ کو جس سے مرد کے وزن کی کمی پوری ہوتی ہے مہر کہتے ہیں لہٰذا یہ مساوات یوں بنتی ہے۔ مرد + مہر = عورت" قرآن نے یہ کہیں نہیں کہا کہ نکاح کے وقت عورت اپنے ساتھ کچھ لے کر آئے اس نے مرد سے کہا ہے کہ وہ اپنی قیمت کی کمی مہر سے پوری کرے اگر اس کے پاس دینے کو کچھ نہیں تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آٹھ دس سال تک بیوی کے باپ کا آجر بن کر رہے۔" (ایضاً۔ ص:۱۴۴)

اب دیکھئے مرد کے ذمہ صرف حق مہر ہی نہیں بلکہ عورت کا نان ونفقہ یعنی قیام وطعام کے پورے اخراجات بھی ہیں اور یہ مہر اور نان ونفقہ کے اخراجات مرد کی فضیلت کے حق میں جاتے ہیں' جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَبِمَآ أَنفَقُوا۟ مِنْ أَمْوَٰلِهِمْ ﴾ (۴:۳۵)

دوسری قابل ذکر بات یہ ہے خرچ کرنے والا یا رزق بہم پہنچانے والا مرزوق سے ہمیشہ افضل ہوتا ہے' لہٰذا اگر نکاح کی مساوات بنانا ہی ہے تو وہ یوں بنتی ہے:

مرد = عورت + حق مہر + نان ونفقہ یا قیام وطعام و پوشاک کے اخراجات اب اس مساوات میں دیکھ

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

لیجئے کہ کمی کدھر ہے اور فضیلت کدھر؟

رہا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کا واقعہ تو یہ شریعت کا قانون یا دستور نہیں بلکہ اس سے اصل مقصد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تربیت اور ان کی طبیعت کی سختی کو بکریوں کے ریوڑ چرانے سے نرم کرنا تھا اور یہ تربیت بھی آپ نے ایک نبی کے ہاں ہی پائی اور یہ سب باتیں بذریعہ وحی خفی حسب منشائے الٰہی طے پائیں۔ عام دستور یہی ہے کہ حق مہر کچھ نہ کچھ ہونا چاہیئے۔ خواہ یہ ایک لوہے کا چھلا ہی کیوں نہ ہو اور خواہ یہ نکاح کے وقت ادا کر دیا جائے یا بعد میں حق مہر کی مالیت کا شریعت نے کوئی تعین نہیں کیا اور یہ ہر ایک کی حیثیت کے مطابق ہی ہونا چاہیئے۔ حق مہر کے عوض آجر بن کر رہنے کی کوئی دوسری مثال آپ کو نہ مل سکے گی۔

(12) بچپن کی شادی : پرویز صاحب بچپن کی شادی کو ازروئے قرآن ناجائز قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"دین کا فیصلہ یہ ہے کہ نکاح کی عمر ہی بلوغت کی عمر ہے۔" (۶:۴) یعنی بالغ ہونے سے پہلے لڑکی اور لڑکے کی شادی ہو ہی نہیں سکتی اور صرف بلوغت ہی شرط نہیں بلکہ نکاح ایک معاہدہ ہے جس میں فریقین کی رضا و رغبت نہایت ضروری ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جب یہ معاہدہ انتخاب اور رضامندی سے ہوگا تو فریقین ایک دوسرے کے مزاج، افتاد، طبیعت، تعلیم و تربیت، ماحول، عادات و خصائل ہر بات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کریں گے۔ اگر ہماری خود ساختہ شریعت ہمارے لئے سند نہ بنتی تو ارشد اور صغیرہ کی شادی اس بارہ برس کی عمر میں ہو ہی نہیں سکتی۔" (ایضاً۔ ص:۲۵۵)

یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ خود ساختہ شریعت سے پرویز صاحب کی مراد احادیث ہیں لہٰذا ہم پرویز صاحب کی منشاء کے مطابق قرآن ہی سے بچپن کی شادی کا جواز پیش کریں گے۔ ارشاد باری ہے:

﴿ وَٱلَّٰٓـِٔي يَئِسْنَ مِنَ ٱلْمَحِيضِ مِن نِّسَآئِكُمْ إِنِ ٱرْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَٰثَةُ أَشْهُرٍ وَٱلَّٰٓـِٔي لَمْ يَحِضْنَ ۚ وَأُو۟لَٰتُ ٱلْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ ﴾ (الطلاق ٦٥/ ٤)

"اور تمہاری مطلقہ عورتیں جو حیض سے ناامید ہو چکی ہوں اگر تمہیں (ان کی عدت کے بارے میں) شک ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور ان کی بھی جنہیں ابھی حیض شروع ہی نہیں ہوا اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل تک ہے۔"

اب دیکھئے آیت بالا میں بوڑھی، جوان اور بچی سب طرح کی عورتوں کا ذکر ہے۔ بوڑھی اور بچی کی عدت تین ماہ ہے اور جوان (یعنی بالغ جو قابل اولاد ہو) کی عدت اگر اسے حمل ہے تو وضع حمل تک ہے۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ عدت کا سوال طلاق کے بعد ہی پیدا ہو سکتا ہے اور طلاق کا نکاح کے بعد۔ گویا نابالغ کا نکاح بھی ازروئے قرآن جائز ہے۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

(13) عورت اور ولایت : اس آیت سے دوسرا نتیجہ حق ولایت کا بھی نکلتا ہے یعنی نابالغ لڑکے یا لڑکی کا والد اس بچے کی طرف سے انتخاب کا حق رکھتا ہے اور اس کا نکاح کر سکتا ہے لہٰذا ارشد اور صغیرہ کی شادی قران کی رو سے درست تھی اور اس میں خود ساختہ شریعت کا بھی کچھ دخل نہ تھا۔ اس کے علی الرغم پرویز صاحب کا فتویٰ یہ ہے کہ:

چونکہ کم سنی میں نکاح نہیں ہو سکتا' اس لئے نکاح کے لئے ولی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" (ایضاً۔ ص:۲۸۲)

اور تیسرا نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ کم از کم عورت کے لئے ولایت شرط ہے کیونکہ آیت مذکورہ بالا میں بچیوں کے نکاح' طلاق اور عدت کا ذکر ہے اور کنواری لڑکی کیلئے خواہ وہ بالغ ہو چکی ہو ولایت کی شرط اس لحاظ سے بھی ضروری ہے کہ نکاح کے سلسلہ میں اپنی رضامندی برملا ظاہر کرنے سے اس کی فطری شرم وحیا مانع ہوتی ہے۔

ان تصریحات سے بھی مرد کا عورت پر فوقیت کا پہلو ہی سامنے آتا ہے۔

مرد کی فوقیت کے چند دوسرے پہلو

اب ہم کچھ ایسے امور کا ذکر کریں گے۔ جن سے مرد کی فوقیت ثابت ہوتی ہے اور ان میں سے اکثر قرآن میں مذکور ہیں مگر پرویز صاحب نے ان سے تعرض نہیں فرمایا اور وہ یہ ہیں:

① کوئی عورت نبیہ نہیں ہوئی: قرآن میں ستائیس انبیاء ورسل کے نام مذکور ہیں اور یہ سب مرد ہیں۔ قرآن میں یہ بھی مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بستی کی طرف ہر زمانہ میں نبی بھیجے۔ جن میں سے بیشتر کا نام قرآن میں مذکور نہیں لیکن قرآن میں کہیں خفیف سا اشارہ تک نہیں پایا جاتا کہ کسی عورت کو بھی نبی بنا کر بھیجا گیا ہو۔

② کوئی عورت حاکم بھی نہیں بن سکتی : ارشاد باری ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَأَطِيعُوا۟ ٱلرَّسُولَ وَأُو۟لِى ٱلْأَمْرِ مِنكُمْ ﴾ (النساء٤/ ٥٩)

"اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور تم میں سے جو صاحب امر ہیں ان کی بھی۔"

ممکن ہے یہ کہہ دیا جائے کہ اولی الامر جمع مذکر کا صیغہ ہے۔ جس میں عورتیں بھی شامل ہو سکتی ہیں۔ لیکن یہ امکان بدیں صورت باقی نہیں رہتا کہ دور نبوی بلکہ قرونِ اولیٰ میں بھی کسی عورت کے حاکم یا افسر ہونے کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

③ عورتیں مردوں کی کھیتیاں ہیں: (۲:۲۲۳) اس آیت کی جو توجیہ بھی کی جائے گی اس سے مرد کی

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

فوقیت ہی ثابت ہوگی۔

④ نکاح کے بعد عورت ہی مرد کے گھر آتی ہے: اس کی اصل وجہ تو یہ ہے کہ قیام کی ذمہ داری مرد کے سر ہے۔ تاہم اس سے بھی مرد کی فوقیت ظاہر ہوتی ہے:

⑤ اولاد کا وارث مرد ہوتا ہے:: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ﴾ "اور ان عورتوں کی خوراک اور پوشاک باپ کے ذمہ ہے۔" (البقرۃ ۲/ ۲۳۳)

اس آیت میں ﴿ مَوْلُودٌ لَّهُ ﴾ کا لفظ قابل غور ہے۔ جس سے صاف واضح ہے کہ مولود (لڑکا ہو یا لڑکی) کا وارث باپ ہوتا ہے نہ کہ ماں۔

⑥ تکمیل شہادت: کسی بھی قضیہ اور متنازعہ امر کی شہادت خواہ وہ حدود سے تعلق رکھتا ہو یا تعزیرات سے یا نجی معاملات سے مکمل نہیں ہو سکتی جب تک اس میں مردوں کی شمولیت نہ ہو۔ حدود کے قضایا میں عورت کی شہادت مقبول نہیں۔ لین دین کے معاملات میں بصورت مجبوری عورت کی شہادت مقبول ہے۔ وہ بھی اس صورت میں کہ ایک مرد کے عوض دو عورتیں ہوں۔ طلاق کا معاملہ جو خاص عورتوں سے متعلق ہے اس میں بھی دو مردوں کی شہادت مقبول ہے۔ غرض کوئی قضیہ ایسا نہیں جو مرد کی شہادت کے بغیر پایہ ثبوت کو پہنچ سکے۔ جب کہ تمام قضایا عورت کی شہادت کے بغیر بھی پایہ ثبوت کو پہنچ جاتے ہیں۔

⑦ اہل کتاب سے نکاح: مرد تو کتابیہ عورت سے بوقت ضرورت نکاح کر سکتا ہے' لیکن عورت کو یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ عند الضرورت کسی اہل کتاب سے نکاح کرے۔

یہاں ہم نے زندگی کے بیس گوشوں کا تذکرہ کیا ہے' جب کہ استقصاء سے ان میں مزید اضافہ بھی ہو سکتا ہے۔ ان تمام گوشوں میں قرآن سے مرد کی برتری ثابت ہوتی ہے۔ اب اگر کوئی مفکرِ قرآن ہر ہر بات میں مرد اور عورت میں یکسانی کی کوشش کرنے لگ جائے تو اسے قرآنی آیات کی تاویل میں جتنی ذہنی کاوش کرنی پڑے گی اور جیسی کچھ وہ تاویلات ہو سکتی ہیں۔ وہ ظاہر ہے۔

ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ مذکورہ بالا تمام تر گوشوں میں عورت کا اپنا قصور نہیں' کیونکہ ایسے معاملات میں شریعت نے اسے اس کی جسمانی ساخت اور جبلی فطرت کے لحاظ سے مجبور و معذور سمجھا ہے پھر کچھ امور کا تعلق شرعی مصالح سے بھی ہے لہٰذا ان نکات کے باوجود بھی عورت کو کمتر درجہ کی مخلوق قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بہت سے معاملات میں عورت کو شریعت نے مرد کے برابر بھی قرار دیا ہے۔ تاہم یہ حقیقت پھر بھی باقی رہ جاتی ہے کہ ایک آدمی ایک کام کر نہیں سکتا اور دوسرا وہ کام کر سکتا ہے اور پھر اسے احسن طریقے سے سرانجام بھی دیتا ہے تو دوسرے کو پہلے سے بہرحال افضل سمجھا جائے گا۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

عورت کی برتری:

پھر کچھ امور ایسے بھی ہیں جن میں عورت کا درجہ مرد سے بھی بڑھ کر ہے' اس بات کے باوجود کہ باپ اپنی اولاد کا جائز وارث ہے۔ اولاد کو یہ حکم ہے کہ وہ اپنی ماں کی خدمت باپ سے زیادہ کرے بلکہ یہ ماں کی خدمت کا حق باپ سے تین گنا زیادہ ہے۔ اس طرح عورت ہر مرد کے لئے قابلِ احترام ہستی ہے۔ اور اس کا فرض ہے کہ مشکل وقت میں عورتوں کی تکالیف کا لحاظ رکھے۔ لیکن یہ باتیں منکرین حدیث قسم کے لوگوں کے کام کی نہیں ہیں۔ ہم ان باتوں کا ذکر اس لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر ہم عورت کو بعض امور میں مرد سے فروتر سمجھتے ہیں تو بعض دوسرے امور میں اسے مرد سے بالاتر بھی سمجھتے ہیں کیونکہ ہماری پوری شریعت نے ہمیں یہی کچھ بتایا ہے جس میں ہم کسی طرح کی تاویل کے قائل نہیں۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

باب : چہارم

نظریۂ ارتقاء

کسی چیز کے بتدریج آگے بڑھنے کا نام ارتقاء ہے۔ انسان کا بچہ عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتا جاتا ہے۔ یہ اس کا جسمانی ارتقاء ہے پھر وہ تعلیم کی طرف آتا ہے۔ پہلی جماعت میں بیٹھتا ہے اور آہستہ آہستہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرتا ہے۔ یہ اس کا علمی ارتقاء ہے۔ کسی انسانی ذہن نے پہیہ کی ساخت اور اس کے فوائد پر غور کیا پھر اسے عملی شکل دی' تو آج انسان نے محیر العقول مشینیں ایجاد کر لی ہیں یہ انسان کا ذہنی ارتقاء ہے۔

ارتقاء کا یہ قانون صرف انسان میں نہیں بلکہ تمام موجودات میں پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان دو دنوں (Periods) میں بنائے اس کے بعد چار دنوں میں زمین اور اس میں بالیدگی کی قوتوں کو بنایا اس سے ارتقاء کا قانون واضح طور پر ثابت ہے۔

پھر یہ بات بھی ہمارے مشاہدہ میں آچکی ہے کہ ان قدرتی قوانین میں کچھ نہ کچھ مستثنیات بھی آجاتے ہیں۔ مثلاً تمام مائعات کی یہ خاصیت ہے کہ وہ جم کر یا ٹھوس شکل اختیار کر کے سکڑ جاتے ہیں اور ان کا حجم کم ہو جاتا ہے۔ لیکن پانی جم کر پھیل جاتا ہے۔ یہ اس عام قانون سے مستثنیٰ ہوا پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بالکل صحیح عقل وحواس اور ذہن رکھنے والے میاں بیوی کے ہاں بلید الذہن بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ ارتقاء کے عام قانونِ قدرت سے مستثنیٰ ہوا۔ اس طرح سنکھیا کی یہ خاصیت ہے کہ انسان کو ہلاک کر دیتا ہے۔ مگر کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ وہ کسی انسان کے لئے تریاق بن جاتا ہے۔ یہ استثنائی صورت ہوئی۔ ان سب مثالوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عام قوانین فطرت میں شاذ و نادر ہی سہی' تاہم مستثنیات کا وجود بھی ممکن ہے۔

کیا انسان اولادِ ارتقاء ہے؟ : اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا انسان بھی اس ارتقائی قانون فطرت کے تحت حیوانیت سے انسانیت کی منزل میں پہنچا ہے یا اس کی تخلیق مستثنیات کے تحت بحیثیت انسان ہی ہوتی ہے۔ اس سوال کے جواب میں کئی نظریات معرض وجود میں آچکے ہیں۔ مثلاً:

① ایک طبقہ تو مذہبی لوگوں کا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے بہ حیثیت انسان ہی پیدا کیا ہے۔ اس تصور کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا پھر اس سے اس کی بیوی پیدا کی' پھر اس

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

جوڑے سے بنی نوع انسان تمام دنیا میں پھیلی۔ عام ارتقائی قانون نے انسان کو مستثنیٰ قرار دینے کے لئے ان کے ہاں دلیل یہ ہے کہ انسان کائنات کا ایک حصہ ہونے کے باوجود دوسرے تمام حیوانات اور دیگر اشیاء سے کئی باتوں میں الگ ہے۔ مثلاً: اس میں قوت اختیار وارادہ ہے۔ عقل وشعور ہے' پھر بادی النظر میں قرآن کے مطالعہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو بنا کر اس میں اپنی روح پھونکی جو دوسری کسی چیز میں نہیں پھونکی گئی اور اسی سے اسے عقل وشعور اور اختیار وارادہ عطا کیا گیا۔ یہ چیز اسے عام ارتقائی قانون سے مستثنیٰ کر دیتی ہے' اس نظریہ کی حمایت بعض مغربی مفکرین نے بھی کی ہے۔

② دوسرا گروہ مادیین کا ہے جو اسے خالص ارتقائی شکل کا نتیجہ قرار دیتے ہیں کیونکہ کائنات میں بالعموم یہی قانون جاری وساری ہے۔ ان کے نظریہ کے مطابق زندگی اربوں سال پہلے ساحل سمندر سے نمودار ہوئی پھر اس سے نباتات اور اس کی مختلف انواع ظہور پذیر ہوئیں۔ پھر حیوانات پیدا ہوئے انہی حیوانات سے انسان غیر انسانی اور نیم انسانی حالت کے مختلف مدارج سے ترقی کرتا ہوا مرتبہ انسانیت تک پہنچا ہے۔ اس تدریجی سفر کے طویل سفر میں کوئی نقطہ متعین نہیں ہو سکتا جہاں سے غیر انسانی حالت کا وجود ختم کر کے نوع انسانی کا آغاز تسلیم کیا جائے۔

بعض مسلمان مفکرین مثلاً: ابن خلدون' ابن مسکویہ اور حافظ مسعودی نے بھی اشیائے کائنات میں مشابہت دیکھ کر اس نظریہ ارتقاء کی کسی حد تک تائید کی ہے' اس سے بھی آگے چلئے تو تاریخ کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے ارسطو (۳۸۴۔۳۲۲ ق م) نے یہ نظریہ پیش کیا تھا (زریں معلومات از عطش درانی ص۷) اور انسائیکلو پیڈیا اردو (مطبوعہ فیروز سنز زیر عنوان ارتقائیت) کے مطابق قدیم زمانہ میں میلنس' عناکسی میندر' عناکسی میلنس' ایمپی دوکل اور جو ہر پسند فلاسفہ مسئلہ ارتقاء کے قائل تھے۔

سرچارلس ڈارون : انیسویں صدی عیسوی میں سرچارلس ڈارون (۱۸۰۸۔۱۸۸۲ء) نے اصل الانواع (Origin of spicies) لکھ کر اس نظریہ کو باضابطہ طور پر پیش کیا پھر اس نظریہ ارتقاء کو تسلیم کرنے والوں میں بھی کافی اختلافات ہوئے۔ ڈارون نے بندر اور انسان کو ایک ہی نوع قرار دیا کیونکہ حس وادراک کے پہلو سے ان دونوں میں کافی مشابہت پائی جاتی ہے۔ گویا ڈارون کے نظریہ کے مطابق انسان بندر کا چچیرا بھائی ہے' لیکن کچھ انتہا پسندوں نے انسان کو بندر ہی کی اولاد قرار دیا ہے۔ کچھ ان سے بھی آگے بڑھے تو کہا کہ تمام سفید فام انسان تو چمپنزی (Chimpenzy) سے پیدا ہوئے ہیں' سیاہ فام انسان کا باپ گوریلا ہے اور لمبے ہاتھوں اور سرخ بالوں والے انسان تنگنان بندر کی اولاد ہیں۔ [1]

---

[1] مورخین نے تو ان مختلف اللون انسانوں کو نوح کے بیٹوں' جام' سام' یافث کی اولاد بتایا ہے مگر یہ مادہ پرست انہیں چمپنزی گوریلا اور تنگنان کی اولاد قرار دیتے ہیں۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

پھر کچھ مفکرین کا یہ خیال بھی ہے کہ انسان بندر کی اولاد نہیں بلکہ بندر انسان کی اولاد ہے۔ (انسان اور نظریہ ارتقاء ۔ ص:۱۱۸) اور اس رجعت قہقری کی مثالیں بھی کائنات میں پائی جاتی ہیں۔ قرآن سے بھی اس نظریہ کی کسی حد تک تائید ہو جاتی ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ﴿ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ ﴾ (بقرہ:۶۵) "ہم نے ان (بدکردار بنی اسرائیل) سے کہا کہ ذلیل بندر بن جاؤ۔"

اس آیت کی تفسیر میں راجح قول یہی ہے کہ ان کے ذہن تو وہی پہلے ہی رہے تھے مگر جسمانی حالت بدل دی گئی اور وہ بندر بن گئے۔

③ تخلیق کائنات بشمولیت انسان کا ایک تیسرا نظریہ' نظریہ آفت گیری (Catortroplism) ہے جس کے بانی کوپر[1] ہیں۔ اس نظریہ کے مطابق تمام اقسام کے تابے الگ الگ طور پر تخلیق ہوئے یہ ارضی وسماوی آفات میں مبتلا ہو کر نیست ونابود ہو گئے پھر کچھ اور حیوانات تخلیق ہوئے یہ بھی کچھ عرصہ بعد نیست ونابود ہو گئے۔ اسی طرح مختلف ادوار میں نئے حیوانات پیدا ہوئے اور ہوتے رہے ہیں۔ (اسلام اور نظریہ ارتقاء ۔ ص:۸۵) اس نظریہ کی بھی تائید قرآن کریم کی بعض آیتوں سے ہو جاتی ہے۔

چونکہ ڈارون کے نظریہ نے مذہبی دنیا میں ایک طرح کا اضطراب پیدا کر دیا ہے' لہٰذا ہم اس کا ذرا تفصیل سے جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ پہلے اس نظریہ کو ذرا تفصیل سے پیش کریں گے پھر اسے زیر بحث لایا جائے گا۔

نظریہ ارتقاء کیا ہے؟ : زندگی کی ابتدا ساحل سمندر پر پایاب پانیوں سے ہوئی۔ پانی کی سطح پر کائی نمودار ہوئی پھر اس کائی کے نیچے سے حرکت پیدا ہوئی۔ یہ زندگی کی ابتدا تھی پھر اس سے نباتات کی مختلف شکلیں بنتی گئیں۔ جرثومہ حیات ترقی کر کے حیوانچہ بن گیا پھر یہ حیوان بنا' یہ حیوان ترقی کرتے کرتے پردار اور بازوؤں والے حیوانات میں تبدیل ہوا پھر اس نے فقری جانور کی شکل اختیار کی پھر انسان کے مشابہ حیوان بنا اور اس کے بعد انسان اول بنا۔ جس میں عقل وفہم اور تکلم کی صلاحیتیں نہیں تھیں۔ بالآخر وہ صاحب فہم وذکاء انسان بن گیا۔ ان تمام تبدیلات' تغیرات اور ارتقائے زندگی میں کتنی مدت صرف ہوئی' اس کا اندازہ کچھ اس طرح بتایا جاتا ہے:

آج سے دو ارب سال پیشتر سمندر کے کنارے پایاب پانی میں کائی کی نمود شروع ہوئی' یہ زندگی کا آغاز تھا۔ ۶۰ کروڑ سال قبل یک خلوی جانور پیدا ہوئے۔ مزید ۳ کروڑ سال بعد اسفنج اور دیگر سہ خلوی جانور پیدا ہوئے۔ ۴۵ کروڑ سال قبل پتوں کے بغیر پودے ظاہر ہوئے اور اسی دور میں ریڑھ کی ہڈی والے جانور پیدا ہوئے۔ ۴۰ کروڑ سال قبل مچھلیوں' کنکھجوروں کی نمود ہوئی ۳۰ کروڑ سال قبل بڑے بڑے دلدلی جانور پیدا ہوئے۔ یہ عظیم الجثہ جانور ۸۴ فٹ تک لمبے اور ۳۵ ٹن تک وزنی

---

[1] (Cupier) (۱۷۹۶-۱۸۳۲) فرانس کا ماہر تشریح الاعضاء۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

تھے۔ ۱۳ کروڑ سال بعد یا آج سے ۱۷ کروڑ سال پہلے ان عظیم الجثہ جانوروں کا خاتمہ ہو گیا۔ ۴ کروڑ سال قبل ہاتھیوں، گھوڑوں اور بندروں کی نمود ہوئی ڈھائی کروڑ سال قبل بے دم بوزنے (APC) نمودار ہوئے اور ڈیڑھ کروڑ سال بعد یعنی آج سے ایک کروڑ سال پہلے بے دم بوزنا سیدھا ہو کر چلنے لگا۔ (یہی وہ بندر ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ انسان کا جد اعلیٰ ہے) اس سے ۳۰ لاکھ سال بعد یا آج سے ستر لاکھ سال پہلے اس بے دم بوزنے کی ایک قسم تپھکن تھروپس سے پہلی انسانی نسل پیدا ہوئی۔ مزید ۵۰ لاکھ سال یا آج سے ۲۰ لاکھ سال پہلے، پہلی باشعور انسانی نسل پیدا ہوئی جس نے پتھر کا ہتھیار اُٹھایا۔ مزید ۲۰ لاکھ سال بعد اس میں ذہنی ارتقاء ہوا اور انسانی نسل نے غاروں میں رہنا شروع کیا۔ (زریں معلومات از عطش درانی۔ ص ۷ تا ۹)

ڈارون نے سب سے پہلے کتاب اصل الانواع ۱۸۵۹ء میں لکھی، پھر اس کے بعد اصل الانسان (Man Origin of) اور تسلسل انسانی (Descent Of Man) لکھ کر اپنے نظریہ کی تائید مزید کی۔ ڈارون نے اس نظریہ ارتقاء کو مندرجہ ذیل چار اصولوں پر استوار کیا ہے:

نظریہ ارتقاء کے اصول

1 تنازع للبقاء (Struggal For Existence)

اس سے مراد زندگی کی بقاء کے لئے کشمکش ہے۔ جس میں صرف وہ جاندار باقی رہ جاتے ہیں جو زیادہ مکمل اور طاقتور ہوں اور کمزور جاندار ختم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً کسی جنگل میں وحشی بیل ایک ساتھ چرتے ہیں پھر جو ان میں طاقتور ہوتا ہے وہ گھاس پر قبضہ جما لیتا ہے اور اس طرح مزید طاقتور ہو جاتا ہے۔ مگر کمزور، خوراک کی نایابی کے باعث کمزور تر ہو کر بالآخر ختم ہو جاتا ہے، اسی کشمکش کا نام تنازع للبقاء ہے۔

2 طبعی انتخاب (Natural Selection)

اس سے اس کی مراد یہ ہے کہ مثلاً: اوپر کی مثال میں وحشی بیل دور کی مسافت طے کرنے اور دشوار گزار راستوں سے گزرتے ہیں تو جو طاقتور ہوتے ہیں وہی یہ مسافت طے کر پاتے ہیں اور اپنے آپ کو خطرات سے محفوظ کر لیتے ہیں۔ گویا فطرت خود طاقتور اور مضبوط کو باقی رکھتی اور کمزور و ناقص کو ختم کر دیتی ہے۔

اگرچہ مندرجہ بالا دو الگ الگ اصول بتائے گئے ہیں مگر دونوں کا نتیجہ دراصل ایک ہی ہے جو بمصداق ؎

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

کمزور جنس کے ختم ہو جانے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

3 ماحول سے ہم آہنگی (Adaptation)

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ شیر ایک درندہ گوشت خور جانور ہے۔ فطرت نے اسے شکار کے لئے پنجے

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

اور گوشت کھانے کے لئے نوکیلے دانت عطا کیے ہیں۔ اب اگر اسے مدت دراز تک گوشت نہ ملے تو اس کی دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو وہ بھوک سے ختم ہو جائے گا یا نباتات کھانے لگ جائے گا۔ اس دوسری صورت میں اس کے تیز دانت اور پنجے رفتہ رفتہ خود بخود ختم ہو جائیں گے اور ایسے نئے اعضاء وجود میں آنے لگیں گے جو موجودہ مشیت کے مطابق ہوں' اس کی آنتیں بھی طویل ہو کر سبزی خور جانوروں کے مشابہ ہو جائیں گی۔ اسی طرح اگر شیر کو خوراک ملنے کی واحد صورت یہ ہو کہ یہ اسے کسی درخت پر چڑھ کر حاصل کرنی پڑے تو ایسے اعضاء پیدا ہونے شروع ہو جائیں گے جو درختوں پر چڑھنے میں مدد دے سکیں۔

4 قانونِ وراثت (Law of Heritence)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اصول نمبر۲ کی رو سے یعنی حیثیت اور ماحول کے اختلاف سے جو تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں وہ نسلاً بعد نسل آگے منتقل ہوتی جاتی ہیں۔ تاآنکہ یہ اختلاف فروعی نہیں بلکہ نوعی بن جاتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ دو الگ الگ نسلیں ہیں جیسے گدھا اور گھوڑا ایک ہی نوع ہیں۔ مگر گدھا گھوڑے سے اس لئے مختلف ہو گیا کہ اس کی معاشی صورت حال بھی بدل گئی اور اصول معاش کے لئے اس کی جدوجہد میں بھی اضافہ ہو گیا۔

یہ ہے ڈارون کے نظریہ ارتقاء کا خلاصہ جو اس وقت بھی صرف نظریہ ہی تھا اور آج بھی نظریہ ہی ہے اس نظریہ کو کوئی ایسی ٹھوس بنیاد مہیا نہیں ہو سکی جس کی وجہ سے یہ نظریہ سائنس کا قانون (Law Scientific) بن سکے۔ اس نظریہ پر بعد کے مفکرین نے شدید اعتراضات کیے ہیں۔ مثلاً:

نظریہ اِرتقاء پر اعتراضات : ① زندگی کی ابتدا کیسے ہو گئی؟ معلول تو موجود ہے لیکن علت کی کڑی نہیں ملتی۔ گویا اس نظریہ کی بنیاد ہی سائنسی لحاظ سے کمزور ہے۔ اس سلسلہ میں پرویز صاحب اپنی کتاب (انسان نے کیا سوچا) کے (صفحہ:۵۵) پر رقم طراز ہیں:

> "یہ تو ڈارون نے کہا تھا لیکن خود ہمارے زمانے کا ماہر ارتقاء (Simpson) زندگی کی ابتداء اور سلسلہ علت ومعلول کی اولین کڑی کے متعلق لکھتا ہے زندگی کی ابتداء کیسے ہو گئی؟ نہایت دیانتداری سے اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں اس کا کچھ علم نہیں..... اس معمہ کو حل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور رفتہ رفتہ اس کے قریب پہنچا جا رہا ہے..... لیکن اس معمہ کا آخری نقطہ (یعنی زندگی کا نقطہ آغاز) وہ ہے جو سائنس کے انکشافات کی دسترس سے باہر ہے اور شاید انسان کے حیطہ ادراک سے ہی باہر..... کائنات کے آغاز اور سلسلہ علتِ ومعلول کی اولین کڑی کا مسئلہ لاینحل ہے اور سائنس اس تک نہیں پہنچ سکتی..... یہ اولین کڑی راز ہے اور میرا خیال ہے کہ ذہن انسانی اس راز کو کبھی نہیں پا سکے گا۔ ہم اگر چاہیں تو اپنے اپنے طریق پر اس علتِ اولیٰ کے حضور اپنے سر جھکا سکتے ہیں لیکن اسے اپنے ادراک کے دائرے میں کبھی نہیں لا سکتے۔"

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

گویا نظریہ ارتقاء کے مادہ پرست قائلین کو آج تک اس کے لئے کوئی سائنسی اور حسی دلیل مہیا نہیں ہو سکی۔

② دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ارتقاء کا کوئی ایک واقعہ بھی آج تک کسی انسان نے مشاہدہ نہیں کیا یعنی کوئی چڑیا ارتقاء کر کے مرغا بن گئی ہو یا گدھا ارتقاء کر کے گھوڑا بن گیا ہو یا لوگوں نے کسی بندر کو انسان بنتے دیکھا ہو۔ نہ ہی یہ معلوم ہو سکا ہے کہ فلاں دور میں ارتقاء ہوا تھا۔ جس طرح جملہ حیوانات ابتدائے آفرینش سے تحقیق کیے گئے ہیں۔ آج تک اسی طرح چلے آتے ہیں' ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ البتہ بعض ایسی مثالیں ضرور ملتی ہیں جو نظریہ ارتقاء کو رد کر دیتی ہیں۔ مثلاً: ریشم کا کیڑا جو عموماً موسم برسات میں شہتوت کے پتوں پر گزر اوقات کرتا ہے۔ جب ساٹھ دن کا ہو جاتا ہے تو اسکا رنگ سیاہ سے سفید ہو جاتا ہے۔ اس کے منہ سے ایک مادہ تاروں کی شکل میں نکلتا ہے۔ جسے یہ اپنے جسم کے گرد لپیٹنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ تار ساتھ ہی ساتھ خشک ہوتے جاتے ہیں۔ ریشم کے کیڑے کے گرد تاروں کا یہ جال جب اخروٹ کے برابر ہو جاتا ہے تو اس کے اندر کیڑا مرجاتا ہے اور اس کے سیاہ مادے سے ایک سفید تلی بن جاتی ہے۔ جب یہ باہر نکلتی ہے تو نر و مادہ کا ملاپ ہوتا ہے پھر مادہ انڈے دیتی ہے اور دونوں نر و مادہ مرجاتے ہیں۔ اس کیڑے کا بالخصوص اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ انسان زمانہ قدیم سے ریشم حاصل کر رہا ہے اور اس کیڑے کی داستان حیات اس کے سامنے رہتی ہے۔ اس کیڑے کی داستان حیات میں نہ طبعی تبدیلی ہوئی نہ ہی ارتقاء کا عمل کبھی پیش آیا۔ اسی طرح بعض کمتر درجے کے بحری جانور جو ابتدائے زمانہ میں پائے جاتے تھے آج بھی اسی شکل میں موجود ہیں۔ ان پر ارتقاء کا کوئی عمل نہیں ہوا۔ حشرات الارض کا وجود بھی نظریہ ارتقاء کی تردید کرتا ہے۔ اسی لئے بعض مفکرین ارتقاء کے منکر ہیں' اس کے بجائے تخلیق خصوصی (Special creation) کے قائل ہیں۔ یعنی ہر نوع زندگی کی تخلیق بالکل الگ طور پر ہوئی ہے۔ ایک مفکر (Deviries) ارتقاء کے بجائے انتقال (Mutation) کا قائل ہے جسے آج کل فجائی ارتقاء (Emergent Evolution) کا نام دیا جاتا ہے۔

③ نظریہ ارتقاء پر تیسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ ان کی درمیانی کڑیاں موجود نہیں۔ مثلاً جوڑوں والے اور بغیر جوڑوں والے جانوروں کی درمیانی کڑی موجود نہیں' فقری اور غیر فقری جانوروں کی درمیانی کڑی بھی مفقود ہے۔ مچھلیوں اور ان حیوانات کی درمیانی کڑی بھی غائب ہے جو خشکی اور پانی کے جانور کہلاتے ہیں۔ اسی طرح رینگنے والے جانوروں اور پرندوں' رینگنے والے ممالیہ جانوروں کی درمیانی کڑیاں بھی مفقود ہیں۔ فلسفہ ارتقاء کی یہ اصل دشواری ہے جو سو سال سے زیر بحث چلی آرہی ہے۔

بعض نظریہ ارتقاء کے قائلین اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ درمیانی کڑی کا جب کام پورا ہو چکتا ہے تو وہ از خود غائب ہو جاتی ہے۔ اس جواب میں جتنا وزن یا معقولیت ہے اس کا آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں۔

④ چوتھا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ جب اس نظریہ کی رو سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ پہلا انسان کمزور

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

جسم اور ناقص العقل تھا تو اس نے شیروں اور چیتوں کے درمیان گزارہ کیسے کیا اور اس کمزوری اور بے عقلی کے باوجود تنازع للبقاء میں کامیاب کیسے ہو گیا۔؟

⑤ پانچواں اعتراض بڑا وزنی ہے اور وہ یہ ہے کہ ابتدائے زندگی سے بندر تک جو شعوری ترقی دو ارب سال میں واقع ہوئی ہے بندر اور انسان کا درمیانی شعوری فرق اس سے بہت زیادہ ہے۔ جس کے لئے ارب ہا سال کی مدت درکار ہے۔ جب کہ زمین کی عمر صرف ۳ ارب سال بتائی جاتی ہے۔ یہ ذہنی ترقی انسان میں یکدم کیونکر آگئی؟

⑥ ڈارون نے نظریہ ارتقاء کے لئے جو اصول بتائے ہیں وہ مشاہدات کی رو سے صحیح ثابت نہیں ہوتے مثلاً:

✿ ایک اصول قانون وراثت ہے۔ ڈارون کہتا ہے کہ لوگ کچھ عرصہ تک کتوں کی دم کاٹتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کتے بے دم پیدا ہونے لگے۔ جس پر اعتراض یہ ہوتا ہے کہ عرب اور عبرانی لوگ صدیوں سے ختنہ کرواتے چلے آئے ہیں لیکن آج تک کوئی مختون بچہ پیدا نہیں ہوا۔؟

✿ ماحول سے ہم آہنگی پر یہ اعتراض ہے کہ انسان کے پستانوں کا بدنما داغ آج تک کیوں باقی ہے۔ جس کی کسی دور میں بھی ضرورت پیش نہیں آئی اور انسان سے کمتر درجے کے جانوروں (نروں) میں یہ داغ موجود نہیں تو انسان میں کیسے آگیا؟ علاوہ ازیں یہ کہ ایک ہی جغرافیائی ماحول میں رہنے والے جانوروں کے درمیان فرق کیوں ہوتا ہے؟

⑦ رکاز کی دریافت بھی نظریہ ارتقاء کو بالکل باطل قرار دیتی ہے۔ رکاز (Paloentlogy) سے مراد انسانی کھوپڑیاں یا جانوروں کے وہ پنجر اور ہڈیاں ہیں جو زمین میں مدفون پائی جاتی ہیں۔ نظریہ ارتقاء کی رو سے کمتر درجے کے جانوروں کی ہڈیاں زمین کے زیریں حصہ میں پائی جانی چاہئیں جب کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ایسی ہڈیاں عموماً زمین کے بالائی حصہ میں ملی ہیں۔ ارتقائی یہ بھی کہتے ہیں کہ انسان لاکھوں سال قبل جسمانی اور عقلی لحاظ سے ناقص تھا۔ بالآخر تکمیل کی طرف آیا۔ رکاز کی دریافت اس بات کی بھی تردید کرتی ہے کیونکہ بالائی طبقوں میں جو رکاز ملے ہیں وہ غیر مکمل اور ناقص انسان کی یادگار ہیں اور زیریں طبقوں میں اعلیٰ انسان کے رکاز ملے ہیں' حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہونا چاہیئے تھا۔

نظریہ ارتقاء اور مغربی مفکرین : یہ ہیں وہ اعتراضات جنہوں نے اس نظریہ کے انجر پنجر تک ہلا دیئے ہیں۔ گزشتہ ڈیڑھ صدی نے اس نظریہ میں استحکام کی بجائے اس کی جڑیں بھی ہلا دی ہیں۔ اب اس نظریہ کے متعلق چند مغربی مفکرین کے اقوال بھی ملاحظہ فرما لیجیے:

1 ایک اطالوی سائنسدان روزا کہتا ہے کہ گزشتہ ساٹھ سال کے تجربات نظریہ ڈارون کو باطل قرار دے چکے ہیں۔ (اسلام اور نظریہ ارتقاء)

2 ڈی وریز (Devries) ارتقاء کو باطل قرار دیتا ہے وہ اس نظریہ کے بجائے (Mutation) یا انتقال

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

نوع کا قائل ہے۔ (ایضاً)

3 ولاس (Wallace) عام ارتقاء کا قائل ہے لیکن وہ انسان کو اس سے مستثنیٰ قرار دیتا ہے۔ (ایضاً۔ ص:۶۱)

4 فرخو کہتا ہے کہ انسان اور بندر میں بہت فرق ہے اور یہ کہنا بالکل لغو ہے کہ انسان بندر کی اولاد ہے۔

5 میفرٹ کہتا ہے کہ ڈارون کے مذہب کی تائید ناممکن ہے اور اس کی رائے بچوں کی باتوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔

6 آغاسیز کہتا ہے کہ ڈارون کا مذہب سائنسی لحاظ سے بالکل غلط اور بے اصل ہے اور اس قسم کی باتوں کا علم سائنس سے کوئی تعلق نہیں ہوسکتا۔ (ایضاً۔ ص:۶۲)

7 ہکسلے (Huxley) کہتا ہے کہ جو دلائل ارتقاء کے لئے دیے جاتے ہیں ان سے یہ بات قطعاً ثابت نہیں ہوتی کہ نباتات یا حیوانات کی کوئی نوع کبھی طبعی انتخاب سے پیدا ہوئی ہو۔ (ایضاً۔ ص:۱۱۸)

8 ٹنڈل کہتا ہے نظریہ ڈارون قطعاً ناقابل التفات ہے کیونکہ جن مقدمات پر اس نظریہ کی بنیاد ہے وہ قابل تسلیم ہی نہیں ہیں۔

نظریہ ارتقاء کی مقبولیت کے اسباب: اب سوال یہ ہے کہ اگر یہ نظریہ ارتقاء اتنا ہی غیر سائنٹیفک ہے تو یہ مقبول کیسے ہوگیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا پرچار کرنے والوں میں مادہ پرست' دہریت پسند اور اشتراکیت نواز سب شامل ہو جاتے ہیں۔ دہریت' مادہ پرستی' لاادریت اور اشتراکیت بذات خود الگ الگ مذہب ہیں' یہ نظریہ چونکہ الحاد اور خدا سے انکار کی طرف لے جاتا ہے لہٰذا انہیں ایک دلیل کا کام دیتا ہے۔

ڈارون خود پہلے خدا پرست تھا جب اس نے کتاب اصل الانواع لکھی تو اس وقت وہ لا ادریت کی طرف مائل ہوگیا پھر جب اس نے اور بھی دو کتابیں لکھیں اور اپنے نظریہ میں پختہ ہوگیا تو خدا کا منکر بن گیا اور اہل کلیسا نے اس پر کفر والحاد کا فتویٰ لگا دیا۔

نظریہ ارتقاء اور مفکرین قرآن

ہمارے ہاں مغربی تہذیب سے مرعوب قرآنی مفکرین نے اسے اپنا لیا۔ سرسید احمد خان جو ڈارون کے ہم عصر اور سوامی دیانند سے متاثر تھے انہوں نے اس نظریہ کو نیچر کے مطابق پایا تو اسے قبول کر لیا۔ آج کل ادارہ طلوع اسلام سرسید کی تقلید میں اس نظریہ کے پرچار میں سرگرم ہے۔

سوچنے کی بات ہے کہ وہ نظریہ جسے مغربی مفکرین ناقابل اعتماد ٹھہرا چکے ہیں تو ہمارے قرآنی مفکرین کو احادیث جیسے ظنی علم کو رد کر کے اس "یقینی علم" کو سینے سے لگانے کی کیا ضرورت تھی؟ سائنسی نظریات کا تو یہ حال ہے کہ جب وہ اپنے تجرباتی اور تحقیقی مراحل سے گزرنے کے بعد سائنسی قانون (Law) بن

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

جاتے ہیں تب بھی انہیں آخری حقیقت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بعد میں آنے والے مفکر ایسے سائنسی قوانین کو رد کر دیتے ہیں۔ نیوٹن کے دریافت کردہ قانون کشش ثقل کو آئن سٹائن نے مشکوک قرار دیا۔ یہی صورت حال اس کے قوانین حرکت کی ہے تو ایسی صورت حال میں ان نظریات کو تاویل و تحریف کے ذریعہ قران سے ثابت کرنا کوئی دینی خدمت یا قرآنی فکر قرار دیا جا سکتا ہے۔؟

پرویز صاحب نے اس نظریہ ارتقاء کو دو شرائط کے ساتھ اپنایا ہے:

① یہ کہ پہلے جرثومہ حیات میں زندگی کسی نہ کسی طرح خود بخود ہی پیدا نہیں ہوئی تھی بلکہ یہ زندگی خدا نے عطا کی تھی۔

② انسان کا فکر وشعور ارتقاء کا نتیجہ نہیں بلکہ نفخ خداوندی کا نتیجہ ہے اور یہ کہ نفخ خداوندی فجائی ارتقاء کے طور پر واقعہ ہوا۔ فجائی ارتقاء کے نظریہ کا موجد موجودہ دور کا امام لائڈ مارگن ہے جس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ فجائی ارتقاء ممکن العمل ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر خدا ہی کو خالق زندگی اور نفخ روح کا بطور فجائی ارتقاء عامل تسلیم کرنا ہے تو پھر کیوں نہ آدم کو عام قانون ارتقاء سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ استثناء کا قانون بھی تو آخر اس کائنات میں موجود ہے۔ گو اس قانون تک انسان کی دسترس آج تک نہیں ہو سکی پھر یہ سوال بھی بڑا وزنی ہے کہ جب نوع انسان پہلے سے چلی آرہی تھی تو کیا نفخ روح اس نوع کے سارے افراد میں ہوا تھا یا کسی فرد واحد میں؟ اگر کسی فرد واحد میں ہوا تو وہ کون تھا اور یہ واقعہ کس دور میں ہوا؟ یہ ایسے سوالات ہیں جن کا ان حضرات کے پاس کوئی جواب نہیں۔

طلوعِ اسلام کے قرآنی دلائل

حقیقت میں دیکھا جائے تو قرآن میں کوئی ایسی نص موجود نہیں جو انسان کو نظریہ ارتقاء کی کڑی میں منسلک کر دے' تاہم جن آیات سے استشہاد کیا جاتا ہے وہ درج ذیل ہیں:

① نفسِ واحدہ سے مراد پہلا جرثومہ حیات؟

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُوا۟ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَٰحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَآءً ﴾ (النساء ٤/ ١)

"اے لوگو! خدا سے ڈرو جس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا پھر ان دونوں سے کثیر مرد اور عورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلا دیے۔"

یہ آیت اپنے مطلب میں صاف ہے کہ نفسِ واحدہ سے مراد آدم علیہ السلام ہیں لیکن ہمارے یہ دوست نفس واحدہ سے مراد پہلا جرثومہ حیات لیتے ہیں۔ اس جرثومہ حیات کے متعلق نظریہ ہے کہ وہ کٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا پھر ان میں سے ہر ایک بڑا ہو کر پھر کٹ کر دو دو ٹکڑے ہوتا گیا۔ اس طرح زندگی میں وسعت

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

پیدا ہوتی گئی جو جمادات سے نباتات' نباتات سے حیوانات اور حیوانات سے انسان تک پہنچی ہے۔

یہ تصور اس لحاظ سے غلط ہے کہ ﴿ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا ﴾ کے الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ اس جوڑے سے آئندہ نسل تو الدوتناسل کے ذریعہ چلی تھی جب کہ جرثومہ حیات کی صورت یہ نہیں ہوتی۔ آج بھی جراثیم کی افزائش اسی طرح ہوتی ہے کہ ایک جراثیم کٹ کر دو حصے بن جاتا ہے پھران میں سے ہرایک کٹ کر دو حصے بن جاتا ہے۔ اس طرح افزائش ہوتی چلی جاتی ہے ان میں توالدو تناسل نہیں ہوتا لہٰذا وہ ایک جرثومہ کے دو ٹکڑے تو کہلا سکتے ہیں زوج نہیں کہلا سکتے۔

② علق کا مفہوم

دوسری آیت یہ ہے:

﴿ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝١ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝٢ ﴾ (العلق۹۶/ ۱-۲)

("اے محمد ﷺ! اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھئے جس نے (کائنات کو پیدا کیا) جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا۔")

اس آیت میں ﴿ علق ﴾ کا لغوی معنی جما ہوا خون بھی ہے اور جونک بھی۔ ہمارے یہ دوست اس سے دوسرا معنی مراد لیتے ہیں اور اسے رحم مادر کی کیفیت قرار نہیں دیتے بلکہ اس سے ارتقائی زندگی کے سفر کا وہ دور مراد لیتے ہیں جب جونک کی قسم کے جانور وجود میں آئے اور کہتے ہیں کہ انسان انہی جانداروں کی ارتقائی شکل ہے۔

اس اشکال کو' کہ آیا یہ رحم مادر کا قصہ ہے یا ارتقائے زندگی کے سفر کی داستان درج ذیل آیت دور کر دیتی ہے:

﴿ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ۚ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۝١٤ ﴾

("پھر نطفہ کا لوتھڑا ﴿ علق ﴾ بنایا پھر لوتھڑے کی بوٹی بنائی پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا پھر اس (انسان کو) نئی صورت میں بنا دیا تو خدا سب سے بہتر بنانے والا بڑا بابرکت ہے۔")

(المؤمنون۲۳/ ۱٤)

انسان کی پیدائش کے یہ تدریجی مراحل صاف بتا رہے ہیں کہ یہ رحم مادر میں ہونے والے تغیرات ہیں' کیونکہ اِرتقائے زندگی کے مراحل ان پر منطبق نہیں ہوتے۔ نیز یہ بھی کہ قران مجید نے "علق" یا "علقہ" سے مراد رحم مادر میں جما ہوا خون ہی لیا ہے۔ اس سے اِرتقائی نظریہ کی جونک مراد نہیں۔

③ اطوارِ مختلفہ

تیسری آیت یہ ہے:

﴿ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ۝١٤ ﴾ (نوح۷۱/ ۱٤)

"حالانکہ اسی نے تم سب کو مختلف حالات میں پیدا کیا

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

ہے۔" (تفسیر ثنائی)

— — — — — — — — "حالانکہ اس نے تم کو طرح طرح (کی حالتوں) میں پیدا کیا ہے۔" (فتح محمد جالندھری)

— — — — — — — — "حالانکہ اس نے تم کو طرح طرح سے بنایا ہے۔" (تفہیم القرآن)

اور اس سے مولانا مودودی نے وہی تخلیقی مراحل مراد لئے ہیں جو رحم مادر میں ہوتے ہیں۔

پرویز صاحب اس آیت سے اِرتقائے زندگی کے مراحل مراد لیتے ہیں' لیکن کوئی ایسی وجہ نہیں کہ اس سے رحم مادر کے مراحل مراد نہ لئے جائیں جب کہ سورہ علق کی مندرجہ بالا آیت اس کی وضاحت بھی کر رہی ہے اور کوئی ایسا قرینہ بھی موجود نہیں جس سے پرویز صاحب کے نظریہ کی تائید ہو سکے۔

④ زمین سے روئیدگی

چوتھی آیت درج ذیل ہے:

﴿وَاللَّهُ أَنۢبَتَكُم مِّنَ ٱلْأَرْضِ نَبَاتًا ﴿١٧﴾﴾ (نوح ۷۱/ ۱۷)

"اور خدا ہی نے تم کو زمین سے پیدا کیا ہے۔" (فتح محمد)

"اللہ نے تم کو زمین سے پیدا کیا۔" (تفسیر ثنائی)

— — — — — — — — "اور اللہ نے تم کو زمین سے عجیب طرح اگایا۔" (تفہیم القرآن)

پرویز صاحب اس کا ترجمہ کرتے ہیں:

"اور ہم نے تمہیں زمین سے اگایا ایک طرح کا اگانا۔"

اور اس سے مراد یہ لیتے ہیں کہ انسان نباتات اور حیوانات کے راستے سے ہوتا ہوا وجود میں آیا ہے۔

آیت مندرجہ بالا میں نَبَتَ کا لفظ لغوی اعتبار سے ہر بڑھنے والی چیز پر بولا جاتا ہے۔ نباتات' حیوانات اور انسان سب پر اس کا یکساں استعمال ہوتا ہے۔ (امام راغب) اس کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ جب کوئی چیز خوب پھل پھول رہی ہو تو یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً ((نَبَتَ الْغُلَامُ)) بمعنی "لڑکے کا جوان ہونا" بچہ کی پرورش کرنا۔" (لازم ومتعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ (المنجد) ((نَبَتَ ثَدْيُ الْجَارِيَةِ)) "لڑکی کے پستان ابھر آنا" (منتهى الارب) اسی طرح جب ایک بچہ کی اس طرح پرورش ہو رہی ہو کہ وہ اپنی اصل عمر سے بڑا اور خوب پلا پوسا معلوم ہوتا ہو تو ((اَنْبَتَ)) کا لفظ استعمال ہوتا ہے' چنانچہ قرآن میں ہے:

﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا﴾ (آل عمران ۳/ ۳۷)

"تو خدا نے مریم علیہا السلام کو پسندیدگی کے قابل قبول فرمایا اور اسے اچھی طرح پرورش کیا۔"

اندریں صورت حال یہ آیت بھی نظریہ ارتقاء کی کوئی موثر دلیل نہیں ہو سکتی۔

⑤ قصہ آدم کے سلسلہ میں پرویز صاحب نے مندرجہ ذیل آیت کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے کہ:

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾ (الأعراف ۷/ ۱۱) "اور ہم نے تمہیں پیدا کیا' پھر تمہاری شکل صورت بنائی' پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔"

اس سے آپ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آیت مذکورہ میں جمع کا صیغہ اس بات کی دلیل ہے کہ آدم علیہ السلام سے پہلے بنی نوعِ انسان موجود تھی کیونکہ ملائکہ کے سجدہ کا ذکر بعد میں ہوا ہے پھر سورہ اعراف کی آیات ۱۱۔ ۲۵ تک توجہ دلائی ہے۔ جہاں کہیں آدم اور اس کی بیوی کے لئے تثنیہ کا صیغہ آیا ہے۔ لیکن اکثر مقامات پر جمع کا صیغہ ہے۔

اس کے جواب میں اتنا ہی عرض کریں گے کہ آپ اگر آیات (۱۱۔ ۲۵) کے بجائے (۲۔ ۲۵) پر غور کرنے کو فرما دیتے تو تثنیہ کے صیغہ کی حقیقت معلوم ہو جاتی۔

ابتداء میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے تمام موجود انسانوں کو مخاطب کیا گیا ہے کہ "اپنے پروردگار سے نازل شدہ وحی کی تابعداری کرو" پھر آگے چل کر آدم علیہ السلام آپ کی بیوی اور ابلیس وغیرہ کا قصہ مذکور ہے تو قرآن میں حسب محل صیغوں کا استعمال ہوا ہے۔ ان آیات کے مخاطب آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد ہے نہ کہ آدم علیہ السلام اور ان کے آباء واجداد یا بھائی بند' جو آپ کے خیال میں اس جنت میں رہتے تھے۔ جس کے متعلق خدا نے فرمایا:

﴿يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ﴾ "اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو" (البقرۃ ۲/ ۳۵)

اگر جنت میں اس "آدم" کی سابقہ نسل بھی رہتی تھی تو محض آدم اور اس کی بیوی کو جنت میں رہنے کی ہدایت بالکل بے معنی ہو جاتی ہے۔

اس آیت کا دوسرا پہلو جس کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے صرف حضرت آدم علیہ السلام کو بطور خصوصی تخلیق پیدا کیا تھا تو آیت بالا میں "کم" کی ضمیر جمع کیوں استعمال ہوئی ہے؟ تو ہم عرض کریں گے کہ محاورہ عرب میں موقع و محل کے لحاظ سے واحد کے لئے جمع کے استعمال کی اور بھی کئی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ (الزمر ۳۹/ ۳۳) "اور جو شخص سچی بات لے کر آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہی لوگ متقی ہیں۔"

نظریہ ارتقاء کے ابطال پر قرآنی دلائل

۱۔ مراحل تخلیق انسانی: اب دیکھئے اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کے جو مختلف مراحل بیان فرمائے ہیں' وہ یہ ہیں:

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

(۱) تراب بمعنی خشک مٹی (المومن ۶۷) (۲) ارض بمعنی عام مٹی یا زمین (نوح۔۱۷) (۳) طین بمعنی گیلی مٹی گارا (الانعام۔۲) (۴) طین لازب بمعنی لیس دار اور چپک دار مٹی (الصفت ۱۱) (۵) حما مسنون بمعنی بدبودار کیچڑ (الحجر ۲۶) (۶) صلصال بمعنی ٹھیکرا۔ حرارت سے پکائی ہوئی مٹی۔ (ایضاً) (۷) صلصال کالفخار بمعنی ٹن سے بجنے والی ٹھیکری۔ (الرحمٰن ۱۴)۔

یہ ساتوں مراحل بس جمادات میں پورے ہو جاتے ہیں۔ مٹی میں پانی کی آمیزش ضرور ہوتی لیکن پھر وہ بھی پوری طرح خشک کر دیا گیا۔ غور فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ نے تخلیق انسان کے جو سات مراحل بیان فرمائے ہیں وہ سب کے سب ایک ہی نوع (جمادات) سے متعلق ہیں۔ ان میں کہیں نباتات اور حیوانات کا ذکر آیا ہے؟ اگر انسان کی تخلیق نباتات اور حیوانات کے راستے سے ہوتی تو ان کا بھی کہیں تو ذکر ہونا چاہیئے تھا۔

۲۔ تخلیق انسان سے پہلے کا زمانہ: تخلیق آدم سے متعلق درج ذیل آیت اپنے مفہوم میں بالکل صاف ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿ هَلْ أَتَىٰ عَلَى ٱلْإِنسَٰنِ حِينٌ مِّنَ ٱلدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْـًٔا مَّذْكُورًا ﴿١﴾ ﴾ (الإنسان/ الدھر ۶۷/ ۱) "بے شک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔"

اب دیکھئے "دہر" سے مراد وہ زمانہ ہے جس کا آغاز ابتدائے آفرینش سے ہوا ہے اور عصر سے مراد وہ زمانہ ہے جس کا آغاز تخلیق آدم سے ہوا ہے کیونکہ انسانی افعال واعمال پر اللہ نے عصر کو بطور شہادت پیش کیا ہے دہر کو نہیں۔ ارشاد باری ہے کہ اس "دہر" میں انسان پر ایسا وقت بھی آیا ہے جب کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ اگر وہ نباتات حیوانات یا بندر کی اولاد ہوتا تو یہ چیزیں تو سب قابل ذکر ہیں۔ آخر ان کا نام لینے میں کیا حرج تھا؟ ہمارے خیال میں یہی آیت ڈارون کے نظریہ ارتقاء کو کلی طور پر مردود قرار دینے کے لئے کافی ہے۔

۳۔ آدم کی خصوصی تخلیق:

﴿ قَالَ يَٰٓإِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَن تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَىَّ ﴾ (ص ۳۸/ ۷۵) "خدا نے فرمایا کہ اے ابلیس جس شخص کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اس کے آگے سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے منع کیا؟"

اب خدا کے ہاتھوں سے اس لئے انکار کر دیا جائے کہ خدا کے متعلق تجریدی تصور ہی راہ صواب ہے۔ یا "ید" سے مراد قوت وقدرت ہے اور حدیث اگر آیت کی تائید کرے تو اسے ظنی کہہ دیا جائے اور اگر تورات بھی تائید کرے تو اس کی ہر ایسی آیت کو محرف قرار دیا جائے جو آپ کے قرانی فکر سے متصادم ہو۔ یہ سب کچھ کر لینے کے بعد نظریہ ارتقاء جیسے ناقابل اعتماد نظریہ کو صحیح قرآنی فکر قرار دیا جائے تو دلائل کی بات رہ کہاں جاتی ہے؟ سوچنے کی بات تو صرف یہ ہے کہ کائنات کی ہر شے کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

قدرت اور قوت ہی سے پیدا کیا ہے تو پھر صرف آدم کی تخلیق سے متعلق خصوصی ذِکر کی کیا ضرورت تھی کہ میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے بنایا"

۴۔ آدم کی بِن باپ تخلیق: سن ۹ ھ میں نجران کے عیسائی رسول اکرم ﷺ کے پاس مدینہ آئے اور الوہیت کے موضوع پر آپ سے مناظرہ کی ٹھانی۔ ان کے دلائل یہ تھے کہ جب تم مسلمان خود یہ تسلیم کرتے ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ نہ تھا اور یہ بھی تسلیم کرتے ہو کہ وہ مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے' تو بتاؤ اگر وہ خدا کے بیٹے نہ تھے' تو ان کا باپ کون تھا؟ اس دوران یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ ٱللَّهِ كَمَثَلِ ءَادَمَ خَلَقَهُۥ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾ ﴾ (آل عمران ۳/ ۵۹)

اللہ کے ہاں عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے۔ آدم کو اللہ نے مٹی سے پیدا کیا پھر کہا (انسان) ہو جا تو وہ انسان ہو گئے۔

یعنی عیسائیوں کو جواب یہ دیا گیا کہ اگر باپ کا نہ ہونا ہی الوہیت کی دلیل بن سکتا ہے تو آدم علیہ السلام الوہیت کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ ان کی باپ کے علاوہ ماں بھی نہ تھیں۔ لیکن تم انہیں خدا نہیں سمجھتے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیسے خدا ہو سکتے ہیں؟

گویا موضوع زیر بحث عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ پیدا ہونے کو عیسائی اور مسلمان دونوں متفقہ طور پر تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن آج مسلمانوں کا ایک طبقہ تو ایسا ہے جو معجزات کا منکر ہے۔ وہ آدم کی بغیر ماں باپ کے پیدائش کو تسلیم کرتا ہے کہ اس کے بغیر چارہ نہیں مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ پیدائش کو تسلیم نہیں کرتا۔ دوسرا فرقہ قرآنی مفکرین کا ہے جو ارتقائی نظریہ کے قائل ہونے کی وجہ سے آدم کی پیدائش کا بھی بن باپ کے قائل نہیں۔ مندرجہ بالا آیت میں ان دونوں فرقوں کا رد موجود ہے۔ وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو آدم کی پیدائش کے مثل قرار دیا ہے جس کی ممکنہ صورتیں یہ ہو سکتی ہیں۔

(۱) دونوں کی پیدائش مٹی سے ہے۔ یہ توجیہہ اس لئے غلط ہے کہ تمام بنی نوع انسان کی پیدائش مٹی سے ہوئی اس میں آدم و عیسیٰ کی کوئی خصوصیت نہیں۔

(۲) دونوں کی پیدائش ماں باپ کے ذریعہ ہوئی ہے۔ یہ توجیہہ بھی غلط ہے کیونکہ انسان کی پیدائش کے لئے یہ عام دستور ہے آدم و عیسیٰ کی اس میں بھی کوئی خصوصیت نہیں۔

(۳) اب تیسری صورت یہ رہ جاتی ہے کہ دونوں کا باپ نہ ہونا تسلیم کیا جائے اور یہی ان دونوں کی پیدائش میں مثلیت کا پہلو نکل سکتا ہے۔ جس میں دوسرے انسان شامل نہیں گویا یہ آیت بھی نظریہ اِرتقاء کو مکمل طور پر باطل قرار دیتی ہے۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

قصہ آدم وابلیس

جنت، شجر ممنوعہ اور ہبوط آدم: اب پرویز صاحب کی زبانی سنئے کہ آدم وابلیس کی تمثیلی داستان کیا ہے؟ اور جنت، ابلیس، آدم، ملائکہ وغیرہ سے کیا مفہوم ہے؟ فرماتے ہیں:

"جنت کی زندگی سے مراد نوع انسانی کی زندگی کا وہ ابتدائی دور ہے جس میں رزق کی فراوانیاں تھیں..... [1] انسان ملکیت کے لفظ سے نا آشنا تھا۔ جس کا جہاں جی چاہے سامان زیست لے لیتا۔ جس کا پہلا دور قبائلی زندگی کا تھا۔ یعنی اب نوع انسانی مختلف ٹکڑوں میں بٹ کر الگ الگ ہو گئی"

عربی زبان میں الگ الگ ہونے کو مشاجرت کہتے ہیں۔ اسی کا نام وہ شجر ہے جس کے قریب جانے سے انسان کو روکا گیا تھا۔" (ابلیس و آدم ص ۵۱، ۵۲)۔

اب دیکھئے کہ (۱) اگر جنت سے مراد رزق کی فراوانیاں ہی ہے تو اس سے تو انسان کے سب آباؤ اجداد اور دیگر حیوانات فائدہ اٹھا رہے تھے۔ آدم وحوا کو جنت میں آباد کر کے خدا نے اس جوڑے پر کونسا احسان فرمایا تھا؟

(۲) مشاجرت کے معنی تو واقعی الگ الگ ہونے کے ہیں لیکن دیکھنا تو یہ ہے کہ آیا مشاجرت اور شجر کے ایک ہی معنی ہیں؟ شجر اسم جنس ہے اور شجرہ کسی ایک درخت کو کہتے ہیں، الگ الگ بننے کو نہیں کہتے۔ جب کبھی یہ لفظ بطور اسم استعمال ہوگا اس کے معنی درخت ہی ہوں گے۔

۳۔ جس کسی آدمی کو اللہ نے اس شجر یا مشاجرت سے منع کیا تھا۔ (یعنی الگ الگ ٹکڑوں میں بٹ جانا) وہ تو پہلے ہی واقع ہو چکی تھی۔ ایک چیز کے ہو جانے کے بعد یہ کہنا کہ "ایسا نہ کرنا" کیا معنی رکھتا ہے؟

ابلیس اور ملائکہ: "انفرادی عقل کا یہ تقاضا کہ دنیا میں سب کچھ میرے ہی لئے ہونا چاہیئے۔ ابلیس کہلاتا ہے"

"ملائکہ یعنی کائنات کی قوتیں (جن سے رزق پیدا ہوتا ہے) انسان کے تابع فرمان ہیں..... وہ سب اس کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔" (ص ۵۲ ایضاً)۔

"وہ جذبہ جس کے متعلق قرآن نے کہا ہے کہ ابلیس نے آدم کے کان میں یہ افسوں پھونک دیا کہ وہ اسے حیات جاوید عطا کرے گا اور اس کا ذریعہ بتایا اولاد۔ یہ ہے مفہوم اس تمثیلی بیان کا جس میں کہا گیا ہے کہ اس حیات جاوید کے حصول کی تمنا میں انسان کے جنسی ترغیبات ابھر کر سامنے آگئے" (ابلیس و آدم ص ۵۳)

---

[1] سرسید جنت سے مراد انسان کا عہد طفلی و شجر ممنوعہ سے مراد عقل و شعور اور ہبوط آدم سے مراد عقل و شعور کے بعد کی زندگی لیتے ہیں۔ پرویز صاحب اس مسئلہ میں سید صاحب سے پورا پورا اختلاف رکھتے ہیں اور بالکل نئی تاویلات پیش فرماتے ہیں۔

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

۱۔ اب دیکھئے ابلیس کی کئی تعبیریں یہ لوگ کرتے ہیں کہیں اس سے مرد عقل بے باک ہوتی ہے جو وحی کے تابع نہ ہو۔ کہیں ابلیس سے سرکشی اور بغاوت مفہوم لیا جاتا ہے۔ کہیں اسے ذاتی مفاد سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ یہ لفظ بس موم کی ناک ہے جدھر چاہیں موڑ لیں۔ البتہ ان سب معانی میں ایک بات بطور قدر مشترک ضرور پائی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ابلیس کوئی الگ چیز نہیں ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ابلیس نے تو خدا کے سامنے جھگڑا ہی یہ کھڑا کیا تھا' کہ میں آدم سے افضل ہوں۔ اگر انسان کے علاوہ ابلیس کا تصور ممکن نہیں تو یہ جھگڑا آخر کس نے کیا اور کس سے کیا؟

(۲) یہی حال لفظ "ملائکہ" کا ہے' لیکن اس سے مراد انسان کے اندر نیکی کی قوتیں سمجھا جاتا ہے۔ کبھی اسے ملکہ فطری سے تعبیر کیا جاتا ہے کبھی کائنات کی خارجی قوتوں سے۔ اس مقام پر ان قوتوں کو رزق سے محدود کر دیا گیا ہے۔ ان سب تعبیروں میں قدر مشترک یہی ہے کہ ملائکہ اپنا کوئی خارجی وجود یا تشخص نہیں رکھتے جب کہ قرآن مجید سے یہ ثابت ہے کہ ان کا خارجی وجود ہے اور ان پر ایمان لانا ایمان بالغیب کا ایک حصہ ہے۔

۳۔ ابلیس کے فریب سے آدم اور اس کی بیوی نے درخت کا پھل چکھ لیا تھا۔ پرویز صاحب فرماتے ہیں کہ وہ پھل جنسی ترغیبات تھیں۔ جس کے ذریعہ اولاد پیدا ہوتی ہے اور انسان بزعم خود حیات جاوید حاصل کر لیتا ہے"

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ (اس نظریہ کے مطابق) جنسی ترغیبات تو انسان سے بہت پہلے بندر میں بھی اور اس سے پہلے دیگر حیوانات میں بھی موجود تھیں اور اس سے بہت عرصہ بعد انسان غیر انسانی اور نیم انسانی حالتیں طے کرتا ہوا انسان بنا ہے توالد وتناسل اور اولاد کا سلسلہ بھی بندروں میں موجود تھا پھر اس مقام پر ابلیس نے آدم کو جنسی ترغیبات کی یہ کیا پٹی پڑھائی تھی؟

نظریہ ارتقاء اور اسلامی تعلیمات کا تقابل

قران انسان سے متعلق اشرف المخلوقات کا تصور پیش کرتا ہے جب کہ نظریہ ارتقاء اسے بندر کی اولاد قرار دے کر اسے پست تر مقام پر لے آتا ہے۔ بندر انسان کے بمقابلہ حقیر تر اور ذلیل تر مخلوق ہے۔ جس کا اعتراف سرسید احمد نے بھی ﴿كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ﴾ کی تفسیر کے تحت کیا ہے۔

مغربی مفکرین کی یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ انہوں نے جب بھی انسان سے متعلق اپنے نظریات پیش کئے ہیں تو اسے حیوانی سطح سے اوپر نہیں اٹھنے دیتے۔ ارسطو نے انسان کو حیوان ناطق کہا' ڈارون نے اسے بندر کی اولاد قرار دیا۔ سگمنڈ فرائڈ نے اسے جنسی حیوان کہا اور مارکس ولینن نے انسان کو معاشی حیوان سے تعبیر کیا جب کہ قرآن انسان کو تمام مخلوقات سے بلند تر مقام پر فائز کرتا ہے۔ ارشاد باری ہے۔

﴿ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ ءَادَمَ وَحَمَلْنَٰهُمْ فِي ٱلْبَرِّ "اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ﴿٧٠﴾ (الإسراء ۱۷/ ۷۰)

دریا میں سواری دی اور پاکیزہ روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی"

۲۔ نظریہ ارتقاء وحدت حیات کا تصور پیش کرتا ہے جب کہ قرآن مجید ﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ کہہ کر وحدت امت کا تصور پیش کرتا ہے۔ وحدتِ امت سے مراد یہ ہے کہ جو حقوق اللہ نے انسان کو دیے ہیں دوسری کسی مخلوق کو نہیں دیے۔ مثلاً انسان حلال جانوروں کو ذبح کر کے کھا سکتا ہے اور ان سے اور بھی کئی طرح سے استفادہ کر سکتا ہے۔ لیکن نظریہ وحدت حیات انسان کو ایسے حقوق عطا نہیں کرتا۔ اسی بنا پر ہندوؤں کے ہاں اہنسا کا اصول کار فرما ہے اور وحدت الوجود کے قائلین جانوروں کو بھی بالکل اپنے ہم مرتبہ تصور کرتے ہیں۔

۳۔ اسلامی تعلیمات کا انحصار ایمان بالغیب پر ہے۔ ایمان بالغیب کے اجزاء یہ ہیں۔

خدا پر ایمان' فرشتوں کے خارجی وجود پر ایمان' نبیوں پر ایمان' الہامی کتابوں اور یوم آخرت پر ایمان جب کہ نظریہ ارتقاء۔ ایمان بالغیب کے اکثر اجزاء کی جڑ کاٹ دیتا ہے جیسا کہ اس کتاب میں متفرق مقامات پر ذکر آیا ہے۔

۴۔ نظریہ ارتقاء الحاد کی راہوں پر ڈال دیتا ہے۔ اس کا سب سے پہلے اثر اس نظریہ کے بانی ڈارون پر ہوا۔ اشتراکی دہریت پسند اس نظریہ کا پرچار صرف اسی لئے کرتے ہیں کہ یہ نظریہ مذہب سے دور لے جاتا ہے حالانکہ اشتراکی فلسفہ کی بنیاد نظریہ اضداد یا جدلی نظریہ پر ہے جو نظریہ ارتقاء کے مخالف ہے۔ تاہم یہ لوگ نظریہ ارتقاء کا پرچار محض اس لئے کرتے ہیں کہ اس سے مذہب سے تنفر اور اشتراکیت کے لئے راستہ ہموار ہو سکے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ نظریہ ارتقاء اسلام کے بنیادی عقائد سے براہ راست متصادم ہے۔

نظریہ ارتقاء کا مستقبل: نظریہ ارتقاء کا مطالعہ کرنے سے ازخود یہ سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ انسان جو ارتقائی منازل طے کرتا ہوا حیوانیت سے گزر کر درجہ انسانیت تک پہنچا ہے تو اب اس کی اگلی منزل کیا ہوگی؟ یہ نظریہ اگلی منزل کی کوئی نشاندہی نہیں کرتا۔ البتہ مغربی مفکرین یہ بات ضرور کہتے ہیں کہ اب انسان کی اگلی منزل طبعی نہیں بلکہ ذہنی ہوگی۔ پرویز صاحب اس سوال کے جواب میں پروفیسر جوڈ کا اقتباس نقل کرتے ہیں:

"انسانیت کے ارتقاء کی اگلی منزل طبعی نہیں بلکہ ذہنی اور نفسی ہوگی۔ پہلے پہل انسان ارتقاء کی منزلیں طے کر کے حیوانیت اور انسانیت کے درجہ پر آیا پھر اس نے صنعت وحرفت کی مدد سے اپنے آپ کو آلات واسباب سے آراستہ کیا۔ ہمارے اس دور میں انسان نے صنعت وحرفت پر پورا کمال حاصل کر لیا ہے۔ اب اس کے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ وہ اس منزل سے آگے بڑھے اور جس

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

طبعی ارتقاء نے اسے مجبور کر دیا تھا کہ وہ حیوان سے ترقی کر کے انسان کے درجے میں قدم رکھے پھر اس کی جبلی ضرورتوں نے اوزار و آلات بنوائے اور وہ مشین اور اسٹیم کا خالق بنا۔ اسی طرح وہ آج مجبور ہے کہ اپنا قدم آگے بڑھائے' اور اس کا یہ قدم مادی نہیں بلکہ ذہنی اور نفسی ترقی کی طرف ہوگا۔" (قرآنی فیصلے ص ۳۴۰)۔

مندرجہ بالا اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ۔

۱۔ انسان کے اس فجائی ارتقاء نے جس سے اسے قوت اختیار وارادہ حاصل ہوا تھا اس کے مادی ارتقاء کو ختم کر دیا ہے۔ بالفاظ دیگر ڈارون کے نظریہ ارتقاء کی آخری منزل بس انسان ہی ہے۔

۲۔ اگر طبعی ارتقاء ہی نے حیوانی زندگی کو مجبور کیا تھا کہ وہ انسانی زندگی میں قدم رکھے تو حیوانی زندگی تو آج بھی موجود ہے لیکن کیا طبعی ارتقاء نے کسی حیوان کو مجبور کیا ہے کہ وہ انسانی زندگی میں قدم رکھے؟ اگر ایسا نہیں اور یقیناً ایسا نہیں تو یہ نظریہ از خود غلط قرار پاتا ہے۔

۳۔ ذہنی ترقی تو واضح ہے کہ کبھی پتھر کا زمانہ تھا' پھر دھات کا زمانہ آیا' پھر صنعت وحرفت کا۔ آج ایٹمی دور ہے لیکن اس میں نفسی ترقی کی کیا بات ہوئی؟

صراطِ مستقیم کیا ہے؟: پرویز صاحب کا نظریہ ارتقاء سے متعلق ایک مضمون پڑھنے کے بعد کسی نے سوال کیا کہ:

"آپ نے لکھا کہ انسان سلسلہ ارتقاء کی اوپر کی کڑی ہے تو اس سے ظاہر ہے کہ انسان میں مادی تغیرات سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ مادہ پرست بھی یہی کہتے ہیں یہ کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ اگر یہ ارتقاء مادی ہے تو انسان کا مزید ارتقاء بھی مادی ہونا چاہیئے' کیا صراطِ مستقیم پر چلنے کے معنی یہی ہیں؟ یعنی جس خط پر اس وقت تک ارتقاء ہوتا چلا آیا ہے اسی پر آگے ارتقاء ہو۔" (قرآنی فیصلے ص ۳۳۵)

اس خط سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صراطِ مستقیم سے مراد پرویز صاحب کے نزدیک وہ لائن ہے جس پر زندگی سفر کرتی ہوئی پہلے جرثومہ حیات سے انسان تک پہنچی ہے اور اس صراط مستقیم کی اتنی منازل انسان طے کر چکا ہے اب یہ صراط مستقیم آگے کہاں جاتا ہے۔ اس کی تفصیل بھی پرویز صاحب کی زبانی ملاحظہ فرمایئے:

"آپ نے صراطِ مستقیم سے جو مفہوم اخذ کیا ہے وہ حقیقت پر مبنی نہیں۔ قرآن کی یہ جامع اصطلاح بڑے اہم نکات کی حامل ہے جیسا کہ میں اوپر لکھ چکا ہوں' قرآن سے پہلے ذہن انسان کی دوری حرکت کا قائل تھا جس میں آگے بڑھنے کا تصور ہی نہ تھا۔ قرآن نے زندگی کا حرکیاتی (Dynamic) تصور پیش کر کے بتایا کہ حیات کسی چکر میں گردش نہیں کر رہی بلکہ اپنے ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی آگے بڑھ رہی ہے لہٰذا اس کی حرکت آگے بڑھنے والی ہے۔ صراطِ مستقیم سے اس غلط فلسفہ

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

حیات (یعنی زندگی کے چکر میں گردش کرنے) کا ابطال ہو گیا اور اس صحیح مقصود حیات (یعنی زندگی کے آگے بڑھنے) کا اثبات ہو گیا پھر چونکہ مستقیم میں توازن قائم رکھنے کا پہلو بھی مضمر ہے۔ اس لئے یہ حقیقت بھی سامنے آگئی کہ زندگی مختلف قوتوں میں توازن قائم رکھتے ہوئے آگے بڑھنے کا نام ہے۔ اس کے ساتھ ہی قرآن نے یہ بھی بتایا ہے کہ "صراطِ مستقیم" پر چلنے سے مراد یہ نہیں کہ زندگی اپنی موجودہ سطح پر چلتی رہے گی۔ زندگی کی راہ سیدھی بھی ہے اور بلندیوں کی طرف جانے والی بھی۔ یعنی ایسا خط جو کسی نچلے طبقے سے اوپر کے نقطے کی طرف جائے۔ ﴿ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴾ (۸۴:۱۹) کہ تم درجہ بدرجہ اوپر چڑھتے چلے جاؤ گے۔ اس سے زیادہ واضح الفاظ میں بتا دیا کہ صراط مستقیم تمہارے اس نشوونما دینے والے (رب) کی راہ (قانون) ہے جو ذی معارج (۷۰:۳) ہے۔ یعنی سیڑھیوں والا خدا۔ سیڑھی سیدھی بھی ہوتی ہے اور اوپر لے جانے کا ذریعہ بھی۔ گھسٹتے ہوئے اوپر جانے کا ذریعہ نہیں بلکہ ابھرتے ہوئے (Jump کرتے ہوئے) اوپر چڑھنے کا ذریعہ' یہ وہ ذریعہ ہے جس سے انسان اقطار السموت والارض یعنی موجودہ زمان ومکان کی حدود سے آگے بھی نکل سکتا ہے؟" (ص ۳۴۲)

سو یہ ہے وہ صراطِ مستقیم جس پر آئندہ انسانی زندگی کا ارتقاء ہو گا۔ گویا آپ کے خیال میں قرآن صرف [1] نظریہ ارتقاء کی یہ پیچیدگی حل کرنے کے لئے نازل ہوا تھا کہ آئندہ زندگی کا سفر کس لائن پر ہو گا اور وہ لائن کیسی ہو گی؟ غور فرمایئے کہ قرآن کے اولین مخاطب جو ان پڑھ تھے' انہوں نے ان فلسفیانہ پیچیدگیوں کو سمجھ لیا ہو گا؟ بہرحال آپ نے سیاق وسباق سے قطع نظر کرتے ہوئے کوئی آیت کہیں سے لی اور کوئی کہیں سے اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ زندگی کی صراطِ مستقیم جو انسانی زندگی تک زمین ہی پر تھی۔ اب وہ اوپر کی طرف چڑھے گی۔ مگر سوال یہ ہے کہ زندگی کو اس صراطِ مستقیم کے ذریعہ اوپر چڑھنے کا فائدہ کیا ہو گا۔ آپ کے نزدیک اوپر کوئی خدا تو ہے نہیں' وہ تو ہر جگہ موجود ہے' پھر اوپر جا کر زندگی کرے گی کیا؟

ایک روحانی بزرگ صراط مستقیم کا تصور کچھ اس طرح پیش کرتے تھے کہ ذات باری سے ہر ایک جاندار ایک روحانی شعاع کے ذریعے منسلک ہے اور اس کی دلیل میں وہ یہ آیت پیش کرتے تھے۔

﴿ مَّا مِن دَآبَّةٍ إِلَّا هُوَ ءَاخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَآ ﴾ "(زمین پر) جو کوئی چلنے پھرنے والا ہے خدا اس کی چوٹی کو پکڑے ہوئے ہے۔" (ھود ۱۱/ ۵۶)

ان کے تصور کے مطابق اس روحانی شعاع کا ایک سرا ہر جاندار کے دماغ میں پیوست ہے اور دوسرا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ یہی روحانی شعاع صراطِ مستقیم ہے اور اسی پر روحانی سفر ہو گا۔ اس زمین سے اوپر ہوائی کرہ کے بعد سب سے پہلے جہنم آتا ہے پھر اعراف' پھر جنت' پھر عالم لاہوت' ملکوت' مثال اور عالم امر

---

[1] مزید تفصیل کے لئے دیکھئے اس کتاب کا باب "فکر پرویز پر عجمی شیوخ کی اثر اندازی"

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

ہیں پھر اس کے بعد عرشِ الٰہی ہے اور اس سے اوپر ذات باری تعالیٰ اور بزعم خویش یہ بزرگ یہ روحانی سفر طے بھی کر چکے تھے۔ ان کی صراط مستقیم سے متعلق یہ تحقیق یا ان کی دوسری تحقیقات ٹھیک ہوں یا غلط' اس سے ہمیں سروکار نہیں' البتہ ایک بات ان کی قابل فہم ہے اور وہ یہ کہ وہ خدا کو اوپر سمجھتے تھے لہٰذا ان کی صراطِ مستقیم کا رخ اوپر کی طرف ہی ہونا چاہیئے تھا۔ مگر پرویز صاحب کے نزدیک خدا اوپر تو ہے نہیں بلکہ ہر جگہ موجود ہے پھر انہیں صراط مستقیم کو اوپر کی طرف لے جانے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ اور یہ سوال بھی تاحال حل طلب ہے کہ اس صراط مستقیم کے ذریعہ ارتقاء کی اگلی منزل کیا ہوگی؟ اس سلسلہ میں آپ فرماتے ہیں۔

ارتقاء کی اگلی منزل:

"ان تصریحات سے آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ نہ تو انسان خالص طبعی ارتقاء کی آخری کڑی ہے۔ (بلکہ اس کی انسانیت طبعی ارتقاء کے سلسلہ علت و معلول سے الگ ہے) اور نہ ہی اس کا مزید ارتقاء طبعی ہوگا۔ طبعی ارتقاء کی پیداوار صرف اس کا جسم ہے۔ اس میں جو ہر انسانیت غیر طبعی ہے۔ جسم انسانی میں اس جوہر انسانیت کے فیصلوں کے لئے معلومات فراہم کرنے کا ذریعہ۔ اس کے بعد مزید ارتقاء جسمانی نہیں بلکہ جوہر انسانیت کا ہوگا جسے ہم موت کہتے ہیں۔ وہ درحقیقت جوہر انسانیت کا جسم کے آسرے کو چھوڑ دینے کا نام ہے جوہر انسانیت (انسانی اختیار وارادہ) کی نشوونما ارتقاء قرآنی نظام ربوبیت سے ہوتی ہے۔ زندہ وہ ہے جس کے اختیار وارادے کی قوتیں (قرآن کی روشنی میں) تمام خارجی کائنات کو (جس میں خود اس کا جسم بھی شامل ہے) مسخر کئے جاتی ہیں نہ کہ وہ جس کے جسم کی طبعی مشینری چل رہی ہے جو اس طرح زندہ ہے وہ موت سے مر نہیں سکتا' اسی کا نام ارتقاء کی اگلی منزل طے کرنا ہے" (ایضاً ص ۳۴۸)۔

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ:

(۱) ارتقاء کی اگلی منزل موت ہے۔ جب جسم کا آسرا ختم ہو جائے گا

(۲) لیکن یہ ارتقاء کی منزل وہی طے کر سکے گا جس کا جوہر انسانیت نشوونما یافتہ ہو۔

جو قرآنی نظام ربوبیت کے اختیار کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ موت سب کو آنی ہے اور جسم کا آسرا بھی سب کا ختم ہوتا ہے جو لوگ نظام ربوبیت کے ذریعہ اپنے جوہر انسانیت کی نشوونما کر لیں گے۔ وہ تو ارتقاء کی اگلی منزل طے کر جائیں گے اور جو اس نظام کو اختیار نہیں کرتے یا اس پر ایمان نہیں لاتے ان کا کیا بنے گا؟

آخرت کا تصور: "جسم کا کام انسانی قوتِ فیصلہ (نفس) کے لئے معلومات فراہم کرنا اور اس کے فیصلوں کو جاری کرنا ہوگا (یعنی قرآنی نظامِ ربوبیت یا قانونی معاشرے میں) اس قوت میں جس قدر پختگی اور وسعت

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

ہوتی جائے گی اسی قدر انسانی زندگی ابدیت سے ہمکنار ہوتی جائے گی۔ جب جسمانی نظام طبعی قانون کے تحت مضمحل ہو کر منتشر ہو جائے گا (جسے موت کہتے ہیں) تو اس پختگی اور وسعت یافتہ قوت (نفس) کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ اس کے بعد اسے معلومات فراہم کرنے اور اس کے فیصلوں کو نافذ کرنے والا اور نظام مل جائے گا۔" (ایضاً ص ۳۴۷)۔

اس اقتباس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ موت کے وقت نظریہ ارتقاء کا اصول بقاء للاصلح (Fittest Survival of the) لاگو ہو گا پھر جس انسان نے اپنے نفس کو قرانی نظام ربوبیت کے ذریعہ جس قدر پختہ کر لیا ہو گا اسی قدر اس کا نفس ابدیت سے ہمکنار ہو گا۔ اسی نظریہ کا دوسرا پہلو یہ بھی نکلتا ہے کہ جن لوگوں نے اس نظام کے ذریعہ اپنے نفس کو پختہ نہیں بنایا وہ ختم ہو جائیں گے اور تربیت یافتہ نفوس جو ابدیت سے ہمکنار ہونے والے ہیں۔ ان کو معلومات فراہم کرنے کے لئے (نیا جسم نہیں) بلکہ نیا نظام بھی مل جائے گا۔

اخروی زندگی: اب کسی صاحب نے اس نئے نظام کے متعلق آپ سے مزید روشنی ڈالنے کی درخواست کی تو آپ نے اس کی وضاحت بدیں الفاظ فرمائی:

"زندگی کی موجودہ منزل میں انسان کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ زندگی کی آئندہ منزل کے متعلق کچھ معلوم کر سکے۔ ہمارے ذرائع معلومات' ہمارے حواس واحساسات ہیں اور ان کا تعلق محسوسات ومدرکات سے ہے لہٰذا جو چیزیں اس دائرہ سے باہر ہوں۔ ان کے متعلق ہم اپنے موجودہ ذرائع معلومات سے کچھ معلوم نہیں کر سکتے۔ آنے والی زندگی کیسی ہوگی" اس کا نظام کیا ہو گا؟ اس کی شکل وصورت کیا ہوگی؟ ہم نہیں جان سکتے۔ اس پر البتہ ہمارا ایمان ہے کہ زندگی کا سلسلہ غیر منقطع ہے۔ اس لئے اس زندگی کے بعد دوسری زندگی بھی یقینی ہے۔ اب تو سائنس کی تحقیقات کا رخ بھی اس طرف ہے کہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی کا امکان یقینی ہے اور جس شخص کا ایمان ہے کہ زندگی مسلسل ہے اس کا یہ ایمان قانون مکافاتِ عمل کی غیر منقطع ہمہ گیری کے لئے کافی ہے۔ یہی وہ ایمان ہے جس پر اسلامی تصور حیات کی عمارت اٹھتی ہے۔" (ایضاً ص ۳۱۰)۔

سائل نے جو نئے نظام پر روشنی ڈالنے کے لئے کہا تو اس کا جواب آپ نے دو صورتوں میں دیا:

(۱) ہم موجودہ احساسات سے اس نظام کو سمجھ نہیں سکتے۔

(۲) اس نظام کو سمجھنے کی ہمیں اس دنیا میں کوئی ضرورت بھی نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ قرآن نے جو آخرت یوم جزا وسزا' جنت ودوزخ کی لاتعداد تفصیلات بیان کی ہیں اور حضور اکرم ﷺ نے اپنی مکی زندگی کا بیشتر حصہ اس نئے نظام کو ہی ذہن نشین کرانے پر صرف کر دیا۔ کیا اس سے ہم صرف اس وجہ سے قطع نظر کر لیں کہ وہ نیا نظام ہمارے حیطہ ادراک سے باہر ہے۔ وحی سے روشنی حاصل کرنے اور ایمان بالآخرت کا کیا مطلب ہے؟ اب نئے نظام کے ادراک کی ضرورت تو یہ ہے

www.wkrf.net (Tahafuz-e-Hadees Foundation)

کہ اسی ادراک اور عقیدہ کی بناء پر ہماری یہ دنیوی زندگی بگڑتی یا سنورتی ہے۔ اگر انہیں جاننے کی ضرورت ہی نہیں تو قرآن نے اتنی تفصیلات کیوں بیان کی ہیں؟

آپ زندگی کے غیر منقطع ہونے پر ایمان صرف اس لئے نہیں رکھتے کہ اس پر اسلامی تصورِ حیات کی عمارت اٹھتی ہے بلکہ اس کی دوسری وجوہ بھی آپ نے بیان فرمادی ہیں۔

① اب تو سائنس کی تحقیقات کا رخ بھی اس طرف ہے کہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی کا امکان یقینی ہے۔

② مکافاتِ عمل کا وہ بے لچک قانون جو کائنات میں جاری وساری ہے اور جسے مادہ پرست بھی تسلیم کرتے ہیں۔

ہمارے اس خیال کو بدظنی پر محمول نہ کیا جائے۔ اگر وحی پر ایمان لانے کی بات درست ہو تو پھر نئے نظام کی تفصیل میں ہمارے موجودہ حواس پر انحصار کی ضرورت بھی کب پیش آتی ہے؟ ایمان بالغیب تو اسی چیز کا نام ہے کہ جو باتیں ہمارے حیطہ ادراک سے باہر ہیں۔ انہیں ہم صرف اس لئے درست تسلیم کریں کہ وہ بذریعہ وحی ہم تک پہنچی ہیں۔

طلوعِ اسلام کا تضاد: پرویز صاحب بہرحال اس بات کے قائل ہیں کہ زندگی غیر منقطع ہے اور موت کے بعد بھی جاری رہے گی۔ لیکن آپ کے استاد جناب حافظ اسلم صاحب مرنے کے بعد اور قیامت تک کے درمیانی عرصہ یعنی برزخ میں کسی طرح کی زندگی کے قائل نہیں۔ قرآنی فیصلے میں ایک طویل مضمون عذاب قبر کے عنوان سے شائع ہوا ہے جس میں حافظ صاحب موصوف نے بدلائل ثابت کیا ہے کہ ازروئے قران برزخ میں کوئی زندگی نہیں، جب کہ پرویز صاحب زندگی کے غیر منقطع ہونے کے قائل ہیں۔